خطباتِ سلف

طلباء کرام سے خطاب

ترتیب وانتخاب

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری
شیخ الحدیث ادارۂ دینیات ممبئی

۵

- شیخ عبدالقادر جیلانی
- خواجہ معصوم نقشبندی
- ڈاکٹر عبدالحئی عارفی
- مولانا ادریس کاندھلوی
- علامہ سیّد سلیمان ندوی
- علامہ یوسف بنوری
- مولانا ابوالحسن ندوی
- مولانا منظور نعمانی
- قاری طیب صاحب
- مفتی محمود الحسن گنگوہی
- مفتی عبدالرشید لدھیانوی
- مولانا یوسف لدھیانوی
- شاہ احمد پرتاپ گڑھی
- شاہ ابرارالحق ہردوئی
- مولانا ابراراحمد دھولیہ
- مولانا محمد رضا اجمیری

خطبات سلف

طلبائے کرام سے خطاب

جلد پنجم

{جمع ترتیب}

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالنپوری
شیخ الحدیث وخادم مکاتب قرآنیہ ممبئی

(ناشر)

الامین کتابستان دیوبند (یوپی)

نام کتاب	:	خطبات سلف (جلد پنجم)
		علماء کرام سے خطاب
ترتیب	:	حضرت مولانا حفظ الرحمن پالنپوری (کاکوسی)
کمپیوٹر کتابت	:	عابد کمپیوٹر گرافکس 02554-231855
ناشر	:	الامین کتابستان دیوبند (یوپی)
اشاعت اوّل	:	۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
صفحات	:	
قیمت	:	

ملنے کے پتے

فردوس کتاب گھر ممبئی، مکتبہ رشیدیہ چھاپی، مکتبہ ملت دیوبند، مکتبہ ابن کثیر ممبئی، مکتبہ الاتحاد دیوبند، نصیر بکڈپو دہلی

انتساب

والد مرحوم رحمۃ اللہ اور مشفق والدہ محترمہ کے نام

جنہوں نے نامساعد حالات میں بھی علوم اسلامیہ عربیہ کی تعلیم میں لگا کر مجھ پر احسان عظیم فرمایا، اللہ تعالیٰ والد مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت کو تادیر قائم رکھے۔

مشفق اساتذۂ کرام کے نام جنہوں نے انتہائی شفقت اور مہربانی فرما کر دو لفظ لکھنے پڑھنے کے قابل بنایا، اللہ تعالیٰ تمام اساتذہ اور محسنین کو اپنے خزانۂ غیب سے جزا عطا فرمائے۔

فہرست مضامین

عناوین | صفحہ نمبر

(۲۳) نشانِ گنج مقصود

(حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۴) دینی علوم کی غایت

(عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۵) مقصد تحصیل علم

(عارف باللہ حضرت علامہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۶) اہل سنت والجماعت (کتاب وسنت کی روشنی میں)

(مفسر قرآن حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ)

(۲۷) طلبہ سے خطاب

(حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۸) کتابت وتدوین حدیث

(شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ)

(۲۹) کامیابی کی تین لازوال شرطیں

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۰) یہ دین زندہ ہے اور زندوں سے قائم ہے

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۱) طالب علم

(حضرت مولانا منظور احمد نعمانی نور اللہ مرقدہٗ)

(۳۲) مرکز سعادت

(حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۳)علم کا مقام

(فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۴)مراتب علم

(فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۵)علم دنیا اور علم دین میں فرق مراتب

(حضرت علامہ مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ)

(۳۶) طلباء اور علماء کے لیے لائحہ عمل

(شہید اسلام حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۷) حقوق علم دین

(حضرت مولانا الشاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۸) اهمية اللغة العربية وميزاتها

(فضیلۃ الشیخ ابرار الحق ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ)

(۳۹) طلبہ کرام اور تبلیغ دین

(حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیہ رحمۃ اللہ علیہ)

تقریظ

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی دامت برکاتہم

رئیس الجامعہ دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ "فَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یاددہانی کرتے رہو، یاددہانی کرنا مومنین کو نفع دیتا ہے اس لیے ہر دور میں علمائے امت نے تذکیر کا فریضہ ادا کیا ہے، کوئی وعظ وارشاد کے ذریعہ اس فریضہ کو ادا کرتا ہے تو کوئی تحریر کو وسیلہ بناتا ہے۔

دورنبوت سے جتنا بعد ہورہا ہے امت میں اعمال میں کوتاہیاں بڑھ رہی ہیں مگر دورآخر میں بھی علماء ربانیین برابر اصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہیں اوران شاء اللہ قیامت تک مجددین اور مصلحین کا سلسلہ جاری رہے گا۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب پالنپوری قاسمی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے امت کے ہر طبقہ کے لیے بہت مفید مضامین ہمارے اکابرین اور علمائے راسخین کی کتابوں سے جمع کرکے شائع کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، بندہ نے اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے امت کے ہر طبقہ کے لیے بہت مفید مضامین ہمارے اکابرین اور علمائے راسخین کی کتابوں سے جمع کرکے شائع کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، بندہ نے اس کے عنوانات پر نظر ڈالی تو اس کو بہت مفید پایا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور امت کے ہر فرد کو اس سے استفادہ کرنے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

انسان کو اپنی اصلاح کے لیے یا تو بزرگوں کی صحبت سے فائدہ ہوتا ہے یا ان

کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے، مولانا موصوف کی یہ کتابیں ''خطبات سلف''، مکمل اصلاح امت کے لیے بہت مفید ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

فقط والسلام

احقر عبداللہ غفرلہ

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

تقریظ

نمونۂ اسلاف حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جن مختلف کمالات سے نوازا ہے، ان میں سے ایک بیان اور خطاب کی صلاحیت بھی ہے کہ وہ عمدہ اور دل نشین پیرایہ میں اپنے مافی الضمیر کو مخاطبین کے سامنے پیش کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن خصوصیات اور امتیازات سے نوازا تھا، ان میں سے ایک جوامع الکلم بھی ہے یعنی الفاظ کم ہوں اور اس کے معانی اور مدلولات زیادہ ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت اور امتیاز کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے صدقہ اور طفیل میں آپ کے علوم کے وارثین حضرات علماء کو بھی دیا گیا، جس کے ذریعے علماء کا یہ طبقہ ہر زمانے میں امت کی اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں علمائے سابقین کی مختلف علمی واصلاحی خدمات کو منقح اور مرتب کرنے کا ایک مستقل سلسلہ جاری ہے، چنانچہ علمائے سابقین کے اس علمی ذخیرہ کو دور حاضر کے علماء مختلف عنوانات کے ماتحت ترتیب دے کر امت کے سامنے پیش کر رہے ہیں، جس کا مقصد ایک ہی موضوع پر مختلف اکابر علماء ومشائخ کے افادات یکجا طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کرنا ہے، اسی نوع کا ایک سلسلہ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالنپوری زید مجدہم نے شروع کیا ہے جس میں ''خطبات سلف'' کے عنوان سے مختلف موضوعات پر اکابر واسلاف امت کے خطابات کو پیش کیا جارہا ہے، چنانچہ اس وقت ہمارے سامنے اس زیر ترتیب کتاب کی پانچ جلدیں ہیں، جن میں سے تین جلدوں میں علمائے کرام کو

مخاطب بنا کر دیے گئے خطبات کو جمع کیا گیا ہے اور دوسری دو جلدوں میں طلبہ کرام کو
مخاطب بنا کر دیے گئے۔

خطبات کو جمع کیا گیا ہے، بہر حال اپنے موضوع پر ایک اچھوتے انداز میں کی
گئی یہ علمی کاوش قابل مبارک باد ہے اور حضرات علماء وطلبہ کے لیے خاصہ کی چیز ہے، دعا
کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس سعی جمیل کو حسن قبول عطا فرمائے اور پڑھنے
والوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

فقط

أملأہ: احمد خانپوری

۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

پیش لفظ

اصلاح خلق اور رشد وہدایت کے منجملہ اسباب کے ایک قوی سبب وعظ وارشاد، خطابت وتقریر اور پند ونصیحت ہے یہی وجہ ہے کہ ابتداء ہی سے اس کا سلسلہ چلا آرہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف موقعوں کے بے شمار خطبات کتب حدیث میں مذکور ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات نہایت سادہ ہوتے تھے، ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں خطبہ دیتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عصاء ہوتا تھا، اور میدان جنگ میں خطبہ کے وقت کمان پر ٹیک لگاتے تھے، جمعہ اور عیدین کا خطبہ تو معین تھا لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا جب ضرورت پیش آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فی البدیہ خطبہ کے لیے تیار ہوجاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات سادہ اور پر اثر ہوتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی یہ سلسلہ برابر جاری رہا چنانچہ ہمارے ان اسلاف کے خطبات ومواعظ بھی تاریخ وسیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں، اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا۔

امت محمدیہ میں ہر دور اور طبقہ میں وہ پاکیزہ نفوس، برگزیدہ ہستیاں، اولیاء اتقیاء، صلحاء ابرار اور پاک باطن افراد رہیں گے جو امت کو اسلام کے نور سے منور کرتے رہیں گے۔

امت محمدیہ کا کوئی دوران پاکیزہ نفوس اور نیک طبیعت افراد سے خالی نہیں رہے گا۔

فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے

لاتزال طائفة من امتی ظهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم الى قيام الساعة

میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، انہیں ضرر پہنچائے گا ان کو خود ذلیل کرنا چاہے گا اور نہ وہ جو ان کی مخالفت کرے گا، قیامت تک ہزاروں مخالفتوں کے نرغے میں بھی وہ اپنے رشد وہدایت کے کام میں لگی رہے گی اور یہ بات بدیہی ہے کہ مواعظ وخطبات سے انسانی قلوب میں فضائل اور خوبیوں کی تخم ریزی ہوتی ہے جس سے نیکی کی راہ میں ثابت قدمی کے جذبات بنتے ہیں اور اس راہ کی تکالیف اور دشواریوں کو برداشت کرنا سہل ہوجاتا ہے، اور زندگی کی متاع عزیز کو اعمال صالحہ سے سنوارنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا...... **وان من البيان لسحرا**......بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں، جو جادو کا سا اثر کرتے ہیں، دل پر بیان کے کسی جملہ یا لفظ کی چوٹ لگتی ہے تو زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔

احقر کے دل میں پچھلے تین سالوں سے یہ خیال کروٹ لے رہا تھا کہ ہمارے اسلاف واکابر کے وہ ایمان افروز اور قیمتی خطبات ومواعظ جو متفرق اور مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں...... اگر ترتیب وار اور طبقہ وار ان کو یکجاء کیا جائے تو اس سے بڑے نفع کی توقع ہے...... آخر توفیق ایزیدی سے تدریجی طور پر کام شروع کردیا...... الحمدللہ کہ راہیں بھی وہی سجھاتے ہیں اور سہل بھی وہی کرتے ہیں۔

ان خطبات ومواعظ میں ترتیب یہ رکھی گئی کہ اسلاف واکابرین کے وہ خطبات جو علماء کے مجمع میں ہوئے ...... طلبہ کے مجمع میں ہوئے ...... خواتین سے ہوئے ...... خواص کے مجمع میں ہوئے ...... اور حجاج کرام میں ہوئے ...... ان سب کو طبقہ وار علیحدہ کیا گیا۔ پہلی، دوسری اور تیسری جلد میں اکابر کے وہ خطبات ہیں جو علماء کے مجمع میں ہوئے، (جس میں تقریبا اڑتالیس ۴۸ بیانات ہیں) چوتھی اور پانچویں جلد میں وہ خطبات ہیں جو طلباء کے سامنے کئے گئے، (جس میں چالیس ۴۰ بیانات ہیں) اس طرح ترتیب وار پانچ جلدوں میں علماء اور طلباء سے خطاب والے مواعظ مکمل ہوئے اور آگے اس طرح طبقہ وار ترتیب جاری رہے گی ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اپنی توفیق شامل حال فرمائے اور راہ کی ساری دشواریوں اور رکاوٹوں کو دور فرمائے۔

اکثر بیانات تو متفرق کتابوں میں آسانی سے دستیاب ہو گئے البتہ بعض بیانات کے لیے کافی دشواریوں کا سامنا بھی ہوا، بعض اکابرین کے مستقل بیانات نہیں مل سکے اور نہ ملنے کی کوئی سبیل تھی تو ان کے ملفوظات ومجلس سے مفید اقتباسات لئے گئے۔

بعض بیانات زیادہ طویل تھے تو ان میں کچھ اختصار کیا گیا۔

ہر بیان میں جگہ جگہ عناوین ڈالے گئے، بعض بیانات میں عناوین تھے تو ان میں اضافہ کیا گیا، کچھ جگہ عناوین میں ترمیم بھی کی گئی۔

ہر بیان کے شروع میں اس کا نام تجویز کیا گیا، اکثر بیانات میں نام موجود تھے وہ برقرار رکھے گئے، کچھ جگہ نام تبدیل بھی کئے گئے۔

ہر بیان کے شروع میں وہ ایک اقتباس اسی بیان کا لکھا گیا جس سے پورے

بیان کا خلاصہ سامنے آ جائے۔

سارے بیانات ہمارے ان اکابرین کے لیے گئے ہیں جو دنیا سے وفات پا چکے ہیں، موجودہ اکابرین کے بیانات شامل نہیں کیئے گئے۔

بلا کسی اصول کے سر دست ہمارے جن اکابرین کے بیانات موصول ہوتے گئے شامل کیئے گئے، متوفین میں ہمارے کئی اکابر واسلاف کے بیانات موصول نہیں ہو سکے، اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اکابر واسلاف کو بہترین جزا عطا فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

آخر میں احقر ان تمام علماء کرام، بزرگان دین اور دوست واحباب کا تہہ دل سے شکر گذار ہے جن کی کتابوں سے یا جن کے توسط سے بیانات موصول ہوئے، اور جنہوں نے ترتیب وجمع اور تصحیح میں کسی کا بھی تعاون کیا، اور جنہوں نے کسی طرح کے مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے، اور اس سلسلہ کو احقر کے لیے ذریعہ نجات اور ذخیرہ آخرت بنائے، اور امت کے خواص وعوام میں اس کو شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین یا رب العٰلمین۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

کتبہ حفظ الرحمن پالن پوری (کاکوسی)

خادم مکاتب قرآنیہ بمبئی۔

۲۹ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۶ رجنوری ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ---------- (۲۲)

علم زندگی ہے جہل موت ہے

{خطاب}

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ کا یہ بیان بروز جمعہ بوقت صبح
بتاریخ ۱۶ / رجب المرجب ۵۴۵ھ بمقام مدرسہ معمورہ میں ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

حق تعالیٰ نے اس کی سچی طلب کو جانچ لیا تو دروازہ کھول دیا، اور اس کے قلب کو اپنے حضور میں باریابی کی اجازت دے دی، اس کو اپنا قرب وانس عطا فرمایا، اور اس کی طلاق دی ہوئی دنیا اور آخرت کو بلا کر ان دونوں سے اس کا جدید عقد کر دیا، اور اس کے اور ان دونوں کے مابین شرط نامہ لکھ دیا جس میں اس کو کبھی اذیت نہ دینے کی ان پر شرط درج فرمائی اور ان دونوں کو اس کا خدمت گار بنا دیا کہ اس کے مقسوم اس کو پورے پورے دیتی رہیں اور ان کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی، پس اس کے حق میں معاملہ پلٹ گیا کہ پہلے دنیا اور آخرت کا طالب تھا اور اب وہ دونوں اس کی طالب بن گئیں۔

پیراگراف از بیان حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِہِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

جس نے اللہ پر بھروسہ کیا اس نے مضبوط کڑی کو تھام لیا

جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ "ملعون ہے وہ شخص جس کا بھروسہ اپنی جیسی مخلوق پر ہو۔" کتنی کثرت سے ہیں وہ لوگ جو اس لعنت میں داخل ہوئے بہت سی مخلوق میں سے ایک ہی آدھ ہوگا، جو حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہوگا۔اور جس نے حق تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو بے شک اس نے مضبوط کڑی کو تھام لیا اور جس نے اپنی جیسی (کمزور محتاج) مخلوق پر بھروسہ کیا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مٹھی میں پانی بند کرلے (اور سمجھے کہ پانی پر قبضہ کرلیا مگر اپنا ہاتھ کھولے تو اس میں کچھ بھی نظر نہ آوے۔

حق تعالیٰ پر اپنی حاجتیں پیش کر

مخلوق تیری حاجتیں ایک دو دن پوری کر دے گی تین دن پوری کر دے گی۔ مہینہ بھر پوری کر دے گی۔ سال دو سال پوری کر دے گی۔ آخر کار تنگ آ جائے گی (اور گھبرا کر رُخ بدل لے گی) تو حق تعالیٰ کی صحبت اختیار کر اور اسی پر اپنی حاجتیں پیش کر کہ دنیا ہو یا آخرت نہ وہ تجھ سے کبھی تنگ آئے گا اور نہ گھبرائے گا۔

صاحب توحید کی قوت جیسی قوت کا حامل نہ کوئی باپ رہتا ہے نہ ماں نہ کنبہ نہ دوست نہ دشمن نہ مال نہ جاہ اور نہ کسی ایک چیز کے ساتھ قرار و سکون ہے، یہ خیر حق تعالیٰ شانہٗ کے دروازہ اور اس کے احسانات سے ہے۔

درہم و دینار عنقریب تیرے ہاتھ سے جاتے رہیں گے

اے اپنے درہم و دینار پر بھروسہ رکھنے والے۔ عنقریب یہ تیرے ہاتھ سے جاتے رہیں گے۔ یہ سزا کے طور پر ہے، جس طرح تو نے ان کو طلب کیا ہے (اسی طرح کبھی) یہ دوسرے کے ہاتھ میں تھے (پس جب اس کی سزا کا وقت آیا) تو اس سے چھین کر تیرے حوالے کر دیئے گئے تا کہ تو اُن سے اپنے آقا کی اطاعت پر اعانت حاصل کرے سو تو نے ان کو اپنا بت ہی بنا لیا۔ (کہ ان کو قاضی الحاجات سمجھ کر ان کی پرستش کرنے لگا)

علم میں مستحکم دین خداوندی کا بادشاہ ہے

اے نادان! اللہ واسطے علم سیکھ۔ اور اس پر عمل کر کہ وہ تجھ کو (شاہی) آداب سکھا دے گا۔ علم زندگی ہے، اور جہل موت ہے۔ صدیق علم (شریعت) کی تحصیل سے جو (عام مؤمنین میں) مشترک ہے فارغ ہو لیتا ہے تو خاص علم یعنی قلوب اور اسرار کے علم (کے مدرسہ) میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ پس جب اس علم میں مستحکم ہو جاتا ہے تو

دین خداوندی کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ کہ اپنے بادشاہ بنانے والے (شہنشاہِ جل جلالہ) کے اذن سے حکم کرتا اور روکتا ہے۔ بخشش کرتا اور محروم بناتا رہتا ہے، وہ مخلوق میں سلطان بنتا ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم سے حکم دیتا ہے اور اسی کے کہنے سے منع کرتا ہے اور اسی کے حکم سے مخلوق سے لیتا ہے اور اسی کے حکم سے مخلوق کو دیتا ہے۔ پس حکم کے اعتبار سے مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے اور علم کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے ساتھ۔

علم گھر کا اندرون اور حکم اس دروازہ کا دربان ہے

حکم اس دروازہ کا دربان ہے اور علم گھر کا اندرون حکم عام ہے اور علم خاص عارف حق تعالیٰ کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے کہ اس کو معرفت کا علم اور اُن اُمور کی اطلاع سپرد کی گئی ہے جن کی اطلاع دوسروں کو نہیں ہے اُس کو دینے کا حکم ہوتا ہے تو وہ دیتا ہے اور جب نہ دینے کا حکم ہوتا ہے تو ہاتھ روک لیتا ہے کھانے کا حکم ہوتا ہے تو کھاتا ہے اور بھوکا رکھنے کا حکم کیا جاتا ہے تو بھوکا رہتا ہے۔ کبھی ایک شخص پر توجہ کرنے کا حکم ہوتا ہے تو اُس پر توجہ کرتا ہے اور دوسرے شخص سے بے توجہی کا حکم کیا جاتا ہے تو اس سے بے توجہ بن جاتا ہے کسی شخص سے اُس کو لینے کا حکم ہوتا ہے اور کسی پر اُس کے پیش کیے ہوئے نذرانہ کو واپس کر دینے کا، جو شخص اُس کی مدد کرتا ہے اُس کی (خدا کی طرف سے) مدد کی جاتی ہے اور جو اُس کو حقیر سمجھتا ہے وہ (خدا کی طرف سے) خوار ہوتا ہے۔

اہل اللہ خدائی سردار ہیں

اہل اللہ تمہاری جانب تمہارے ہی نفع کے لیے آئے ہیں۔ نہ کہ اپنی ضرورتوں کے لیے اُن کو تو مخلوق میں سے کسی ایک کی بھی ضرورت نہیں ہے وہ مخلوق کی رسیوں میں بل دیتے اور اُن کی تعمیر کو مضبوط بناتے اور اُن پر شفقت فرماتے ہیں وہ خدائی سردار ہیں

دُنیا اور آخرت میں۔ وہ جو کچھ تم سے لیتے ہیں اپنے لیے نہیں مخلوق کی خیر خواہی اور اسی میں مشغول رہنا ان کا کام ہے اس لیے جو چیز حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتی ہے وہ دائم اور قائم رہتی ہے اور جو چیز غیر اللہ کی طرف سے ہوتی ہے وہ قائم نہیں رہتی۔ علم کا اور علماء باعمل کا خادم بن اور اس پر جمارہ جب اول تو علم کی خدمت پر جمے گا تب ضرور ہے کہ دوبارہ علم تیری خدمت کرے اور جس طرح تو اس کی خدمت پر جمارہے گا تو قلبی فہم اور باطنی نور تجھ کو عطا ہوگا۔

حق تعالیٰ کا دروازہ کھلواؤ

صاحبو! جملہ اُمور حق تعالیٰ کے حوالے کرو کہ وہ تمہارا تم سے زیادہ واقف کار ہے، اس کی کشاکش کے منتظر رہو کہ ایک پل سے دوسرے پل تک بہت ہی گنجائش ہے بس کیا بعید ہے کہ دوسرے ہی لحظہ میں تنگی رفع اور وسعت عطا فرما دے، حق تعالیٰ کے خادم بنو اور اُس کا دروازہ کھلواؤ اور مخلوق کے دروازوں کو بند کرو (کہ بجز اس کے) کسی سے کچھ نہ مانگو پس وہ تم کو عجیب عجیب عنایتیں دکھائے گا جو تمہارے شمار سے باہر ہیں۔

کرنے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے

تجھ پر افسوس! اگر اللہ چاہے گا کہ مخلوق کے ہاتھوں تجھے نفع پہنچائے تو نفع پہنچائے گا کیونکہ وہی اُن کے قلوب کو مسخر کرنے والا اور نرم یا سخت بنا دینے والا ہے وہی زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے اور وہی دینے والا اور نہ دینے والا ہے وہی عزت بخشنے والا اور ذلیل بنانے والا ہے۔ وہی بیماری ڈالنے والا اور صحت دینے والا ہے وہی پیٹ بھرنے والا اور وہی بھوکا رکھنے والا ہے وہی کپڑے دینے والا اور ننگا رکھنے والا ہے وہی محسن دینے والا ہے اور وہی وحشت دینے والا اور وہی اوّل و آخر، ظاہر و باطن سب کچھ

وہی ہے نہ کوئی دوسرا۔

نیکوکاروں کا کام

دوسرا اپنے دل سے اس کا اعتقاد رکھ اور اپنے ظاہر سے مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کر کیونکہ پرہیزگار اور نیکوکاروں کا یہی کام ہے کہ اپنی ہر حالت میں حق تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور حسن خلق کے ساتھ قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا حکم کرتے ہیں جن کو وہ اپنے دلوں سے سمجھ بھی سکیں اور اُن کو احکام قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا حکم کرتے ہیں پس اگر وہ مان لیتے ہیں تو یہ ان کی قدر کرتے ہیں۔ اور اگر ان دونوں سے باہر چلتے ہیں تو ان کے درمیان نہ دوستی باقی رہتی ہے نہ محبت وہ حق تعالیٰ کے امر ونہی کے متعلق مخلوق کے ساتھ بے لحاظ بن جاتے ہیں۔

بندہ جب ترقی کے مقام پر پہنچتا ہے تو بارگاہِ حق سے اس کی رہبری ہوتی ہے

اپنے قلب کو مسجد بنا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی مت پکار جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ واقعی مسجدیں اللہ ہی کی ہیں بس ان میں آکر اللہ کے ساتھ شریک بنا کر مت پکارو پس جب اس بندہ کا درجہ اسلام سے ترقی کر کے ایمان تک اور ایمان سے آگے بڑھ کر ایقان تک اور ایقان سے معرفت تک اور معرفت سے علم تک اور علم سے محبت تک اور محبت سے محبوبیت تک اور طلب سے مطلوبیت تک پہنچ جاتا ہے تو اس وقت تو اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اگر غفلت کرتے تو اس پر قائم نہیں رکھا جاتا اور جب بھول واقع ہو تو یاد دِلایا جاتا ہے اور سو جائے تو جگایا جاتا ہے اور غافل ہو تو ہوشیار کر دیا جاتا ہے اور پشت پھیرے تو سامنے کو رُخ پھیر لیا جاتا ہے اور جب چپ ہو جائے تو بلوا دیا جاتا ہے

پس ہر وقت ہمیشہ بیدار اور صاف رہتا ہے کیونکہ اُس کے قلب کا آئینہ صاف ہو گیا ہے کہ باہر ہی سے اس کا اندرون دکھائی دیتا ہے۔

حضور ﷺ کی خصوصیات کے ذرات امت کو ملتے ہیں

اُس کو بیداری اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ سے میراث میں ملی ہے کہ سونے کی حالت میں صرف آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہ سوتا تھا اور آپ جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے اپنے پیچھے سے بھی دیکھتے تھے ہر ایک کی بیداری اس کے حال کے موافق ہوتی ہے پس جناب رسول اللہ ﷺ کی بیداری تک تو کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا اور نہ کسی کی طاقت ہے، آپ کی خاصیتوں میں سے کسی خاصیت میں آپ کا ساتھی ہو سکے ہاں اتنی بات ہے کہ آپ کی امت کے ابدال اور اولیاء آپ ہی کے پس خوردہ کھانے اور پانی کے دسترخوان پر آتے ہیں اور آپ ہی کے مقامات کے سمندروں میں سے ایک قطرہ اور کرامات کے پہاڑوں میں سے ایک ذرّہ اُن کو دیا جاتا ہے کیونکہ وہ آپ کے وارث، آپ کے طریقہ کو مضبوط تھامے ہوئے، آپ کے مددگار، آپ تک پہنچنے کا راستہ بتانے والے اور آپ کے دین اور شریعت کو پھیلانے والے ہیں، حق تعالیٰ کی سلامتیاں اور تحیات نازل ہوں آپ پر اور آپ کے وارثوں پر۔

قلب مومن کا حال

قلب مومن نے دُنیا پر نظر ڈالی پس اُس کو چاہا اور طالب بنا اور اس کا دل اُس سے پر ہو گیا دُنیا نے اس کے دل پر قبضہ کرنا چاہا کہ میرے سوا دوسری طرف نہ جھکے تو اس نے دنیا کو طلاق دیدی اس کے بعد آخرت کا خواہاں ہوا حتیٰ کہ اُس کو پا لیا پس اس کا دل اس سے بھر گیا۔ تب اُس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اُس کو اپنا پابند بنا کر اس کے پروردگار سے

روک نہ لے لہٰذا اس کو بھی طلاق دے دی۔ اور اس کو دنیا ہی کی بغل میں بٹھا دیا (البتہ) اس کا حق ادا کرتا رہا (کہ نماز روزہ میں کمی نہ آئی) اور خود حق تعالیٰ کے دروازہ سے جا ملا۔ پس اسی کے پاس خیمہ گاڑ لیا اور اس کی چوکھٹ کو تکیہ بنا لیا۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے طریقے پر جا ملا جنہوں نے ستاروں سے بے توجہی فرمائی اس کے بعد چاند سے اور اس کے بعد سورج سے اس کے بعد (جملہ حوادثات سے بیزار ہو کر) فرمادیا کہ میں ان کو محبوب نہیں سمجھتا جن کا نور چھپ جانے والا ہے میں نے تو سب سے یکسو ہو کر اپنا منہ اسی ذات کے طرف کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکین میں نہیں ہوں (کہ غیر اللہ کو شریک گردانوں)۔

سچی طلب کو جانچ کر حق تعالیٰ نے دروازہ کھول دیا

پس جب چوکھٹ پر تکیہ لگا رہا اور حق تعالیٰ نے اس کی سچی طلب کو جانچ لیا تو دروازہ کھول دیا اور اس کے قلب کو اپنے حضور میں باریابی کی اجازت دی۔ پس اس کی مزاج پرسی کی اور حالانکہ وہ اس سے زیادہ واقف ہے (مگر مانوس بنانے اور اپنی شفقت و پیار ظاہر فرمانے کے لیے) جو کچھ دنیا اور آخرت کے ساتھ (وصل و طلاق کا) واقعہ گزرا تھا اس سے پوچھا پس اس نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ تب حق تعالیٰ نے اس کو اپنا قرب و انس عطا فرمایا اور اپنی خوشنودی کے خلعت اس کو بخشے اور علم و دانش سے اس کو لبریز کر دیا۔

دنیا اور آخرت کو حق تعالیٰ مومن کا طالب بنا دیتے ہیں

اور اس کی طلاق دی ہوئی دنیا اور آخرت کو بلا کر اُن دونوں سے اس کا جدید عقد کر دیا۔ اور اس کے اور ان دونوں (نئی بیبیوں) کے مابین شرط نامہ لکھ دیا جس میں اس

کو کبھی اذیت نہ دینے کی ان پر شرط درج فرمائی اور ان دونوں کو اس کا خدمت گار بنا دیا کہ اس کے مقسوم اس کو پورے پورے دیتی رہیں اور ان کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی (کہ عاشق بن کر شوق و رغبت سے اس کے آرام کا سامان کریں) پس اس کے حق میں معاملہ پلٹ گیا (کہ پہلے یہ دُنیا و آخرت کا طالب تھا اور اب وہ دونوں اس کی طالب بن گئیں اس کے قلب کی قیام گاہ رب کے قریب قرار پائی اور ماسوی اللہ سب اس سے یکسو ہو گئے۔)

اب بندۂ مومن ماسویٰ اللہ سے آزاد ہو گیا

بندہ آزاد بن گیا کہ صرف اللہ کا غلام رہا اور جملہ ماسویٰ اللہ سے آزاد ہو گیا۔ آسمان و زمین میں بے قید کہ اس پر کوئی شئے قبضہ نہیں کر سکتی۔ اور وہ جملہ اشیاء پر قابض ہے۔ بادشاہ بن گیا کہ بجز شاہنشاہ کے کسی کا بھی اس پر قبضہ نہیں۔ باجازت عامہ بلا قید اس کے سامنے (شاہنشاہی) کا دروازہ کھلا ہوا ہے کہ نہ کوئی دربان ہے نہ روک ٹوک کرنے والا۔

اللہ والوں کا غلام بن

صاحب زادہ! اللہ والوں کا غلام بن کہ دنیا اور آخرت ان کی خادم بن جاتی ہیں۔ جس وقت بھی وہ (اُن سے کچھ لینا) چاہتے ہیں باذن خداوندی لے لیتے ہیں۔ وہ تم کو عطا کریں گے دنیا کی صورت اور آخرت کے معنی (کہ صرف بدن دنیا سے وابستہ رہے اور دل حصول آخرت میں منہمک رہے گا) یا اللہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ ہماری اور ان کی واقفیت کرا دے (کہ یہاں بھی ہم ان کو پہچان لیں تا کہ صحبت سے نفع اُٹھا سکیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ------------ (۲۳)

نشانِ گنجِ مقصود

{افادات}

حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ صاحب کے نہایت ہی قیمتی اقتباسات ہیں جو اقوال سلف سے بحوالہ مکتوبات معصومیہ لیے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

غمگین، پریشان اور اپنی زندگی سے بیزار نہ ہوں، وہ زندگی جو غفلت میں گذرے البتہ قابل بیزاری ہے، دنیا میں عیش و تنعم کے لیے نہیں لایا گیا ہے محل عیش تو آگے ہے ''اللھم ان العیش عیش الاخرۃ''

دنیا میں طاعت و عبادت کے لیے لائے ہیں، اور یہاں معرفت حق مطلوب ہے۔

اگر ان امور مطلوبہ میں خلل و نقصان آئے تو جائے افسوس ہے، دنیا و مافیہا اس قابل نہیں کہ اس کے فقدان پر زندگی سے تنگ آجائیں، اس لیے کہ دنیا کی تنگی آخرت کی کشادگی کا سبب ہے۔

پیراگراف از افادات حضرت خواجہ معصوم نقشبندی سرہندیؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

تعارف حضرت خواجہ صاحب

حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندیؒ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے فرزند ثالث تھے صاحب زبدۃ المقامات (خواجہ محمد ہاشم کشمی) تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت مجدد صاحبؒ کو یہ فرماتے سنا کہ

"محمد معصوم کا ہماری نسبتوں کو یوماً فیوماً اقتباس کرنا ایسا ہے جیسا کہ صاحب شرح وقایہ کا اپنے دادا سے وقایہ کا حفظ کرنا"

حضرت مجددؒ اپنے ان صاحب زادے کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ

"بیٹا ان علوم (معقول و منقول) کی تحصیل سے جلد فارغ ہوجاؤ، ہم کو تم سے بڑے کام لینے ہیں"

سولہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کو حاصل کرلیا تھا...... تین ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآن مجید بھی حفظ کیا...... اپنے والد ماجد کی نگرانی میں ہی مراحل سلوک کو طے کیا اور خلافت حاصل کی۔

حضرات خواجہ صاحب کے کچھ اقتباسات

اچھے اخلاق کا درجہ

ایمان میں زیادہ کامل مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنے والا ہو۔

ایک حدیث میں ہے میں اس شخص کے لیے جنت کے احاطہ میں گھر دلانے کا ضامن ہوں جو جھگڑا کرنا ترک کردے اگرچہ حق ہی پر کیوں نہ ہو، اور وسط جنت میں گھر دلانے کا ضامن ہوں جو جھوٹ چھوڑ دے اگرچہ مذاق ہی میں کیوں نہ بولتا ہو، اور جنت کے بالائی حصہ میں گھر دلانے کا اس شخص کے لیے ضامن ہوں جو اپنے اخلاق کو اچھا کرے۔ [ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی]

حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے کہ تو کشادہ پیشانی کے ساتھ لوگوں کو سلام کرے۔ [ابن ابی الدنیا]

احادیث سے اپنے حال کا موازنہ کرو

اپنے حال کا ان احادیث کے مضامین سے موازنہ کرو، ان احادیث کی موافقت ہو رہی ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو، اور موافقت نہیں ہے تو عجز وزاری کے ساتھ اپنا حال ان احادیث کے موافق ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعا و درخواست کرو۔

اگر بالفعل ان پر عمل کی توفیق کوئی نہ پائے تو کم از کم اعترافِ کوتاہی تو ہونا ہی چاہیے اس لیے کہ یہ اعتراف بھی ایک نعمت ہے۔

پناہ بخدا تعالیٰ اگر کوئی توفیق عمل نہ رکھتا ہو اور خود کو کوتاہ عمل بھی نہ جانے تو یقیناً ایسا شخص کم نصیب ہے۔

ہرکس کہ بیافت دولتے یافت عظیم آنکس کہ نیافت درد نا یافت عظیم!!

یعنی جس نے اسے پالیا تو وہ دولتِ عظمٰی سے شادکام ہوا اور جس نے نہیں پایا وہ بھی دردِ نایافت کی عظیم دولت سے بہرہ ور ہوا۔

نوجوانوں سے خطاب

جوانانِ مستعد سے افسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت ہائے عالی کو اس دنیائے دوں میں مصروف کئے ہوتے ہیں، اور اسی قحبۂ غدار کے فریفتہ ہو گئے ہیں۔

وہ جو ہر نفیسہ کو چھوڑ کر چند خزف ریزوں میں پھنسے ہوتے ہیں، جمال مطلق تاباں ہے اور راہِ آمد و رفت کشادہ...... لیکن ہم جیسے پست فطرت ہیں کہ اس جمال سے محجوب ومہجور ہیں ؎

درجہاں شاہدے وما فارغ در قدح جرعۂ وما ہشیار

یعنی تعجب ہے کہ دنیا میں معشوق حقیقی موجود و آشکارا ہے اور ہم اس سے غافل ہیں اور قدح شراب محبت سے لبریز ہے اور ہم ہوشیار بیٹھے ہیں یعنی اسے پی کر مست و بے خود نہیں ہو جاتے۔

اتباع سنت کی اہمیت

اپنے اوقات کو ذکر و فکر سے معمور اور آباد رکھو اور باطن کو روشن کرنے میں کوشش کرو اسلیے کہ وہی نظر مولی کا محل ہے...... اور یہ سمجھ لو کہ تنویر باطن کا تعلق ان امور کے ساتھ ہے دوام ذکر، مراقبہ، وظائفِ بندگی کی ادائیگی ...... یعنی ادائے فرض وسنن وواجبات نیز بدعت ودیگر محرمات ومکروہات سے اجتناب۔

چنانچہ جو شخص جس قدر بھی اتباع سنت اور عمل بالشریعۃ اور اجتناب بدعۃ میں زیادہ کوشش کرے گا اتنا ہی زیادہ اسے نور باطن حاصل ہوگا اور حق تعالیٰ کی راہ اس پر کھلے گی۔

خلاف سنت شیطانی راستہ ہے

بلاشبہ اتباع سنت نجات دینے والی چیز ہے بہرصورت نفع بخش اور درجات کو بلند کرنے والی، اس میں خلاف کا تو احتمال ہی نہیں ہے...... لیکن اس کے ماسوا جو چیزیں ہیں ان میں خطرہ ہی خطرہ ہے، بلکہ وہ شیطانی راستہ ہے۔

لہٰذا ان سے بہت اجتناب کرو اور احتیاط کلی رکھو، اس لیے کہ حق کے بعد بجز گمراہی کے اور رہ ہی کیا جاتا ہے، دین متین کو جو کہ وحی قطعی سے ثابت ہے محض لغو باتوں اور اوہام وخیالات سے تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

سلوک کا مقصود وحاصل

سیر وسلوک سے مقصود پیر بننا اور مرید بنانا نہیں ہے بلکہ وظائفِ بندگی کا اس طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے

اسی طرح سے طریق کا مقصود نیستی اور گمنامی کی تحصیل اور نفس کی سرکشی اور خودرائی کو دور کرنا ہے، اس لیے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

دنیا دار العمل ہے

اس عالم فانی کی بہترین پونجی اگر کچھ ہے تو وہ درد واندوہ ہے اور اس دسترخوان کی سب سے عمدہ نعمت سوز وگداز ہے، اس جگہ کی بے آرامی آرام ہے اور یہاں کے سوز میں ساز ہے۔ یہاں پر وصل طلب کرنا دریا کو کوزے میں ڈھونڈنا اور آفتاب کو طشتِ آب میں تلاش کرنا ہے۔

یہ عالم فانی ایک مزرعہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا، یہاں پر وہاں کے لیے جس قدر افزونئ زراعت کی جائے ثمرات بے اندازہ کی امید ہے۔

یہ دار عمل ہے دار اجر تو آگے آرہا ہے، وقت عمل میں اجرت طلب کرنا بیکار بات ہے البتہ اگر کسی خاص بندے کو دنیا ہی میں حکم آخرت عطا فرمادیں کہ اس دنیا ہی میں اس کے اخروی اجر برسائے جائیں اور آخرت کے اجر میں کمی نہ واقع ہو تو یہ ممکن ہے ......جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرمایا ہے:

''وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؁'' [سورۂ نحل:۱۲۲]

رزق کی تنگی وفراخی اللہ تعالیٰ کا فعل ہے

مخدوما! رزق کا تنگ کرنا اور کشادہ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے، کسی کو اس میں دخل نہیں ہے۔ ''اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۭ'' [سورۂ عنکبوت:۶۲]

(اللہ ہی جس کے لیے چاہے روزی فراخ کردیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کردیتا ہے) بندۂ مقبول وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے فعل، ارادے، اور تقدیر سے راضی ہو، ماتھے پر بل نہ ڈالے کشادہ پیشانی اور خوش وخرم رہے، یہ فقر وفاقہ اور تنگی معیشت اپنے ایسے خاص بندوں کو عنایت کرتا ہے جو مقصود آفرینش دنیا ہوتے ہیں۔ انسان کی سعادت ہے کہ وہ کسی امر میں ان برگزیدہ بندوں کے ساتھ شریک ہوجائے۔

اگر بندہ اس نعمت کی قدر جانے اور راہِ صبر ورضا اختیار کرے تو امید ہے کہ کل روز قیامت کو بھی ان بزرگوں کے انوار وبرکات میں شریک ہوگا اور ان کے دستر خوان کا بچا ہوا اٹھائے گا۔

محل عیش تو آگے ہے

غمگین، پریشان اور اپنی زندگی سے بے زار نہ ہوں، وہ زندگی جو غفلت میں گذرے البتہ قابل بیزاری ہے، دنیا میں عیش وتنعم کے لیے نہیں لایا گیا ہے، محل عیش تو آگے ہے۔ ''اللھم ان العیش عیش الاخرۃ''

دنیا میں طاعت وعبادت کے لیے لائے ہیں اور یہاں معرفتِ حق مطلوب ہے، اگر ان امور مطلوبہ میں خلل ونقصان آئے تو جائے افسوس ہے، دنیا و مافیہا اس قابل نہیں کہ اس کے فقدان پر زندگی سے تنگ آجائیں، اس لیے کہ دنیا کی تنگی آخرت کی کشادگی کا سبب ہے۔

خوش خلقی ذریعہ رضائے حق

نیک سلوکی، احسان باخلائق، خندہ روئی، حسن خلق اور مخلوق کے معاملات میں نرمی وسہولت کو رضامندی حق تعالیٰ کا ذریعہ، سبب نجات اور واسطہ ترقی مدارج سمجھو

حدیث شریف میں آیا ہے

''الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ''

یعنی مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے، لہٰذا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

کوئی بے ادب خدا رسیدہ نہیں ہوا

فقراء اور اخوان دینی کی خدمت میں کوتاہی نہ کی جائے، صوفیا کی خدمت آداب کے ساتھ کرے تاکہ ان کی برکات سے بہرہ ور ہو جائے۔

''الطریقۃ کلھا ادب'' کوئی بے ادب خدا رسیدہ نہیں ہوا

ان نصائح کے ارقام کے بعد اخیر میں تحریر فرماتے ہیں

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

یعنی تم کو خزانۂ مقصود کا نشان بتلادیا لہٰذا اگر ہم نہ پہنچ سکے تو شاید تم ہی وہاں تک پہنچ جاؤ

اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ صاحب کے افادات پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ۲۴

دینی علوم کی غایت

(۱)

{خطاب}

عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ

افتتاح بخاری شریف کے موقع پر دار العلوم کراچی میں
طلبہ واساتذہ سے مفید نصیحتوں پر مشتمل خطاب

بخاری شریف کی پہلی حدیث میں یہی اشارہ دیا گیا ہے کہ جب تک تمہاری نیت خالص نہیں ہوگی تمام اعمال بے کار ہیں نیت کی درستگی کے ساتھ اگر کوئی عمل صالح کیا تو ضرور اس کا فائدہ پہنچے گا، نیت کی درستگی کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ لکھنا پڑھنا ہو خالصۃً للہ ہو، عمل کرنے کے لیے ہو تمہارے ایمان اور تمہاری روح پر اس تعلیم کا اثر جب ہی ہوگا جب تم یہ نیت کر کے پڑھو گے کہ اس پر عمل کرنا ہے، جب تک عمل نہیں کرو گے کامیاب نہیں ہو گے۔

پیراگراف از بیان عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفیؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

مبارک ساعت اور عظیم سعادت

الحمدللہ ثم الحمدللہ ہماری زندگی کے لیے آج بڑی مبارک ساعت ہے، یہ بڑی عظیم سعادت ہے کہ ہم آج دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری شریف کا آغاز کررہے ہیں، یااللہ درس حدیث کی یہ مبارک ساعت جو آپ نے ہمیں عطافرمائی جس میں ہم آپ کے نبی رحمت ﷺ کی احادیث کا اور صحیح بخاری شریف کا آغاز کررہے ہیں۔

میرے لیے یہ خوش نصیبی کی بات ہے اور آپ لوگوں کی محبت ہے کہ باوجود ضعف کے آپ لوگوں کے درمیان حاضر ہونے کی توفیق ہوئی اور یہ سعادت حاصل ہوئی میں آپ لوگوں کے حق میں دعا کرتا ہوں اور اپنے حق میں آپ لوگوں کی دعائیں چاہتا ہوں، میرے دل میں اس دارالعلوم کی عظمت بھی بہت زیادہ ہے اور محبت بھی، مجھے آپ لوگوں سے ایک دلی لگاؤ ہے، مجھے بڑی مسرت ہے اور مجھے اس بات سے بڑی تقویت ہے کہ آپ حضرات میرا خیال رکھتے ہیں مجھ سے حسن ظن رکھتے ہیں اور میں آپ لوگوں کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں۔اور آپ کی محبت کی قدر کرتا ہوں۔

میں آپ سے کیا بات کروں؟ میں صرف چند باتیں درددل کے ساتھ آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں، پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا ہوں، دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ آج بھی توفیق دے کہ میں اخلاص نیت کے ساتھ آپ کے سامنے آپ سب کے فائدے کی باتیں کرسکوں۔

دینی درسگاہ اسلامی شعائر کا مرکز ہے

دیکھنے میں یہ ایک معمولی بات نظر آتی ہے اور ایک رسم کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ کہ آج دارالعلوم کی تعلیم کا آغاز ہورہا ہے تمام خیر و برکات کے ساتھ، تمام نیک توقعات کے ساتھ مگر درحقیقت یہ معمولی چیز نہیں، دینی درسگاہ معمولی چیز نہیں، یہاں اللہ کے کلام اور نبی کریم ﷺ کی احادیث کی تبلیغ ہوتی ہے اشاعت ہوتی ہے، تعلیم ہوتی ہے، یہ ایک بڑا مرکز ہے، بڑا ابنیادی مرکز ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی تمام خیر و برکات کا ظہور ہوتا ہے۔ دین کی بقا اس سے ہے، دین کی حفاظت اس سے ہے دین کی تبلیغ اس سے ہے، یہ دارالعلوم معمولی چیز نہیں ہے، اس کی قدر کرو یہ ایمانی اور اسلامی شعائر کا ایسا مرکز ہے کہ جس کی مثال کہیں نہیں، دنیا بھر میں جانے کتنی درسگاہیں ہیں، جانے کتنے فنون ہیں، جانے کتنی رائج الوقت چیزیں ہیں لیکن یہ دارالعلوم کی قسمت ہے کہ یہاں پر اللہ اور اللہ کے رسول کے دین کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یا اللہ حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مقامات رفیعہ عطا فرما، درجات عالیہ عطا فرما کہ انہوں نے ہمارے سامنے نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ کا خزانہ جمع کر دیا۔ یا اللہ ان کی برکات ایمانی سے ان کے فیض روحانی سے، پڑھانے والوں کو، پڑھنے والوں کو قیامت تک سبھی کو فیضیاب و سیراب فرما۔ یا اللہ اپنے نبی کریم ﷺ کے صدقہ سے جتنی بھی اس کتاب کے اندر برکات ہیں۔ رحمتیں ہیں، ہمیں سب سے بہرہ ور فرما، طلباء کو بھی اور اساتذہ کو بھی اور تمام حاضرین کو بھی۔

نیت خالص مومن کے ایمان کا جوہر ہے

آج بخاری شریف کا افتتاح ہو رہا ہے یہ کتاب بڑی بابرکت کتاب ہے، بڑی خیرو برکت والی کتاب ہے، یہ ایمان واسلام کی اساس وبنیاد ہے اس کی ابتدا ایسی حدیث شریف سے ہے جو نیت کے بارے میں ہے۔اور نیت خالص ہماری تمام عمر کا سرمایہ ہے، نیت خالص ایک مومن کے ایمان کا جوہر ہے یا اللہ آپ نے جس بابرکت حدیث سے ابتداء کرائی ہے یا اللہ اس کی اہلیت سب کو عطا فرمایئے، صلاحیتیں عطا فرمایئے، ہماری نیتوں میں اخلاص عطا فرمایئے یا اللہ اس کے اثرات وثمرات سے محروم نہ فرمایئے۔

دعا کرو کہ یا اللہ! آج جو کام آپ کے نام سے شروع کیا جارہا ہے اس کو شرف قبولیت عطا فرمایئے، ہماری صلاحیتیں ہماری استعدادیں سب ناقص ہیں، لیکن ہماری نیت یہ ہے کہ یا اللہ! ہم آپ کے دین کو حاصل کریں گے اور آپ کے دین کی اشاعت کریں گے اور دین کے تقاضوں پر عمل کریں گے ہم اہتمام کریں گے، ہم اہتمام سے یہ نیت کرتے ہیں، یا اللہ! اخلاص نیت کے برکات وثمرات ہمیں عطا فرمایئے اس کے ثمرات وبرکات سے ہمیں مالا مال فرمایئے یا اللہ, ہماری حفاظت فرمایئے ہماری نیتوں کو درست فرمایئے، یا اللہ جو علم بھی ہم حاصل کریں ہمارا مقصود واصلی آپ کی رضا ہو۔ ہمارا مقصود حیات آپ کی رضائے کاملہ ہو۔

احادیث نبوی تعلق مع اللہ کا ذریعہ

آپ ہمارے خالق ہیں رزاق ہیں سب ہی کچھ ہیں، ہم آپ کے بندے ہیں، آپ کی مخلوق ہیں ہم کیسے حق ادا کریں؟ کس طرح حق ادا کرسکتے ہیں؟ ہماری کیا مجال ہے؟ یہ آپ کے نبی رحمت ﷺ کا صدقہ اور طفیل ہے کہ وہ ہم کو بتا گئے ہیں، انہوں نے

اپنی عملی زندگی سے اپنے ارشادات سے ہم پر واضح کر دیا ہے کہ ایک بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور وہ تعلق کس طرح صحیح ہوگا؟ یہ احادیث نبوی ﷺ جو ہیں تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ان کی غفاریت ان کے تمام اسمائے حسنیٰ سے ہمارا تعلق جوڑنے اور ان سب سے ہم کو متعارف کرانے کے لیے ہیں، ان کی انوار تجلیات سے ہمارے قلوب کو معمور کرنے کے لیے ہیں۔

اخلاص نیت کا کیا مطلب

اخلاص نیت کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے **قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ**﴿۱۶۲﴾ [سورۂ انعام: ۱۶۲] جو کام ہو اس کی رضا کے لیے ہو، ہمارا ایک ایک لمحہ اتباع نبی ﷺ میں گزرے اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنے کا، ان کی معبودیت اور رزاقیت کا حق ادا کرنے کا واحد مستند و معتبر طریقہ یہی ہے کہ ہم ان کے نبی کریم ﷺ کی اتباع کریں۔ آپ کے سامنے احادیث آئیں گی۔ جو ہمارے لیے بڑی سبق آموز ہیں، ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں، یہ حدیثیں ہم کو بتائیں گی کہ ہم اللہ سے کس طرح تعلق پیدا کر سکتے ہیں؟ اپنا حق عبدیت کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟ اس لیے آج بخاری شریف کی پہلی حدیث شریف **"انما الاعمال بالنیات"** پڑھتے ہوئے سچے دل سے عہد کرو کہ ہم یہ درس اس نیت سے شروع کر رہے ہیں کہ جو کچھ ان احادیث میں فرمایا جائے گا اپنی زندگی کو اس میں ڈھال لیں گے۔ اس کو اپنا جزو ایمان بنالیں گے اس کو اپنی روحانی ترقی کا ذریعہ بنالیں گے۔ اس نیت سے پہلی حدیث شریف پڑھو، خالص نیت شرط ہے۔

پڑھنے پڑھانے سے پہلے اللہ سے رجوع کرلیا کرو

جب پڑھنے پڑھانے کے لیے بیٹھا کرو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلیا کرو۔
جیسے آج ابتداء میں ”رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر“ اور ”رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾“ [سورۃ طٰہٰ :۲۵ تا ۲۸] پڑھ لیا۔ اسی طرح رجوع الی اللہ کرلیا کرو اور یوں کہا کرو کہ یا اللہ! ہماری صلاحیتوں میں نقائص ہیں، ہماری استعداد ناقص ہے، ہمیں عقل سلیم عطا فرمایئے، یا اللہ دین کے مقتضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمایئے اور تقاضائے عمل بھی پیدا فرمایئے اور ہمارے اعمال کو نفس وشیطان کے مکائد سے ہمیشہ بچائے رکھیے ہر روز پہلے یہ دُعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرلیا کرو۔

تم کلام اللہ کیوں پڑھتے ہو؟ جانتے بھی ہو یہ کیا چیز ہے؟ یا صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ یہ عربی زبان ہے۔ ہم اس کے تراجم پڑھتے ہیں، اس کے مطالب بیان کریں، کیا اتنا سمجھنا کافی ہے؟ بلاشبہ یہ چیزیں بھی بنیادی ہیں، لیکن صرف اتنا ہی کافی نہیں۔

کلام اللہ ایک ضابطۂ حیات وممات ہے

کلام اللہ تو ایک ضابطۂ حیات وممات ہے، دنیا کے لیے بھی آخرت کے لیے بھی، یہ بتلاتا ہے کہ ایک صاحب ایمان کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے؟ اس کے اوپر کون کون سے فرائض وواجبات ہیں؟ اور اس کی کون سی ذمہ داریاں ہیں؟ سب کا بیان اس کلام اللہ میں ہے، سب سے پہلے عقائد صحیح ہوجانے چاہئیں جب تک عقائد صحیح نہ ہوں گے توحید صحیح نہیں ہوگی، آخرت کا یقین نصیب نہ ہوگا پھر نبی کریم ﷺ کی محبت ہونی چاہیے، جب تک آپ ﷺ سے محبت نہ ہوگی، ایمان غیر معتبر اور بالکل ناقص ہوگا، یہ ایمان کی بنیادی چیزیں ہیں یہ چیزیں کیسے معلوم ہوں گی؟ کلام اللہ کے پڑھنے سے، احادیث کے پڑھنے سے، یہ آداب، یہ طریقے یہ علم کلام اللہ اور کلام رسول ہی سے حاصل

ہوں گے، غایت حیات ہماری یہی ہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول ﷺ کو اپنا ضابطہ حیات و ممات بنائیں، انسان اشرف المخلوقات ہے اس کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے؟ عالم تعلقات میں کس طرح رہنا چاہیے، کیا ضابطہ حیات ہونا چاہیے جو اس کے لیے دنیا میں سرمایہ ہو اور آخرت میں بھی؟ یہ سب کلام پاک اور احادیث شریفہ ہی سے معلوم ہوگا۔

قرآن کی ایک جامع دُعا

ایک دُعا ہے بڑے کام کی ’’ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ‘‘ [سورۂ بقرہ:۲۰۱]

اے اللہ! ہم کو وہ حسنات عطا فرمایئے جو آپ کے علم میں ہیں، اور وہ ہمارے لیے ضروری ہیں ہم حسنات کے محتاج ہیں۔ یہ حسنات ہمیں کہاں سے معلوم ہوں گی؟ کلام اللہ اور کلام رسول سے، حسنات کا کیا مفہوم ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے، لیکن اصولی بات یہ ہے کہ ہم ایسی زندگی گزاریں کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے دنیا میں رسوائی سے بچے رہیں اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہیں، اسی لئے ارشاد ہے ’’ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱ ‘‘ [سورۂ بقرہ:۲۰۱]

کلام اللہ اور احادیث نبویہ پڑھنے پڑھانے کی غایت

کلام اللہ اور احادیث نبویہ پڑھنے پڑھانے کی یہی غایت ہے کہ ہم کو ضابطہ حیات معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کن باتوں سے راضی ہوتے ہیں؟ اور کن باتوں سے ناراض؟ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں ہم پر خصوصی رحم فرما کر ہمیں شرف بشریت سے نوازا، اور اشرف المخلوقات قرار دے کر ممتاز فرمایا ہے۔ صرف اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطہ حیات اور ضابطہ ممات کی تفسیر کرتے رہیں اور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کو اپنے لیے عملی نمونہ قرار دے کر اس کے مطابق عمل کرتے رہیں آپ ﷺ کی حیات

طیبہ یہ اعمال صالحہ ہیں انہیں اختیار کرنا چاہیے ارشاد ہے ”وَاعْمَلُوْا صَالِحًا“ اور ارشاد ہے ”اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾“ [سورۂ کہف: ۱۰۷] اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اعمال صالحہ کی ترغیب کس لیے دی ہے؟ ہمارے فائدے کے لیے یا ہماری زندگیاں سنوارنے کے لیے اس لیے ہمیں اعمال صالحہ کو اختیار کرنا چاہیے لیکن کس طرح؟ اتباع سنت کے ذریعے۔

کلام اللہ اس لیے پڑھایا جاتا ہے تاکہ ہمیں معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کے لیے، اشرف المخلوقات کے لیے ایسا ضابطۂ حیات بنایا ہے؟ جو اس کے لیے دنیا میں بھی سرمایہ ہے اور آخرت میں بھی، پھر سنت نبوی کے ذریعے اس ضابطۂ حیات پر عمل کرنے کا طریقہ بتادیا، اور اس کی حدود بتادیں۔

تعلیم و تعلم کا مقصود

احادیث شریفہ کی جو کتابیں آپ پڑھتے ہیں ان کی غایت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات ہمیں دیئے ہیں اور جو ضابطۂ حیات ہمارے لیے مقرر کیا ہے اور ہم اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالیں اور دنیا میں بھی سرخروئی حاصل کریں، اور آخرت میں بھی، اس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کا، اس کی رحمتوں کا مورد بنیں، ارشاد ہے، ”وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾“ [سورۂ آل عمران: ۱۳۹] اگر تم نے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی تو تم سرخرو ہوگے سب پر غالب ہوگے۔

کچھ پتہ چلا کہ ہماری تعلیم و تعلم کا مقصود کیا ہے؟ اصل مقصد ہے، ضابطۂ حیات کا کچھ معلوم ہونا، وہ کہاں سے ہوگا؟ کلام پاک سے، کس طرح اس پر عمل کریں؟ یہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوگا یہی مقاصد ہیں ہماری تعلیم کے، یہی غایت ہے کلام اللہ اور کلام رسول پڑھنے کی۔

بہر حال کلام اللہ کی تفاسیر اور نبی کریم ﷺ کی احادیث کی تعلیم و تربیت کی غایت آپ کے علم میں آ گئی یعنی ضابطۂ حیات کا معلوم ہونا، اب آپ اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا حق بھی ادا کریں، یعنی جو کچھ بھی پڑھیں پڑھائیں اس پر عمل کرتے رہیں۔ یہ غایت الغایت ہے ہمارے تمام علوم کو پڑھتے پڑھاتے جاؤ، سمجھتے جاؤ اور عمل کرتے جاؤ، ابھی طالب علمی کے زمانے ہی سے شروع کر دو۔

پہلے دور میں تعلیم و تربیت کا انداز

پہلے اساتذہ ایسے ہی پڑھاتے تھے کہ حدیث شریف پڑھائی فوراً پوچھتے کہ بتلاؤ اس کی غایت کیا ہے؟ اور اس کا مصرف کیا ہے؟ اور پھر اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتاتے، اس کی عملی تربیت بھی دیتے اور اس کی نگرانی بھی کرتے، اس طرح ایک وقت میں اساتذہ طلبہ کو شریعت کے احکام بھی بتا دیتے تھے اور طریقت بھی سکھا دیتے تھے کہ یہ جو کچھ تم پڑھ رہے ہو اس کا تمھاری زندگی سے کیا واسطہ ہے؟ کس طرح تم خیر البشر اشرف المخلوقات کہلانے کے بجا طور پر مستحق ہو سکو۔

اور ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④'' [سورۂ تین: ۴] کا صحیح مصداق بن سکو۔

قرآن و حدیث پڑھنے سے پہلے اللہ سے دعا کرلو

یاد رکھو! جب بھی قرآن و حدیث پڑھنے بیٹھو، یہ دعا کرو کہ یا اللہ! یہ آپ کا کلام ہے، آپ کے نبی کا کلام ہے ہماری استعداد ناقص ہے یا اللہ! اس کلام کی برکت سے، اس کلام کے انوار و تجلیات سے ہمارے ایمان کو منور فرمایئے، اور ہمیں اپنی رضائے کاملہ کا مورد بنایئے، ہر روز یہ دعا کرلیا کرو۔

اس وقت میں نے جو غایت بتائی ہے اس کو اساتذہ اور طلبہ سب پیش نظر رکھیں۔
کلام اللہ اور کلام رسول ﷺ کوئی معمولی چیز نہیں ہیں، کوئی مخلوق ان کا تحمل نہ کر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور اپنی قدرت سے ہمارے اندر اس کا تحمل پیدا فرما دیا، ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ اس کا تحمل کر سکتا۔

دینی علوم کی غایت الغایات عمل ہے

یاد رکھو! ہر چیز کے آداب ہوا کرتے ہیں، مثلاً نیت کی درستگی ہر عمل صالح کی لازمی شرط ہے بخاری شریف کی پہلی حدیث میں یہی اشارہ دیا گیا ہے جب تک تمہاری نیت خالص نہیں ہوگی تمام اعمال بے کار ہیں، نیت کی درستگی کے ساتھ اگر کوئی عمل صالح کیا تو ضرور اس کا فائدہ پہنچے گا نیت کی درستگی کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ لکھنا پڑھنا ہو خالصۃ للہ ہو، عمل کرنے کے لیے ہو، تمہارے ایمان اور تمہاری روح پر اس تعلیم کا اثر جب ہی ہوگا جب تم یہ نیت کر کے پڑھو گے کہ اس پر عمل کرنا ہے، عمل ہی کے لیے سب کچھ پڑھایا جاتا ہے، ترجمہ کر دینا، تفسیر کر دینا بذات خود مقصود نہیں تفسیر، تشریحات وغیرہ تو ذہن نشین کرانے کے لیے ہیں وہ بھی ضروری ہیں۔ لیکن مقصود نہیں، غایت الغایات عمل کرنا ہے، جب تک عمل نہیں کرو گے کامیاب نہیں ہو گے۔

سب سے بڑی دولت

اس کائنات میں انسان کے لیے سب سے بڑی دولت ایمان ہے، ایمان کیا کرتا ہے؟ ایمان یہ کرتا ہے کہ تمام نفس وشیطان کے طریقوں سے محفوظ رکھتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کا کلام بہت مستحکم ہے، اگر یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا کلام آپ کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے تو اس کے اندر فواحشات ومنکرات کو جگہ نہ دو خدا کے لیے اپنی زندگی کو فواحشات ومنکرات سے بچاؤ، جس طرح بغیر وضو اور بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی اسی

طرح خوب سمجھ لو کہ جب تک تم گناہوں کو نہیں چھوڑو گے قلب کی صفائی نہیں ہوگی۔ اور جو حضرات عہد حاضر کے موجودہ گندے ماحول میں ڈوب گئے ہیں، ان کی زندگی میں کلام اللہ اور کلام رسول کی برکات مرتب نہیں ہوتیں۔

قلب کی طہارت کا اہتمام کریں

سب سے پہلے آپ پر واجب ہے کہ قلب کی طہارت کا اہتمام کریں، جس طرح بغیر طہارت کے نماز نہیں پڑھ سکتے اسی طرح بغیر طہارت کے اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام کے انوار وتجلیات ہم پر مرتب نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ نفس و شیطان تو سب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، ہمارا ماحول شیطانی ہے، تمام اثرات ہمارے شیطانی ہیں، زمین وآسمان ان اثرات سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن اتنا کرلیا کرو کہ جب کبھی کلام اللہ اور کلام رسول ﷺ پڑھنے کا ارادہ ہو تو استغفار کرلیا کرو، اس کی عادت ڈال لو، کہ میں یہ کام آپ کے نام سے شروع کر رہا ہوں میں اپنے قلب وذہن کی طہارت کا طلب گار ہوں، یا اللہ! آپ میرے ساتھ ہیں یہ آپ کا کلام ہے، آپ کے رسول کا کلام ہے، اس کے جو انوار ہیں، تجلیات ہیں، خواص ہیں، میں ان کو کیسے حاصل کرسکوں گا؟ یا اللہ! میں استغفار کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں، تمام اپنے گناہوں سے جو مجھ سے عمداً یا خطاً سرزد ہوئے، میری آنکھیں ناپاک ہوچکیں، میری زبان ناپاک ہوچکی، میرے قلب کے اندر، میری استعداد میں بھی، میری قابلیت میں بھی، میری صلاحیت میں بھی، میرے اور ادراکات میں بھی، میرے احساسات میں بھی، ہر چیز میں کثافت ہے، لیکن میں استغفار کرتا ہوں، ”**استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ**“ ”**رب اغفر وارحم وانت خیر الرحمین**“ [سورۂ مومنون:۱۱۸] ان شاء اللہ سب معاف ہوجائیں گے اور اس استغفار کے بعد جب پاک صاف ہوکر کلام اللہ اور کلام رسول ﷺ

کی طرف متوجہ ہو گئے تو ان شاء اللہ ان کے انوار وتجلیات سے سیراب ہو گئے۔

تعلیم کے بہت سے لوازمات ہیں، آپ کا یہ مدرسہ علوم قرآن کی تعلیم گاہ ہے، اخلاق وآداب کی تربیت گاہ ہے، اور اخلاق وآداب جزو ایمان ہیں، یہ ہمارے ایمان کا پانچواں شعبہ ہیں، تعلیم کا مقصود تہذیب اخلاق ہی سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ نفس کے اندر بڑی شرارتیں ہیں، بڑی گندگیاں ہیں، بڑے بڑے تقاضے ہیں، جب تم نے استغفار کرلیا تو اس کی برکت سے نفس وشیطان سے ان شاء اللہ چھٹکارا حاصل ہو گیا۔

حصول علم کے لیے ادب بڑی شئے ہے

علم حاصل کرنے کے لیے ادب واحترام بھی نہایت ضروری چیز ہے جب تک ادب نہ ہو، علم حاصل نہیں ہوگا۔ ادب یہ ہے کہ علم کے ذرائع کا احترام کیا جائے کہ کس کس چیز کو علم سے نسبت ہے، ہر ایسی چیز کا احترام کرو عزت کرو جو حصول علم کا وسیلہ ہے، اساتذہ کی، کتابوں کی، قلم کی، روشنائی کی، غرض جتنی چیزیں علم کے ساتھ وابستہ ہیں سب کی عزت کرو، سب کا احترام کرو، جو چیز علم کی تبلیغ کے لیے ہو، علم کی اشاعت کے لیے ہو جب تک اس کا ادب نہ کرو گے۔ اس وقت تک علم کے انوار وتجلیات حاصل نہ ہوں گے، کلام اللہ کو، کلام رسول اللہ کو، فقہ کی کتابوں کو ادب کے ساتھ رکھو، اہتمام کے ساتھ رکھو، عزت کے ساتھ رکھو، جب ان کی عزت کرو گے، ادب کرو گے، پھر ان شاء اللہ علوم حاصل ہوں گے، علوم لدنیہ حاصل ہوں گے۔

جس میں ادب نہیں وہ محروم ہے

ادب بڑی شئے ہے، دل ودماغ کی طہارت کے بعد اور روح وقلب کی طہارت کے بعد دوسرا مطالبہ ہم سے ادب اور احترام کا ہے کہ ان علوم کا ادب واحترام کرو۔ مثلاً ایک شخص کہہ رہا ہے کہ حدیث شریف میں یہ آیا ہے اور حقیقت میں حدیث نہ ہو، تو فوراً

یہ مت کہو کہ حدیث میں نہیں ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ گردن جھکالو، کیونکہ اس نے حدیث کا نام لیا ہے، اس کے آگے گردن جھکادو، پھر کہو کہ بھائی آئندہ ایسا نہ کہنا، یہ حدیث شریف نہیں ہے، بغیر تحقیق کے ایسی بات مت کہو، لیکن اولاً نام سنتے ہی حدیث کا یا قرآن کا ضرور گردن جھکادو، کیونکہ اللہ کے کلام کا حوالہ دیا گیا ہے، جھک جاؤ، اپنی علمیت کا اظہار نہ کرو کہ فوراً مناظرہ کرنے لگو، یہ حکم ہے کہ قرآن کریم کا نام یا احادیث کا نام سنو تو گردن جھکادو، اس کے بعد پھر تردید کرو، یہ ہے ادب جن طالب علموں میں ادب نہیں ہے وہ محروم رہتے ہیں۔

بے ادب محروم ماند از فضل رب

ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ اگر کاغذ کا کوئی پرزہ پڑا ہوتا ہے تو اس کو جلدی سے اٹھالیتا ہوں، کہیں اس کے اوپر کسی کے پاؤں نہ پڑ جائیں تو کاغذ کا اس طرح ادب کرو گے تب جا کے تم کو علم حاصل ہوگا۔

اساتذہ کا ادب واحترام

اساتذہ کرام کا ادب واحترام بڑا ضروری ہے، جب تک ان کا ادب واحترام نہ کروگے ان سے محبت نہ کروگے۔ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وہ تم کو ایسی چیز عطا فرما رہے ہیں جو تمہاری استطاعت سے باہر تھی، یہ ان کی شفقت اور محبت ہے کہ تمہیں درس دے رہے ہیں، نہایت ادب کے ساتھ سنو اور ان کا ادب احترام کرو، ان کی عزت کرو، کیونکہ وہ تم کو بہت بڑی نعمت کا حامل بنا رہے ہیں جب تک ان کی عزت نہیں کروگے احترام نہیں کروگے اس وقت تک صحیح علم حاصل نہیں ہوتا جو طالب علم اساتذہ کا ادب کریں گے وہی ہونہار ہوں گے وہی صاحب سعادت ہوں گے، وہی صاحب اقبال ہوں گے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان ---------- (۲۵)

مقصد تحصیل علم

(۲)

{بیان}

عارف باللہ حضرت علامہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ

یہ حضرت علامہ کا مستقل خطاب نہیں بلکہ علم اور طلبہ سے متعلق مجلسی ارشادات ہیں، خطبات اکابر سے اس کو اخذ کیا گیا ہے۔

اقتباس

میں تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ آپ اس کا احساس کریں کہ کتنا بڑا سرمایہ حاصل کررہے ہیں......مگر اس کو عمل میں داخل کرلیں، بغیر عمل کے علم کبھی انسان کو برباد کردیتا ہے۔

انا عالم کہنے سے کبھی انسان برباد ہوجاتا ہے، شیطان نے انسان کے مقابلہ میں انا خیر کہا تھا، شیطان کا انا خیر کہنا اور انسان کا انا عالم کہنا ایک ہی ہے۔

علم حاصل کرنے کا مقصد اگر محض دنیا حاصل کرنا ہے تو اس سے تم عالم تو بن جاؤ گے......مگر شیطان سے بڑے عالم نہیں بن سکتے، شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے بلکہ بہت بڑا عارف بھی ہے۔

پیراگراف از بیان حضرت علامہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی . . . اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

مدارس کی غایت

ایک مختصر خطبہ تلاوت فرما کر حضرت اقدس نے تمام احباب کی خیریت دریافت فرمائی اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس علمی گہوارہ میں جمع ہونے کا شرف عطا فرمایا اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کیجیے۔

عالم کو جب تک اپنے علم کا احساس رہے کہ میں کچھ جانتا ہوں تو وہ مختلف فتنوں کے جال میں پھنسا رہتا ہے اور جب یہ احساس ہو جائے کہ میں کچھ نہیں جانتا تو وہ کامل ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ یہ مدارس قائم کرنا ایک رسم بنا ہوا ہے یہ احساس نہیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے اور ان کا مقصد کیا ہے۔ عام طور پر اس طرف توجہ نہیں مدارس کی غایت دین کی اشاعت ہے تدریساً ہو یا تبلیغاً دین کی اشاعت مقصود اصلی ہے ہمیں اس کا حق ادا کرنا ہے۔

لفظ رب میں تربیت کا مفہوم ہے

فرمایا ایک مرتبہ میرے ذہن میں آیا کہ حق تعالیٰ نے سب سے پہلے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ۔ بالھکم نہیں فرمایا کیونکہ لفظ رب میں تربیت کا مفہوم ہے اور

تربیت محبت کے بغیر ہو نہیں سکتی تو سب سے اول خطاب میں ایسے لفظ سے روشناس کرایا جس میں محبت کا راز مضمر ہے اس لفظ سے حق تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ دنیا میں جتنے تعلقات سے انسان کو واسطہ پڑے گا وہ سب محبت کے تعلقات ہیں۔ماں باپ کا رشتہ ہے استاد کا رشتہ ہے، پیر کا رشتہ ہے، نبی اور پیغمبر کا رشتہ ہے اور حق تعالیٰ کا رشتہ ہے سب کا مدار محبت پر ہے لفظ رب میں محبت کے راز سے آشنا کرایا اس کے بعد محبت کے حقوق ادا کرنا آشنا ہو جائے گا اور ہر رشتہ میں کامیابی کا مدار محبت کا حق ادا کرنے پر ہے۔

علم کا مقصد اشاعت دین اور تبلیغ دین ہے

فرمایا مدارس میں جو کچھ پڑھ رہے ہو اس کا مصرف کیا ہے؟ سند مل گئی تو کیا کرو گے؟ اس کا مقصد یہی ہے اشاعت دین تو وہ قولاً ہو یا عملاً اگر اس کی اشاعت اور تبلیغ دین نہ کیا تو سب کچھ بے مقصد ہے لا حاصل ہے۔

فرمایا ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں علماء کی مخالفت کی وجہ سے کبھی ان کی ناقدری نہیں کرتا۔فرمایا اگر تمام علماء مل کر مجھ پر کفر کے فتوے لگائیں تو میں پھر بھی علماء کی عزت کرتا ہوں رہا مجھ پر کفر کا فتویٰ تو میں پڑھتا ہوں

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ

میں محض ان فتوؤں کی بنا پر علماء کی توہین کرنا جائز نہیں سمجھتا۔

بغیر عمل کے علم بے کار ہے

فرمایا میں تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ آپ اس کا احساس کریں کہ کتنا بڑا سرمایا حاصل کر رہے ہیں! مگر اس کو عمل میں داخل کرلیں بغیر عمل کے علم کبھی انسان کو برباد کر دیتا ہے انا عالم کہنے سے کبھی انسان برباد ہو جاتا ہے شیطان نے انسان کے مقابلہ میں انا خیر کہا تھا شیطان کا انا خیر کہنا اور انسان کا انا عالم کہنا ایک ہی ہے۔

فرمایا علم حاصل کرنے کا مقصد اگر محض دنیا حاصل کرنا ہے تو اس سے تم عالم تو بن جاؤ گے مگر شیطان سے بڑے عالم نہیں بن سکتے۔ شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے بلکہ بہت بڑا عارف بھی ہے۔

شیطان کو تین عین حاصل ہیں

فرمایا شیطان کو تین عین حاصل ہیں۔ عالم بھی ہے عابد بھی ہے اور عارف بھی ہے۔ ایسا کہ اس کو پوری طرح عرفان حاصل ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات انفعالات سے پاک اور مبرا ہے وہ عین حالت غضب میں بھی رحمت کرنے پر قادر ہے۔ اسی لیے عین غضب کے وقت جب اس کو دھتکارا جارہا ہے قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۷۷﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۷۸﴾ [سورۂ ص: ۷۷ تا ۷۸]۔ کہا جارہا ہے وہ اسی وقت درخواست کرتا ہے۔ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۷۹﴾ [سورۂ ص: ۷۹] (اے میرے رب مجھے قیامت تک کے لیے مہلت دے دے) اور حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿۸۰﴾ [سورۂ ص: ۸۰] کہ جا تجھ کو مہلت دی جاتی ہے شیطان میں یہ تین عین تو ہیں مگر ایک عین نہیں ہے عاشق نہیں ہے معلوم ہوا علم، عبادت اور عرفان کا حق عشق و محبت کے بعد ہی ادا ہوتا ہے۔

علم کے ساتھ تزکیۂ نفس کی فکر

فرمایا علم حاصل کرنے کا ذریعہ بے شک درس و تدریس ہے مگر محبت حاصل کرنے کا ذریعہ اخلاقیات ہیں تزکیہ نفس ہے، بغیر تزکیہ نفس کے محبت نہیں ہوتی اور بغیر محبت کے علم کے مقتضا پر عمل نہیں ہوتا دیکھئے مجدد الف ثانیؒ اتنے بڑا عالم ہونے کے باوجود تزکیہ اخلاق کے لیے شیخ باقی باللہ کے پاس گئے۔ جب گئے تو سمجھتے تھے کہ ان کے پاس کیا ہے مگر جب کچھ عرصہ رہے تو یقین ہو گیا کہ جو ان کے پاس ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔

فرمایا محبت حاصل کرنے کا طریقہ ہے کہ اللہ والوں سے محبت کرو۔

دعا محبت الٰہی کا حق ہے

فرمایا نماز پڑھتے ہیں تو اس کے بعد ہاتھ کیوں اٹھاتے ہیں؟ نماز تو خود سراپا مناجات ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نماز تو خود حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے اور دعا حق تعالیٰ کی محبت کا حق ہے۔ نماز پڑھ لی تو حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کر دیا۔ عظمت کا حق ادا کر دیا تو حق تعالیٰ نے اجازت دی کہ اب اللہ کی محبت کا حق ادا کرو تو بندہ اللہ کے حضور ہاتھ اٹھاتا ہے۔

فرمایا یہ ہاتھ کون اٹھوا رہے ہیں یہ ان کی محبت کا حق ہے بعض لوگ ہاتھ اٹھا کر خاموش بیٹھے رہتے ہیں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محروم ہیں انہوں نے کچھ مانگا ہی نہیں۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ ہاتھ کس نے اٹھوائے ہیں۔ وہ ہماری حاجتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں، ہاتھ اٹھانے والا زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے اس نے ہاتھ اٹھا کر حق تعالیٰ کی محبت کا حق ادا کر دیا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ اس کے ہاتھ خالی رہ جائیں۔

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد

فرمایا مدارس کی روح دین وشریعت ہے جو توکل وقناعت کے ساتھ چلتی ہے ایک مدرسہ والوں نے ایک مرتبہ مدرسہ کے اراکین کی فہرست حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی جس میں ایک رئیس خان صاحب کا نام تھا اس کو دیکھ کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ ان کو رکن بنانے کی کیا مصلحت ہے لوگوں نے عرض کیا کہ وہ رئیس ہیں ان کی رکنیت کی وجہ سے مالی اعانت کی توقع ہے یہ سن کر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ایسے مدرسہ کو بند کر دیجئے جس میں غیر اللہ پر نظر ہو۔ ہم تو مدرسہ اس کو سمجھتے ہیں جس میں ہر وقت اللہ پر اور اس کے دین وشریعت پر نظر ہو ہم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی کہ ہم مدرسہ ضرور چلائیں۔

علم دانستن کا نام نہیں

فرمایا علم دانستن کا نام نہیں فہمیدن کا نام نہیں بلکہ تعملاً کا نام ہے یعنی عمل کی تشنگی لے کر پڑھو گے تب علم سے فائدہ ہوگا۔

فرمایا کتاب کھول کر درس بیان کر دینا مناسب نہیں بلکہ پہلے غور کرو کہ میں خود اس علم کا محتاج ہوں جو علم دوسروں کو پہنچانے کے لیے بیٹھا ہوں اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پر احسان ہے جس نے کتاب لکھ کر یہ علم ہم تک پہنچایا ہے۔

عمل اور ردعمل

فرمایا آسمانی یا زمینی آفات کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیئے ان سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔حال ہی میں کراچی میں پے در پے تین زلزلے آچکے ہیں یہ زلزلے کیوں آرہے ہیں کبھی غور کیا؟ گھر گھر میں بے حیائی ہے۔ریڈیو،ٹیلیویژن ہیں،گریبان کھولے ہوئے عورتیں بے محابا چل رہی ہیں یہ قاعدہ تو مسلمہ ہے عمل اور ردعمل۔

حالات میں توبہ واستغفار سے کام لیں

فرمایا زلزلے تو آئیں گے مگر یونس علیہ السلام کی سنت کو پیش نظر رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبر دے دی تو اللہ تعالیٰ کی خبر کے بعد یقین میں کوئی تردد نہیں تھا یونس علیہ السلام یہ سوچ کر کہ جب تک میں اس قوم میں ہوں اس پر عذاب نہیں آئے گا اور اب عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے اس لیے عذاب آنا بھی یقینی ہے خود بستی سے باہر نکل گئے قوم نے جب دیکھا کہ نبی اور پیغمبر بستی چھوڑ کر چلے گئے قوم کو عذاب کا یقین ہو گیا پوری قوم نے استغفار کیا۔عذاب کی خبر آنے کے باوجود عذاب نہیں آیا۔آج بھی توبہ استغفار سے کام لیجئے عذاب نہیں آئے گا۔

علم جتنا دو گے اتنا بڑھے گا

فرمایا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے اور دینے سے چیز گھٹتی نہیں بڑھتی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ دیتی جاؤ بڑھتا جائے گا۔ یہ بات صرف مال سے متعلق نہیں علم بھی جتنا دیتے جاؤ گے بڑھتا جائے گا نہیں دو گے تو نہیں بڑھے گا۔

فرمایا علم میں لوگ سرقہ بھی کرتے ہیں ہر سرقہ برا نہیں..... فرمایا ایک شاعر نے ایک بہت اچھا سرقہ ایک شعر میں بیان کیا ہے فرمایا یہ شاعر بھی عجیب لوگ ہیں ایک شاعر کا شعر ہے۔

بیند چو کسے سوئے تو دیدم سر راہش　　　تا ذوق تماشا ے تو زدم زنگاہش

حق محبت ادا ہوتا ہے اطاعت سے

فرمایا محبت کا حق ادا ہوتا ہے اطاعت سے اور اطاعت کا جزو اعظم ہے محبت (محبت بغیر اطاعت کے اور اطاعت بغیر محبت کے بے معنی ہے)

فرمایا اہل اللہ کی معیت تھوڑی دیر کے لیے بھی اگر میسر آجائے تو اس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔ بہت ہی قدر کی چیز ہے ایک شاعر نے خوب کہا ہے۔

لطف سے باغ جہاں میں سورت شبنم رہے　　　ایک ہی شب گور ہے لیکن گلوں میں ہم رہے

فرمایا صحابہ کرام ایسا گروہ تھے کہ عالم امکاں میں نہ ایسا گروہ پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہوگا (رضی اللہ عنہم اجمعین)

فرمایا مقام عبدیت حاصل کرنا چاہتے ہو تو استغفار کرو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (۲۶)

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اہل سنت والجماعت

(کتاب وسنت کی روشنی میں)

{خطاب}

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی ؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

اللہ کے نبی ﷺ کا قرن گذر گیا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا قرن گذر گیا اور تابعین کا قرن بھی گذر گیا جنہوں نے صحابہ کی جوتیاں اُٹھائی تھیں اب شریعت مکمل ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال بھی ساری امت کو پہنچ گئے ''وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمْ'' [سورۂ نور:۵۵] اب شریعت کا علم جو تھا وہ مکمل ہوگیا۔

اب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور توجہ ادھر ہوئی کہ یہ علم جو نبی کا ہے وہ جمع ہونا چاہیے۔

تو اللہ تعالیٰ نے دو گروہ کھڑے کئے، ایک محدثین کا گروہ کھڑا کیا اور ایک فقہاء کا گروہ کھڑا کیا، محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت کی اور الفاظ شریعت کو امت تک پہنچایا اور فقہاء نے معانی شریعت کو سمجھایا۔

پیراگراف از بیان حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

آپ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت

خطبہ ماثورہ کے بعد فرمایا امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ'' [سورۂ نور:۵۵] سے استدلال کیا کہ خلافت راشدہ میں جو بھی طے پا گیا۔ وہ دین اور خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا اس سے انحراف دین سے انحراف ہوگا اور ائمہ فقہاء اور متکلمین نے دلیل یہ بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث مشہور ہے

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی۔

آپ نے خبر دی تھی کہ میرے بعد اختلاف ہوگا تو صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ جب اختلاف پیش آئے تو ہمیں کیا حکم ہے؟ تو فرمایا۔ علیکم بسنتی لازم پکڑنا میری سنت کو اور وسنة الخلفاء الراشدین اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا دونوں ایک علیکم کے تحت میں آرہا ہے۔

اللہ اور رسول دونوں پر ایمان فرض ہے

یہ ایسا ہو گیا کہ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ۚ [سورۂ آل عمران:۳۲] اور فَاٰمِنُوْا

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ [سورۂ نساء:۱۳۶]۔ جب آمنو کے تحت میں اللہ کا ذکر کیا گیا اور رسول کا تو قاعدہ یہ ہے عربیت کا اور نحو کا، کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں کا حکم ایک ہوتا ہے تو ایمان اللہ پر بھی فرض ہے اور رسول پر بھی فرض ہے اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسول تو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ تو یہ الگ مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں مرتبے کا مسئلہ الگ رہا مگر ایمان دونوں پر فرض ہے، ایمان کے اندر دونوں شریک ہیں (معطوف، معطوف علیہ) تو علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین علیکم کے معنی لازم پکڑو اور عمل کرو۔ تو سنتی اور سنت خلفاء راشدین دونوں پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

خلفاء راشدین کی اتباع حضور ﷺ کی اتباع ہے

علیکم کے تحت میں دونوں داخل ہیں اگرچہ نبی کریم ﷺ کے مرتبہ اور خلفاء راشدین کے مرتبے میں زمین وآسمان کا فرق ہو لیکن حکم میں ایک ہی ہیں کوئی یہ کہنے لگے کہ میرے لیے خلفاء راشدین کی اتباع ضروری نہیں تو یہ حدیث کے خلاف ہوگا۔ اور قاعدہ یہ ہے عربیت کا کہ جب حکم لگایا جائے کسی مشتق پر تو اوصاف میں علیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعد میں خلفاء کا لفظ ہے، دوسرا لفظ راشدین کا اور مہدیین کا تیسرا اور من بعد چوتھا لفظ یہ چاروں الفاظ دلیل کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔

خلفاء کے کیا معنی ہے

خلفاء کے معنی کہ نبی کے قائم مقام ہوں گے تو عقل کا تقاضا یہ ہے اور دین کا تقاضا

کہ جو نبی کا قائم مقام ہوگا اس کا حکم واجب الاتباع ہوگا اور واجب العمل تو خلفاء کے لفظ میں دلیل ایک بتلا دی گئی اور راشدین دوسرا لفظ ہے راشدین راشد کی جمع ہے، راشد کے معنی جو ٹھیک راستہ پر جا رہا ہو قرآن کے اندر ایک جگہ اجمال ہوتا ہے تو دوسری جگہ تفصیل ہوتی ہے۔

راشدین کے کیا معنی ہے

راشدین کے معنی میں دوسری جگہ سے عرض کیے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ [سورۂ حجرات:۷] یہ اللہ کے نبی ﷺ اگر بہت سی باتوں میں تمہاری پیروی کرتے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

۱) وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ [سورۂ حجرات:۷] لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان محبوب بنا دیا ہے۔

۲) وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ [سورۂ حجرات:۷] اور تمہارے دلوں میں ایمان کو خوبصورت بنادیا ہے۔ كَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ [سورۂ حجرات:۷] اور کفر کی، فسق کی اور معصیت کی کراہت اور نفرت تمہارے دلوں میں ڈال دی یہ پانچ باتیں بیان ہوئیں یا تین سمجھ لو۔

اب آگے فرماتے ہیں أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ⑦ [سورۂ حجرات:۷] راشد ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جن میں یہ باتیں پائی جائیں تو خلفاء کو جو راشد کہا گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گیا کہ ایمان ان کو محبوب ہے، فسق وکفران کے ہاں قابل نفرت ہے۔ ایمان ان کو محبوب ہے اور کفران کو مبغوض تو جن کو اللہ تعالیٰ نے راشد فرمایا ہے ان کا اتباع بھی عقلاً وشرعاً واجب ہے۔

مہدیین کے کیا معنی ہے

تو دو صفتیں ہوئیں آگے فرمایا۔ مہدیین مہدی اور مہتدی میں فرق ہے مہتدی کہتے

ہیں کہ ہدایت یافتہ ہو مہتدی باب افتعال کا اسم فاعل ہے اھتداء کے معنی اپنے قدم اُٹھا کر سیدھے راستہ پر چلنا مہتدی وہ ہے جو سیدھے راستہ پر چلے اور مہدی صیغہ اسم مفعول کا ہے اس کے معنی ہے کہ جس کو خدا کی طرف سے ہدایت کی گئی ہو۔ تو مہتدی کا درجہ کم ہے مہدی سے مہدی کو ہدایت اللہ کی طرف سے القاء کی گئی اس کی ہدایت کسبی نہیں بلکہ وھبی طریقہ سے ہے یہ ایسا ہے جیسے قرآن میں دو لفظ آتے ہیں ایک مخلصین کا مخلصین وہ ہیں جو کوشش کر کے اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کریں اور خود اپنے ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور مخلص وہ ہے کہ جس کو اللہ نے اپنے ارادہ سے خالص بنا دیا ہے۔ وہ چاہے ارادہ کرے یا نہ کرے اور ازالۃ الخفاء میں ایک جگہ لکھا ہے کہ فاروق اعظم جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے نبی کریم ﷺ کے قتل کے ارادہ سے چلے اور اللہ تعالیٰ کے نبی کو ذریعہ وحی سے معلوم ہوا کہ یہ عمر ایمان لانے والے ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللھم اید الاسلام باحد العمرین تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عمر مرید نہیں تھا مراد تھا عمر ارادہ کر کے نہیں جا رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا۔ اور فرمایا مخلص نہیں تھا اپنا ارادہ اخلاص کر کے نہیں چلا تھا بلکہ اللہ نے اس کو چن لیا تھا۔ تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کے الفاظ ہیں اور قرآن میں جو اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۲۴﴾ [سورۂ یوسف: ۲۴] ہے ابراہیم علیہ السلام ہمارے عباد مخلصین میں سے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جس کو اپنی طرف سے خالص بنایا ہو وہ مخلص ہے اور جن کو اپنی طرف سے ہدایت کی ہو وہ مہدی ہے تو خلفاء راشدین مہتدی کے درجہ میں نہیں تھے بلکہ مہدی ہدایت یافتہ تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو جو من جانب اللہ مہدی ہوگا تو کیا اس کا اتباع واجب نہیں ہوگا۔

حدیث میں ”من بعدی“ کا کیا مطلب؟

آگے چوتھا لفظ ''من بعدی'' کا ہے یہ عام ہے بعدیت زمانی کے لیے بھی اور بعدیت رتبی کے لیے بھی کہ جن کا رتبہ میرے بعد ہوگا، ان کا اتباع کروگے تو اہل سنت والجماعت کے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ کے طریقہ کو بھی ماننے اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو بھی یہ تو میں نے اہل سنت والجماعت کے معنیٰ عرض کردیے۔

ایک مختصر سی بات اور عرض کرتا ہوں اس کا حال یوں سمجھئے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات جو ہے وہ منبع ہے علم وحکمت کا آپ ﷺ کی زبان سے علم کا چشمہ جاری ہوا اور صحابہ نے اس کو لے لیا صحابہ کے بعد وہ علم پہنچا تابعین کو۔

حضور ﷺ کی چار حدیثیں

اس کے بعد دوسری بات خیال میں یہ دیکھئے کہ حدیث میں آیا ہے۔ابوذر غفاری ؓ کی روایت ہے کہ ابوذر غفاری ؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ کتنے پیغمبر آئے دنیا میں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ایک لاکھ چوبیس ہزار۔تو پوچھا ابوذر غفاری ؓ نے یا رسول اللہ ﷺ ان میں رسول کتنے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین سو تیرہ۔

ایک حدیث تو یہ یاد رکھئے پھر آگے بیان کروں گا۔اور ایک حدیث صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ۔**یدخل الجنة من امتی سبعون الفا بغیر حساب**۔ستر ہزار میری امت کے لوگ بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ (الی آخر الحدیث) یہ تین حدیثیں سننے کے بعد ایک چوتھی حدیث اور خیال میں رکھئے **العلماء ورثة الانبیاء** کہ علماء جو ہیں انبیاء کے وارث ہیں اور ایک روایت ضعیف ہے بعضوں نے موضوع اور بعضوں نے ضعیف کہا ہے ''**علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل**'' میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں یہ روایات متفرق طور پر آپ کے سامنے عرض کردیے۔

اب نبی کریم ﷺ سب سے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ 'اوتیت علم الاولین والآخرین' اور آخرین کو جو علوم عطا کیے گئے تھے ان کا مجموعہ مجھ کو عطا کیا گیا تو مجھے خیال آیا کہ رسول کریم ﷺ تو تمام انبیاء کا خلاصہ لب لباب ہیں جو حکمتیں اور علوم انبیاء کو عطا کیے گئے وہ آپ کی تنہا ذات بابرکات میں جمع کر دیے گئے۔

صحابہ نمونہ ہیں انبیاء کا

آپ ﷺ کے بعد درجہ ہے صحابہ کرام ﷺ کا تو جنگ بدر میں تین سو تیرہ ہیں صحابہ ﷺ جتنا رسولوں کا عدد ہے تین سو تیرہ وہی عدد صحابہ ﷺ کا ہو رہا ہے جنگ بدر میں اور تمام صحابہ ﷺ و تابعین کا اتفاق ہے کہ بدریین کا درجہ صحابہ ﷺ میں سب سے بڑھ کر ہے سب سے پہلا غزوہ جنگ بدر کا ہے اس میں صحابہ ﷺ کی تعداد ۳۱۳ ہے اس کے بعد غزوہ تبوک میں صحابہ ﷺ کی تعداد ستر ہزار ہے حافظ عراقی نے الفیہ میں لکھا ہے وسبعون الفا بتبوک قد حضر۔ ستر ہزار صحابہ ﷺ کی جماعت غزوہ تبوک میں تھی اور آپ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لیے گئے ہیں تو محدثین نے یہ لکھا ہوا ہے (حافظ ابن حجر وغیرہ نے) کہ کل صحابہ ﷺ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تک پہنچی تو میرا گمان یہ گزرا کہ صحابہ ﷺ نمونہ ہیں انبیاء کا ایک لاکھ چوبیس ہزار جو انبیاء کا عدد ہے۔ وہ صحابہ ﷺ کا عدد ہو گیا اور جو ۳۱۳ رسولوں کا عدد تھا۔ وہ بدریین کا عدد ہو گیا اور غزوہ تبوک میں جو ستر ہزار ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ستر ہزار جنت میں بغیر حساب و کتاب داخل ہوں گے۔

حضور ﷺ کا علم صحابہ میں جذب ہو گیا

اب تمام علم جو نبی کریم ﷺ کی ذات میں تھا وہ جذب ہو گیا صحابہ کرام میں آ کر کے اب اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نبی اٹھ گئے دنیا سے اس کے بعد صحابہ کا گروہ آیا اور تابعین کا گروہ

بھی صحابہ کے ساتھ ہی چلا سن ۸۰ ہجری میں امام ابوحنیفہؒ پیدا ہوئے کہ صحابہؓ میں سے پانچ سات باقی تھے اس وقت روئے زمین پر سات آٹھ صحابہ کا ذکر کتب حدیث میں آتا ہے ابوحنیفہؒ کو ان کی زیارت نصیب ہوئی اور تابعی کے لقب سے مشرف ہوئے۔

خیر القرون کا دور ختم ہوگیا

سنہ ۱۱۰ھ جب آیا تو تقریباً صحابہؓ سب اُٹھ چکے تھے اور جو اکابر تابعین تھے وہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اور جو اوساط تابعین تھے وہ بھی جا چکے تھے اور جو چھوٹے صغار تابعین تھے وہ باقی تھے اب کیا ہوا؟ اللہ کے نبی کا قرن گزر گیا اور صحابہؓ کا قرن گزر گیا اور تابعین کا قرن بھی گزر گیا جنہوں نے صحابہ کی جوتیاں اُٹھائی تھیں اب شریعت مکمل ہوگئی کہ نبی کریم کے اقوال وافعال بھی ساری امت کو پہنچ گئے، وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ [سورۂ نور:۵۵] اب شریعت کا علم جو تھا وہ مکمل ہوگیا۔ اب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور توجہ ادھر ہوئی کہ یہ علم جو نبی کا ہے وہ جمع ہونا چاہیے۔ تو شریعت کے علم کی طرف اللہ کی عنایت اور توجہ مبذول ہوئی۔

اب اللہ نے دو گروہ کھڑے کر دیے

تو شریعت دو چیزوں کا نام ہے شریعت کے ایک الفاظ ہیں اور ایک معنی ہیں اب قرآن ہے اس کے ایک الفاظ ہیں ایک معنی ہیں۔ حدیث ہیں اس کے ایک الفاظ ہیں اور ایک معنی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے دو گروہ کھڑے کیے ایک محدثین کا گروہ کھڑا کیا اور ایک فقہاء کا گروہ کھڑا کیا محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت کی اور الفاظ شریعت کو امت تک پہنچایا۔ اور فقہاء نے معانی شریعت کو سمجھایا۔

اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہؒ کے قلب میں القاء کیا کہ تو نبی کی شریعت کے معانی کو سمجھا تو ابوحنیفہؒ کی تیس پینتیس برس کی عمر تھی ابوحنیفہؒ کے حلقہ درس میں چالیس علماء تھے جن میں

اولیاء بھی تھے محدث بھی تھے۔صوفی بھی تھے فقہاء بھی تھے اور راز کیا بھی تھے۔سب کو جمع کر کے اس علم فقہ کو مدون کیا۔امام طحاوی نے نقل کیا کہ چالیس آدمیوں کی مجلس تھی اس میں ابو یوسف امام محمد بن حسن امام زفر، امام حسن ابن زیاد بھی شامل تھے۔امام ابو یوسف امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں اور امام محمد یحییٰ بن معین کے استاد ہیں۔احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین بخاریؒ کے استادوں میں سے تھے امام محمد جو کتاب لکھتے تھے اس کو یحییٰ بن معین قلمبند کرتے تھے اور لکھتے تھے۔

امام شافعیؒ امام محمد کے شاگرد ہیں امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں رہے امام محمد، امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد امام مالک کی خدمت میں پہنچے۔

علم کلام اور علم فقہ کے پہلے مدون ابوحنیفہؒ ہیں

غرض امام ابوحنیفہؒ نے چالیس علماء کی مجلس میں فقہ کو مدون کیا ابواب فقہیہ کتاب الطہارۃ سے لے کر کے آخر تک اور یہ تو مدون کیا علم فقہ کو بعد میں اور فقہ اکبر اور فقہ اوسط یہ ابوحنیفہؒ کے رسالے ہیں جن کو املاء کرایا ابوحنیفہؒ نے مدون کرایا۔جہمیہ معتزلہ اور خارجیہ کے رد میں تو علم کلام کو مدون کرنے والے سب سے پہلے ابوحنیفہؒ ہیں اور علم فقہ کو مدون کرنے والے ابوحنیفہؒ ہیں۔

باقی تینوں ائمہ نے ابوحنیفہؒ سے استفادہ کیا ہے

شیخ جلال الدین السیوطی کا ایک رسالہ ہے تبییض الصحیفہ فی مناقب امام ابی حنیفہ اس میں لکھا ہے کہ امام مالک نے مؤطا امام مالک اور سب سے پہلے شریعت کا علم امام ابوحنیفہؒ نے مدون کیا اور امام مالک نے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو دیکھ کر مؤطا لکھا ہے اس کے بعد امام شافعیؒ آئے امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو اور امام مالک کے مؤطا کو دیکھ کر فقہ کی بنیاد قائم کی۔تو ابوحنیفہؒ سے استفادہ کرنے والے امام مالک بھی ہیں اور امام

شافعی بھی ہیں۔اور احمد بن حنبل بھی ہیں۔تو ابو حنیفہؒ نے علم فقہ کو اور علم کلام کو مدون کیا۔

امام ابو حنیفہؒ کی ذکاوت

ایک دن بادشاہ وقت نے ارادہ کیا کہ علماء کو قاضی بناؤں تو مسعر بن کدام اور امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوری اور قاضی شریک، یہ چاروں دوست تھے آپس میں ان کے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے کہ ان کو پکڑ کے لاؤ، یہ بھاگے پھرتے تھے، تو ایک دن تنہائی میں یہ چاروں دوست جمع ہوئے اور کہا کہ بھائی کیا صورت کریں خلاصی کی تو ابو حنیفہؒ نے کہا میں اپنا تخمینہ بتلائے دیتا ہوں کہ ہوگا کیا تمہارا؟ فرمایا کہ میں تو مصیبت میں مبتلا ہوں گا اور کہا کہ یہ مسعر بن کدام چھوٹ کر آجائے گا عہدہ قضا کی تکلیف سے اور سفیان روپوش ہوجائے گا اور یہ قاضی شریک قاضی بنے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کا عہدہ قضا سے انکار

ابو حنیفہؒ کو بلایا بادشاہ نے کہا کہ آپ عہدہ قضا کو قبول کر لیجیے۔فرمایا کہ میں اہل نہیں ہوں تو بادشاہ نے کہا آپ اس کے اہل ہیں، آپ کو قبول کرنا پڑے گا۔امام ابو حنیفہؒ نے کہا خدا کی قسم میں قبول نہیں کروں گا۔بادشاہ کو کہا کہ اگر میں اپنی بات میں سچا ہوں کہ میں اہل نہیں ہوں۔تب تو مجھے رہا کر دیجیے۔اور اگر میں جھوٹا ہوں تو جھوٹا آدمی عہدہ قضا کے قابل نہیں، مجھے کیوں قاضی بناتے ہو۔بالآخر ابو حنیفہؒ کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا اور سفیان ثوری روپوش ہو گئے۔مسعر بن کدام کو بلایا گیا یہ بھی بڑے عابد و زاہد تھے اور ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے تھے اور دوستوں میں سے بھی تھے اور بخاری میں ان سے روایتیں ہیں مسعر بن کدام کی۔

عہدۂ قضا کے لیے مسعر بن کدام کی پیشی

توان کے تذکرہ میں ہے کہ مسعر بن کدام کو جب بادشاہ نے بلایا تو کہا۔ السلام علیك یا امیر المومنین۔انہوں نے کہاوعلیکم السلام اس کے بعد پوچھا کیف حالك امیر المومنین کا مزاج کیسا ہے؟ انہوں نے کہا بحمد الله انا بخیر الحمد لله خیریت سے ہوں پھر پوچھا۔ کیف دوابك وحمیرك آپ کے اصطبل کے گھوڑوں اور خچروں کا کیسا مزاج ہے، یہ جو سوال کیا بادشاہ کو غصہ آیا، اس نے کہا هذا مجنون اخرجوه۔اس دیوانے کو باہر نکال دو۔ان کو باہر نکال دیا تو کہنے لگے ذلک ما کنا نبغ میری تمنا یہ تھی کہ مجھے نکال دیا جائے۔یہ بھاگ گئے وہاں سے۔

یہ علم ہے ہمارے اکابر علماء کا

تو یہ علم ہے علماء اہل سنت والجماعت کا اولیاء تھے، اتقیا تھے اور عباد وزہاد تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے علم کو ہم تک پہنچایا اب یہ ہمارے مدرسوں میں جو علم پڑھایا جاتا ہے یہ انہی ائمہ مجتہدین کا علم پڑھایا جارہا ہے بعض لوگ تنقید کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا کہیں نام آیا ہے کسی حدیث میں کہ تم ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہو،تو جواب اس کا یہ ہے کہ امام بخاری کا نام اور امام مسلم کا نام بھی تو کسی حدیث میں نہیں آیا کہ تم بخاری کی کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانتے ہو۔جواب یہ ہے امت کے صلحاء وعلماء نے قبول کیا اس کتاب کو اس لیے ہم نے اس کو اصح الکتب مان لیا۔تو امت کی تلقی بالقبول یہ بھی ایک دلیل ہے تو جیسے علماء وصالحین نے اس کتاب کو قبول کرلیا ایسے ہی ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کو بھی قبول کرلیا اور ان کی تلقی پر بھی امت متفق ہوگئی۔

امام ابوحنیفہؒ کا بلند و بالا مقام

اور جامع ترمذیؒ میں حدیث گزررہی تھی۔شاہ صاحب کے درس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام انبیاء کی امتوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی اور اسی

صفیں میری امت کی ہوں گی۔اور فرمایا وانا اکثر ہم تابعا سب سے زیادہ اتباع کرنے والے اور پیرو میرے ہوں گے۔یعنی ایک سوبیس میں سے دو تہائی نبی کریم ﷺ کے پیرو ہوں گے اور ایک تہائی باقی انبیاء کے پیرو ہوں گے تو شاہ صاحب فرمانے لگے یہی حال ہے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ اللہ کا کہا امت محمدیہ میں سے دو تہائی امت محمدیہ ابوحنیفہؒ کے پیرو ہیں اور ایک تہائی کے اندر مالک وشافعی واحمد بن حنبل شریک ہیں۔

یہ علم خلاصہ ہے کل انبیاء کے علوم کا

تو بھائی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ علم ہم تک پہنچایا ہے اور یہ مدرسے جو ہیں دین کے ان میں ان صحابہ وتابعین کا علم پڑھایا جاتا ہے۔اب اس سے آگے ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا اور محدثین کا اتفاق یہ ہے کہ صحابہؓ کے دائرہ سے باہر جانا جائز نہیں اگر صحابہؓ اور تابعین شارح ہیں نبی کریم ﷺ کے اور مجدد صاحب کا کلام عارفانہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ’کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ‘ [سورۂ آل عمران:۱۱۰] تو اس امت محمدیہ کو خیر الامم فرمایا تو کہا کہ حضور خیر الانبیاء ہیں۔آپ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں اور امت محمدیہ کمالات امم کی جامع ہے اور جس نے حضور اکرم ﷺ پر ایمان قبول فرمایا اس نے گویا کل پیغمبروں پر ایمان لایا اب اس کا نتیجہ فرماتے ہیں کہ جس نے حضور اور آپ کی شریعت کا انکار کیا وہ بدترین کافر ہے اس نے گویا کل انبیاء کا انکار کیا تو ائمہ اربعہ کے مذاہب پر عمل کرنے کے اندر کل شریعت پر عمل اور کل انبیاء کی اتباع ہے اور کل انبیاء کی انوار وبرکات اس میں شامل ہیں تو بھائی اپنے احباب کو نصیحت کرتا ہوں اور وصیت کہ یہ علم جو اللہ نے تم کو اس مدرسے کی برکت سے عطا کیا یہ خلاصہ ہے کل انبیاء کے علوم کا اور خلاصہ ہے علم شریعت کا۔

امام بخاری کا طرز وطریقہ

اور جہاں تک ہو سکے صحابہ ﷺ کے دائرہ سے باہر مت جائیے، جتنے لوگ فقہ کے منکر ہیں، امام بخاری کے تو قائل ہیں میں تمہیں بخاری ہی کی مثال پیش کیے دیتا ہوں امام بخاری کا طریقہ ہے کہ ترجمۃ الباب قائم کریں گے اور اس کے بعد صحابہ اور تابعین کے اقوال نقل کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان حضرات نے دین کو کس طرح سمجھا ہوا ہے تو بخاری کے تمام تراجم ان صحابہؓ کے اقوال سے بھرے پڑے ہیں تو معلوم ہوا کہ صحابہؓ وتابعین کے اقوال کے بغیر کوئی دین نہیں سمجھ سکتا۔

علماء امت کا اتفاق ہے ائمہ اربعہ پر

اور علماء کا اتفاق ہے کہ چھ کتابیں حدیث کی سب میں سے زیادہ معتبر ہیں اس طریقے سے علمائے امت کا اتفاق ہو گیا کہ قابل تقلید چار امام ہیں اور پانچواں امام نہیں ہے علماء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد امام ابن جریر طبری نے دعویٰ کیا اجتہاد کا مگر لوگوں نے ان کی اتباع اور پیروی نہیں کی امام بخاری کے متعلق اختلاف ہے علماء کا کہ یہ مقلد تھے یا مجتہد تھے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ مقلد تھے امام شافعیؒ کے اور بعض کہتے ہیں کہ مجتہد تھے مان لو کہ مجتہد تھے تو سوال یہ ہے کہ مجتہد تو تھے جیسے سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک تھے مگر ان سب کا مذہب کتابوں کے اندر نقل نہیں ہوتا اور ائمہ اربعہ کا ہوتا ہے اور نہ کوئی دنیا میں ان کا پیرو موجود ہوا تو معلوم ہوا کہ معانی حدیث کے امام ابوحنیفہ اور مالک سے سمجھتے ہیں اور الفاظ حدیث محدثین سے جامع ترمذی کتاب الجنائز میں ہے۔ **الفقهاء هم اعرف بمعاني الحديث۔** (یعنی فقہاء معانی حدیث کو زیادہ سمجھتے ہیں۔)

حضرت شیخ الہند کا ارشاد

حضرت شیخ الہندؒ نے ایک لفظ فرمایا بہت عجیب قرآن میں ہے۔ **اَطِيْعُوا اللّٰهَ**

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ [سورۂ نساء:۵۹] تو فرمایا کہ شریعت دو چیزوں کا نام ہے ایک الفاظ اور ایک معنی کا تو فرمایا مقصود معنی ہے اور الفاظ مقصود کا ذریعہ ہیں اور کہا کہ اطاعت مقصود ہے اور وہ معنی پر عمل کرنے سے ہوتی ہے اور معنی سے سمجھی جاتی ہے جو فقہاء نے سمجھا ہے اس لیے ان کا اتباع کرنا ہوگا اور جو الفاظ روایت کرتا ہے ان کا اتباع نہیں کرنا ہوگا۔ ایک شخص جلالین پڑھاتا ہے عالم ہے باضابطہ اور حافظ قرآن نہیں اور ایک حافظ قرآن ہے مگر وہ شرح جامی اور مختصر پڑھا ہوا نہیں ایک شخص قاری ہے سبعہ کا بلکہ عشرہ کا مگر قرآن کی تفسیر سے واقف نہیں تو معانی کو جو زیادہ جانتا ہو۔ تو معنی کے بارہ میں اس کا قول معتبر ہوگا؟ یا قاری کا؟ تو ابو حنیفہؒ کا قول معتبر ہوگا اور امام بخاری وغیرہ کا قول ان کے مقابلے میں معتبر نہ ہوگا۔ اور یہ سب حضرات جو ہیں امام بخاری وغیرہ، یہ شاگرد ہیں احمد بن حنبل اور یحییٰ ابن معین کے اور وہ ابو حنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور امام شافعیؒ شاگرد ہیں محمد بن الحسن کے۔

ایک وعظ میں شیعوں کا منہ توڑ جواب

اس لیے یہ تو ہمارا علمی احسان ہوا کہ یہ حکومت ہے دنیا کے اندر تو یہ خلفائے راشدین کی بدولت ہے، تو اہل سنت والجماعت کو یہ نعمت عطا فرمائی کہ دین بھی دیا اور حکومت بھی، اور بغیر اہل سنت کے حکومت کا نام و نشان نہیں، ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تمام علاقے فتح ہوئے اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں کوئی علاقہ فتح نہیں ہوا۔ ایک دفعہ میں نے وعظ میں کہا کہ یہ شیعہ لوگ حضرت عمرؓ پر باغ فدک کا اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے فدک چھین لیا میں نے کہا کہ باغ جو تھا بہت سے بہت دو میل کا ہوگا ہزار دو ہزار درخت ہوں گے قیمت دو لاکھ ۲۰ لاکھ لگاؤ مگر یہ بتلاؤ کہ یہ جو ایران ہے یہ کس کا فتح کیا ہوا ہے۔ عمر ہی کا فتح کیا ہوا ہے جس کی روٹیاں کھا رہے

ہو۔اب بھی قیمت ادا ہوئی یا نہیں۔

ایک بڑھیا کا عجیب واقعہ

ہمارے ایک دوست بیان کیا کرتے تھے۔جواب انتقال کر گئے کہ میری بھینس تھی جس کا دودھ میں ایک بڑی بی کو باقاعدہ بھیجا کرتا تھا اس کے پڑوسی نے بیان کیا کہ یہ بڑی بی ہر رات کو اٹھتی ہے تہجد کو اور تمہارے لیے بددعا کرتی ہے ہاتھ پھیلا کر تو اسے یقین نہ آیا کہ میرا قصور کیا ہے کہ میرے لیے یہ بددعا کرتی ہے تو اس نے کہا کہ میرا کوٹھا اور بڑی بی کی چھت ملی ہوئی ہے، رات کو آ کر میرے پاس رہو میں تجھے اس کی بددعا بتلادوں گا وہ رات کو سویا تہجد پڑھ کر بڑی بی نے ہاتھ پھیلا کر بددعا کی۔اگلے دن اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اماں میں نے سنا ہے کہ آپ میرے لئے بددعا کرتی ہیں۔تو بڑی بی نے بے تکلف کہا ہاں میں تیرے لیے بددعا کرتی ہوں۔اس نے پوچھا آخر میرا قصور کیا ہے میں تو ہر روز دودھ ہدیہ بھیجتا ہوں تو کہا تیرا قصور یہی ہے کہ تیرے پاس بھینس ہے اور میرے پاس نہیں۔

شیعوں کا معاملہ بڑھیا جیسا ہے

تو حضرات شیعہ ابو بکر عمر کو اس لیے کوستے ہیں کہ انہیں کا دودھ پیتے ہیں اور انہیں بددعا دیتے ہیں۔تو علم جو ہے دنیا میں وہ اہل سنت والجماعت کی بنا پر ہے اور حکومت بھی، پاکستان میں جو حکومت ہے، ترکمانستان میں حکومت ہے، اور یہ ایران تو بعد میں اس کے اندر کوئی بادشاہ ہو گیا ہے اصل میں یہ حضرت عمر کا فتح کیا ہوا ہے۔تو اب میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اہل سنت الجماعت کے مسلک پر قائم کرادے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ------------ ۲۷

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

{خطاب}

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

آپ یہ سمجھ لیں کہ اس زمانے میں دین پر ایک بڑا تنگ اور سخت وقت آیا ہے دین پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں، ملحدین، یورپ کے مستشرقین اور ارباب اقتدار درحقیقت سب دین پر حملہ آور ہو رہے ہیں، آج دین مجروح اور مظلوم ہے اور امداد کے لیے مسلمانوں کو پکار پکار کر بلا رہا ہے تو دین کی امداد تو سب کو کرنی ہے۔

مگر طلباء اور علماء دین کا خاص طور سے فریضہ ہے کہ دین کی حمایت کریں اور اس راہ میں نقصان کو نقصان نہ سمجھیں۔

پیراگراف از بیان حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

طلب علم کا مقصد

اس وقت میں یقینا بہت تھکا ہوں، مگر دل چاہتا ہے کہ تمہارے سامنے کچھ باتیں کرو بھائیو! آپ اپنے گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے تو آپ کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہے کہ دینی علوم حاصل کریں کیونکہ اس وقت آپ پر تمام عہدے اور منصب بند ہیں، فراغت کے بعد تمہیں اس ملک میں نہ جج کی کرسی ملے گی نہ قاضی و مفتی کا کوئی مقام حاصل ہوگا۔

پچھلے زمانے میں علم پر عہدے حاصل تھے

پچھلے زمانہ میں علماء کو ہر قسم کے عہدے اور منصب حاصل تھے۔ تو بعض طلبہ کی نیت اچھی اور بعض کی بری ہوسکتی تھی اور یہ تقسیم نیات کی بناء شاید وہاں صحیح ہوسکتی کہ انما الاعمال بالنیات مگر اس وقت میرا یقین ہے کہ شاید ایک طالب علم بھی اس مدرسہ میں ایسا نہ ہو جس کی نیت تحصیل علم سے حصول دنیا ہو۔

حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص جو تحصیل علم میں لگا رہے، جس سے صرف رضائے

الٰہی حاصل ہو سکتی ہے، پھر بھی وہ اسے دنیاوی اغراض کے لیے حاصل کرے، ایسے شخص پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہوگئی، مگر اب تو دینی اغراض سب منقطع ہو گئے ہیں۔

آج دین پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں

آپ یہ سمجھ لیں کہ اس زمانے میں دین پر ایک بڑا تنگ اور سخت وقت آیا ہے دین پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں، ملحدین، یورپ کے مستشرقین اور ارباب اقتدار درحقیقت سب دین پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔

آج دین مجروح اور مظلوم ہے اور امداد کے لیے مسلمانوں کو پکار پکار کر بلا رہا ہے تو دین کی امداد تو سب کو کرنی ہے۔ مگر طلباء اور علماء دین کا خاص طور سے فریضہ ہے کہ دین کی حمایت کریں اور اس راہ میں نقصان کو نقصان نہ سمجھیں۔

ہمارا اعزاز دین کی وجہ سے ہو رہا ہے

کیونکہ ہم دین کے نام پر کھاتے ہیں دین کی خدمت کے نام پر ہماری آمدنی ہمارے گھروں میں بسنے والوں کے جسم کا کپڑا اور لباس دین کے نام پر ہے جو کہ اس خدمت کی وجہ سے ہمیں حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ یہ لوگ جو ہماری عزت و احترام کرتے ہیں یہ بھی دین کی وجہ سے ہے۔

ایک عالم، اجنبی اور نابلد کسی گاؤں پہنچ جائے اور ان لوگوں کو صرف یہ معلوم ہو کہ عالم دین ہے تو اس کا احترام اور مہمانی محض دین کی وجہ سے ہوتی ہے تو ایسے لوگوں کا تو فرض ہے کہ دین کی حمایت وحفاظت میں اپنی جان تک قربان کر دیں۔

سوائے حفاظت دین کے ہمارا کوئی مقصد نہ ہو

تو اگر آپ نے بعد از فراغت دین کی خدمت نہ کی اور تمام فتنوں اور ملحدین کے مقابلہ میں سینہ سپر نہ ہوئے تو یاد رکھیے کہ تم نے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت بھی ضائع اور برباد

کردی اور یہ زندگی کچھ نہیں جب مرنا یقینی ہے تو جو موت دین کی حمایت میں آجائے شہادت کی موت ہے اور ہزار درجہ گھر کی چارپائی پر مرنے سے بہتر ہے تو آج مضبوط عزم اور قلب سے طے کرلو کہ ہمارے سامنے سوائے دین کی حفاظت کے اور کچھ نہ ہوگا۔

مقام دعوت وعزیمت

آج ہم میں عام طور پر ایک تاثر ہے علماء اور عوام دونوں میں کہ تقویٰ اور تقدس طہارت اور بزرگی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انسان گھر یا حجرہ اور مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے، کسی سے کام نہیں، سیاست میں دخل نہیں دیتا، ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے لیکن میں آپ سے یہ کہوں گا کہ بزرگی درحقیقت اتباع سنت کا نام ہے، نبی کریم علیہ السلام کی زندگی پر کسی نے عمل کیا وہی طریقے اختیار کئے تو یہی بزرگی ہے، اب دیکھئے کہ ہمارے حضور ﷺ صرف حجرہ میں بیٹھے ہوئے تھے؟ یہ بالکل صحیح ہے، مگر نبی کریم اس کے ساتھ ساتھ بدر کے مقام پر فوجوں کے کمانڈر بھی تھے، غزوہ احد میں تمام ساتھیوں کو خاص خاص مقامات پر متعین کیا اور ایک بڑے سے بڑا فوجی ماہر اس سے بہتر مقامات کا تعین نہیں کرسکتا جو حضور ﷺ نے فرمایا۔

دین صرف گوشہ نشینی کا نام نہیں

حضور ﷺ کفار کا مقابلہ بھی کرتے تھے ان کے وفود سے بھی ملتے تھے، قیصر روم وغیرہ کو سفراء بھی بھیجتے تھے دحیہ کے ہاتھ مختصر پیغام بھیجا **اسلم تسلم** اگر اطاعت قبول نہ کی تو بچنا مشکل ہے، حضور ﷺ نے بڑی بڑی حکومتوں سے تعلقات بھی کئے، صحابہ کرام سے امور ملکی میں مشورے بھی فرماتے، عشاء کے بعد حضرت صدیق کے ساتھ خصوصی مشورے تمام مسلمانوں کے نظم کے سلسلہ میں لیا کرتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہوتے، ان تمام امور کا کنٹرول کرنا اور صالح نظام ملک میں قائم کرنا ملک سے

مفاسد، الحاد و زندقہ بے دینی کے ہر نظام کا مقابلہ اور اسے شکست دینا بھی حضور ﷺ کا کام رہا......

جس وقت دین کا جو تقاضا آجائے اسے پورا کرنا ہے

اب اگر کوئی نماز چھوڑ دے تو فاسق ہے کہ اس نے فرض چھوڑ دیا، یہی شخص جو نماز روزہ حج کی پرواہ نہ کرے اور جہاد کرتا رہے، اور ایمانی جذبہ کی بیداری میں کئی تحریکوں میں ایسے لوگ میدان جہاد میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ مگر اعمال صالحہ میں کمزور ہوتے ہیں مگر نظام عبادات کے تارک ہونے کی وجہ سے وہ شخص فاسق ہے اسی طرح ایک شخص نماز روزہ حج کرتا ہے، تہجد گزار بھی ہے مگر باطل نظام بے دینی کی اشاعت اور باطل کی قوت دیکھتا ہے اگر اس کے مقابلہ کے لیے میدان میں اترے اور ہو عالم جب کہ اس پر تو فرض عین ہوتا ہے، فرض کفایہ نہیں ہے دین کی رفتار جتنی تیز ہو اس کا مقابلہ بھی اسی تیزی سے ہونا چاہیے مگر یہ شخص اس سے بے پرواہ ہو بدن میں رگوں میں حرکت نہ آئے گویا سراسر بے غیرت ہو جائے کہ دین کی شکست اور بے دینی کی اشاعت پر بھی اس میں حرارت نہیں آتی۔ تو ایسا غازی بھی جو تارک فرض (امر بالمعروف ہے) ہے اسی طرح فاسق ہے، جس طرح وہ غازی جو جہاد کرتا تھا، مگر نماز روزہ نہیں پڑھتا تھا، کیا فرق ہے ایک فرض اس نے اور ایک فرض اس نے ترک کیا......

بغیر اتباع سنت کے نور نہیں آسکتا

یہ ناممکن ہے کہ پوری اتباع سنت نہ ہو اور دل میں نور آجائے، ولایت حاصل ہو، یہ نور نہیں ظلمت ہے، یہ استدراج ہے، تو صاف ستھری بات تو یہ ہے کہ اہل علم سوچ لیں کہ اگر باطل کا نظام ختم نہ کیا اور حجروں میں بیٹھے رہے تو اس سے جنت حاصل نہ ہو سکے گی۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ [سورۂ بقرہ: ۲۱۴] یہ دنیا امتحان کی ہے محنت اور کوشش کرنی ہے آرام سے بیٹھنے سے جنت نہیں ملے گی، ہر بے دینی کا مقابلہ

کرو، میدان میں نکل جاؤ۔

اپنی دینداری پر مطمئن نہ ہوں

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ وہ فاسق شخص جو تارک عبادات ہے مگر جہاد کرتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کو کچھ نہ کچھ احساس اپنی بے دینی کا ہو جائے اور آخری وقت میں نماز روزہ کی کمی محسوس کرے، توبہ کرے اور اللہ بخش دے مگر اہل علم تو اس گھمنڈ میں ہوتے ہیں کہ ہم تو دن بھر عبادت میں مشغول ہیں، اللہ اللہ کرتے ہیں۔ یہ تو جنت میں اپنے لیے خیمے گاڑے ہوئے دیکھتا ہے، تو اسے اس کوتاہی کا شعور اور کمی کا احساس ہی نہیں ہوتا تو یہ تو بے توبہ مر جائے گا، اور وہ دوسرا شخص جنت میں پہنچ جائے گا۔

جمعیت علماء اسلام کا مقصد

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ اس وقت جمعیت علماء اسلام اکابر علماء کی وہ جانشین جماعت ہے جسے حضرت مولانا درخواستی صاحب جو نمونہ اسلاف ہیں یا ان جیسے دیگر اکابر کی قیادت حاصل ہے اس جماعت کا مقصد صرف اسلام ہے۔

یہ چاہتی ہے کہ اس ملک کا جامع نظام سیاسی ہو یا معاشی، قانونی ہو یا معاشرتی تمام نظام اس ملک میں اسلام کے اصولوں پر جاری کر دیا جائے، مگر بعض لوگ ان علماء کو بدنام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سوشلزم کے حامی ہیں۔ میں ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ علماء کی یہ جماعت اسلام کے سوا ہر ازم، ہر نظریہ، اور ہر گروہ پر لعنت کہتی ہے، علماء کا مطالبہ اسلام کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ یہ جماعت اس ملک کی تحریکات، مولانا اسمٰعیل شہید کی دعوت سرسید اور علی گڑھ کی دعوت ہندوستانی مفکرین مصنفین کے خیالات وافکار سے تاثر مشرقی پاکستان میں اسی لیے بہت کم ہے اور اسلام کا یہ سب سے آباد خطہ اسلامی مرکزوں سے بالکل بیگانہ ہوا ہے۔ اور بنگالی کی دنیا کے اندر جس زمین و آسمان پر ہندو

تخیل اور سنسکرتی تصورات چھائے ہوئے ہیں وہ گھر کر رہ گیا ہے اور ساری اسلامی دنیا سے کٹا ہوا ہے۔

پاکستان کی دعوت اس صورت حال کی اصلاح کی دعوت ہے یہ مسلمان قوموں اور ملکوں کو ایک ساتھ ملا کر واحد ملت کی تشکیل کرنا چاہتا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ اس دعوت کی تکمیل کے لیے ہم اپنی تاریخ پر اصلاحی نظر ڈالیں۔ اور اس کو اس صورت میں ترتیب دیں جس سے پاکستان کی دعوت کا مقصد پورا ہو۔

پاکستان کے مورخوں کا فرض

حضرات! پاکستان کے قیام کے بعد ملت کا ہر صاحب فن اپنی اپنی استعداد وقوت کے مطابق پاکستان کی تعمیر میں مصروف ہے۔ تجارتی، صنعتی، زرعی، تعمیری، ادبی، علمی، سائنسی، فلسفی ہر گوشہ علم وفن کے واقف کار پاکستان کی تعمیر میں مصروف ہیں دوسرے اہل فن کے ساتھ ساتھ یہاں کے مؤرخوں پر بھی بہت سے فرائض عائد ہوتے ہیں تاریخ نویسی کے اس طرز کو بدلنا ہے جس کو انگریزی سیاست نے یہاں رائج کیا جس نے ملک میں تفریق کا بیج بویا۔ اور بجائے اس ملک کی بلندی اور رفعت کے انگریزی دن کے جاہ وجلال اور شان وشوکت اور عدل وانصاف اور بحالی امن کی تشہیر کا کام اسی فن سے لیا گیا جس ملک میں خود اہل ملک کی آنکھوں میں ذلیل اور سات سمندر پار کے ملک کو ان کی نگاہ میں معزز بنایا گیا ملک کے پورے سابق عہد حکومت کو صرف تاریکی اور ظلمت ظاہر کیا گیا تا کہ انگریزی راج کا کارنامہ روشن نظر آئے۔ اور ان مکاریوں اور فریبیوں پر پردہ پڑ جائے جس کے ذریعے سے بیرونی لوگوں نے اس ملک کی دولت وصنعت وحکومت پر قبضہ پایا۔

سابق فرامین شاہی کا سرمایہ

ہندو پاکستان کے تاریخی سرمایہ کا ایک بڑا اور اہم حصہ فرامین شاہی ہیں جواب بھی ہندو مسلم ممتاز خاندانوں، مندروں اور خانقاہوں میں موجود ہیں۔ سرسید مرحوم کے زمانے سے لے کر مولانا شبلی مرحوم کے عہد تک برابر اس کی تجاویز مسلم ایجوکیشن کانفرنس اور ندوۃ العلماء کے جلسوں میں منظور ہوئیں اور کبھی ان کی نمائش بھی کی گئی مگر ابھی تک یہ فراہم ہو کر اور اڈٹ ہو کر فوٹو اور تشریح ونقشہ کے ساتھ شائع نہیں ہوئے۔ اگر یہ فراہم ہو کر اور اڈٹ ہو کر شائع ہوں تو ہندو پاکستان کی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات منظر عام پر آجائیں۔

فن تاریخ کی تکمیل کے لیے پاک وہند کا تعاون

حضرات! ہندو پاکستان کی تقسیم سے گو بہت سے سیاسی اور انتظامی وتجارتی مسائل میں انقلاب پیدا ہو گئے مگر جہاں تک علم وفن کا تعلق ہے وہ قوموں کی تقسیم سے تقسیم نہیں ہوتے اور پوری دنیا کی ملکیت ہیں اور وہ ایک دوسرے سے طبعاً وابستہ ہیں خصوصیت کے ساتھ تاریخ کے وہ واقعات اور ان کے نتائج کا مجموعہ ہے ضرورت یہ ہے کہ دونوں ملکوں کے اہل فن باہمی تعاون اور تفاہم سے اس کی ترتیب وتدوین میں مصروف ہوں اور تاریخ کو علم کے بجائے سیاست کی شاخ نہ بنائیں۔ اور واقعات کی تشریح وتفصیل میں ایسی راہ اختیار کریں جو صداقت سے دور نہ ہو اور دو ملکوں یا دو قوموں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے بجائے دور سے دور تر نہ کریں۔ آل پاکستان ہسٹری کانفرنس کا یہ اجلاس ہمارے لیے ایک خوش آئندہ منفرد ہے اور ہم کو اس سے ایک شاندار مستقبل کا چہرہ دور سے دکھائی دیتا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بیان.......... (۲۸)

کتابت وتدوین حدیث

{افادات}

شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ

وفات سے ایک ہفتہ پہلے افتتاح بخاری شریف کے موقع پر
دار العلوم کراچی میں حضرت علامہ کا طلبہ سے کیا ہوا آخری خطاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

اس زمانے میں (ابتدائی دور میں) اگر حضور ﷺ کی جانب سے کتابت (حدیث) کا حکم جاری ہوجاتا تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اس پر عمل نہیں کر سکتے تھے، جس کی وجہ سے ان کو اپنے دل میں حرج اور تنگی محسوس ہو سکتی تھی۔

اس لیے آپ نے ان کو ابتدائے اسلام میں کتابت کی ترغیب نہ دی

اس کے علاوہ چونکہ قرآن کریم کا معجزانہ اسلوب قلب وذہن میں پوری طرح راسخ نہ ہوا تھا، اس لیے قرآن وحدیث کے ملتبس ہوجانے کا اندیشہ تھا،

(بعد میں جب یہ وجوہات نہ رہیں تو) آپ ﷺ نے صحابہ کے استفسار پر حدیث کے لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

پیراگراف از بیان حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

کسے خبر تھی کہ یہ آخری آمد ہے

شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد یوسف بنوری...... جن کو آج مدظلہم کے بجائے ''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھتے ہوئے دل میں ایک تلاطم برپا ہے...... وفات سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے دارالعلوم کے درس بخاری کے افتتاح کے لیے تشریف لائے، کسے معلوم تھا کہ دارالعلوم میں یہ ان کی آخری آمد اور آخری تقریر ہوگی؟ لیکن عزیزم مولوی شیخ رحیم الدین دکنی سلمہٗ نے اس تقریر کو اسی وقت ضبط کر کے ہم سب کے لیے بڑی سعادت کا سامان مہیا کر دیا ہے، ضبط کرتے وقت حضرتؒ کے نام کے ساتھ ہر جگہ مدظلہم لکھا تھا لیکن اب دل مجروح کے ساتھ اس میں ترمیم کی گئی ہے......

دارالعلوم کی تاریخ میں دوسرا واقعہ

دارالعلوم کی تاریخ میں یہ دوسرا واقعہ تھا کہ تعلیم کی افتتاحی تقریب میں دارالعلوم کے بانی وصدر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے درمیان موجود نہ تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آج کی تقریب سے

ایک سال اور چودہ دن پہلے اس دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ فرما گئے، آج وہ ہمارے درمیان میں موجود نہیں مگر ان کا بنایا ہوا دارالعلوم آج بھی اپنے مقصد کے حصول کی طرف گامزن ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی دارالعلوم میں تعلیم کا آغاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا...... حضرت موصوف کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ذیل میں ہم حضرت مولانا بنوری کی تقریر کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو کہ آپ نے بخاری شریف کے افتتاح کے موقعہ پر فرمائی۔

حضرت کا موضوع تقریر

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا موضوع ''کتابت وتدوین حدیث'' تھا۔ آپ نے فرمایا ''جو یہ کہتا ہے کہ حدیث کی کتابت چونکہ تیسری صدی ہجری میں ہوئی ہے اس لیے وہ حجت نہیں ہے۔''

حضرت موصوف نے تفصیلی طریقے سے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ''کسی سنی ہوئی چیز کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس کو لکھا جائے، بلکہ اس کوئی اور طریقوں سے بھی محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ منکرین حدیث کتابت حدیث کی نفی پر ''**لا تکتبوا عنی غیر القرآن من کتب عنی غیر القرآن فلیسمعه**'' کی روایت سے استدلال کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خود لا تکتبوا فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود کتابت وحدیث کے مخالف تھے۔

ابتداء اسلام میں کتابت حدیث سے ممانعت کی وجہ

حضرتؒ نے اس کا جواب انتہائی لطیف پیرائے میں دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر حالات اور تاریخ پر پوری طرح نظر ہو تو اس کا جواب سمجھ لینا انتہائی آسان ہے۔ حضور

ﷺ نے جب ''لا تکتبوا عنی غیر القرآن... الخ والی حدیث ارشاد فرمائی تو یہ ابتداء اسلام کے زمانے کی ہے جب کاتبوں کی بے انتہا قلت تھی، صرف چند گنے چنے کاتب تھے اور دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں کاغذ قلم سیاہی وغیرہ ناپید تھے جس شخص کو کچھ ضروری باتیں لکھنا ہوتیں، اس کو ہرنوں کی کھالوں پر اونٹ کے شانوں کی ہڈیوں پر اور اس طرح کی دوسری چیزوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔

اس زمانے میں اگر حضور ﷺ کی جانب سے کتابت کا حکم جاری ہوجاتا تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اس پر عمل نہیں کرسکتے تھے حالانکہ وہ حضور ﷺ کے ایک ایک حکم پر عمل کرنا چاہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کو اپنے دل میں حرج اور تنگی محسوس ہوسکتی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو ابتداء اسلام میں کتابت کی ترغیب نہ دی اس کے علاوہ چونکہ قرآن کریم کا معجزانہ اسلوب قلب وذہن میں پوری طرح راسخ نہ ہوا تھا۔ اس لیے قرآن وحدیث کے ملتبس ہوجانے کا اندیشہ تھا اس لیے بھی کتابت سے آپ نے منع فرمایا۔

محبت کا اعلیٰ معیار

لیکن صحابہ کرام ؓ چونکہ عشق نبوی ﷺ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے حضور ﷺ کی یہ حدیث تھی **لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔**

اس لیے وہ تمام لوگوں سے زیادہ آپ سے محبت کرتے تھے اور قرآن کریم کی یہ آیت بھی ان کے مدنظر تھی '' **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** '' [سورۂ آل عمران:۳۱]

یعنی اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اللہ

کے رسول ﷺ کا اتباع کرو، اگر تم نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرلی تو پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

محبت کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ محب محبوب کی ہر ادا کو اپنے اندر سمو لینے کی کوشش کرے جب کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں حضور ﷺ کی محبت اصل طریقے سے گھر کر چکی تھی۔ تو لامحالہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو اپنے محبوب ﷺ کے طریقے پر ڈھال لی ہوگی۔

عہد رسالت میں حفاظت حدیث کا طریقہ

اور حدیث ہے کیا؟ حدیث یہی تو ہے کہ حضور ﷺ کس طرح تکلم فرماتے تھے! کس طرح چلتے تھے! آپ کا حلیہ مبارک کیا تھا! آپ کس طرح پیدا ہوئے، آپ کا بچپن کس طرح گزرا، آپ کی جوانی کس طرح گزری، آپ نے رسالت کا حق کس طرح ادا فرمایا۔ آپ کا وصال کس طرح ہوا، آپ نے جنگوں میں کس طرح حصہ لیا، آپ نے ملک کا انتظام کس طرح چلایا، یعنی جو چیز بھی حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوجائے وہ حدیث ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ محب تھے حضور ﷺ کے اس لیے وہ ان کی ہر ایک ادا کو اپنے اندر سمو لینے کی مقدور بھر کوشش کرتے تھے، اور آپ کی ادا اور طریقے کو اپنے اندر سمو لینے کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کو محفوظ کرلیا، باعتبار حفظ کے بھی اور باعتبار عمل کے بھی، اس طریقے سے بھی عہد رسالت میں حدیث کی حفاظت ہوتی رہی۔

عہد رسالت میں صحابہ کا احادیث کو لکھنا

اس کے ساتھ ساتھ یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث کی کتابت عہد رسالت میں بھی کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

احادیث لکھا کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت سے عرض کیا کہ آپ کبھی غصہ میں ہوتے ہیں اور کبھی نشاط میں کیا ہم آپ ﷺ کی ہر حالت کی حدیث لکھ لیا کریں؟ تو حضور ﷺ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے کسی حال میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس حضور اقدس ﷺ کی روایات کا ایک مجموعہ موجود تھا جس کا نام انہوں نے ''الصادقۃ'' رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے صرف اس کو ہی لکھ کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ وہ اس کا درس دیا کرتے تھے اور اپنے شاگردوں اور اپنے لڑکوں کو املا بھی کروایا کرتے تھے اور کتبِ حدیث میں 'عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ' کے طریق سے جو حدیثیں آتی ہیں وہ اسی ''الصادقہ'' کی احادیث ہوتی ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ روایات کے راوی

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے مزید فرمایا کہ بخاری شریف میں موجود ہے وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں ''**سمعت اباھریرۃ یقول ما من اصحاب النبی احد اکثر حدیثا عنه منی الا کان عبداللہ بن عمر بن العاص فانه یکتب ولا اکتب** یعنی اس کا ترجمہ یہ ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مجھے سب سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں (جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے۔ اور مجھ سے زیادہ احادیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یاد تھیں، کیونکہ وہ روایت کو لکھ لیا کرتے تھے، بخاری شریف کی اس روایت سے یہ بات بالکل واضح اور منقح ہو جاتی ہے کہ کتابت حدیث کا کام عہد رسالت میں شروع ہو چکا تھا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بعد میں احادیث لکھی ہیں

پھر حضرت ابو ہریرہ ﷺ کا یہ بیان کہ میں احادیث نہیں لکھتا تھا، ان کے ابتدائی دور کے متعلق ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ بعد میں انہوں نے بھی احادیث کی کتابت شروع کردی تھی، چنانچہ مستدرک حاکمؒ کی ایک حدیث میں انہوں نے اپنے ایک شاگرد (غالباً بشیر بن نہیک) سے ایک حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ حدیث میں نے کبھی بیان کی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوگی۔ جس سے صاف واضح ہے کہ انہوں نے اپنی تمام احادیث لکھنی شروع کردی تھیں، حافظ ذہبیؒ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے رجال ثقات ہیں اور حافظ ذہبیؒ نے محض اس بنا پر اسے منکر قرار دیا ہے کہ یہ حدیث

ان کو بخاری کی حدیث کے معارض معلوم ہوئی جس میں کتابت کی نفی ہے حالانکہ بخاری کی حدیث اور مستدرک حاکم کے اس واقعے میں درحقیت کوئی تعارض نہیں۔

بظاہر متعارض دو حدیثوں میں تطبیق

بخاری کی حدیث ابو ہریرہؓ کے ابتدائے اسلام کی ہے اس زمانے میں وہ لکھنا ہی نہیں جانتے تھے مگر بعد میں انہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ اور مدینہ کے گورنر اور قاضی بن گئے تھے۔ اور یہ بات محال معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس زمانے میں لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں، اس جواب کو اس مثال سے اسطرح سمجھ لیجئے کہ ایک شخص پہلے کوئی فن نہیں جانتا تھا، مگر چند سال بعد وہ اس فن کو سیکھ کر کہتا ہے کہ میں یہ فن جانتا ہوں، تو اس کی دونوں باتیں صحیح ہیں اور اس کی ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بعینہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی ان دونوں روایتوں میں یہی بات ہے کہ ان میں نفی کتابت والی روایت ابتداء اسلام کی ہے اور کتابت والی حدیث بعد کے زمانے کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد

حضرت موصوف ﷺ نے مزید فرمایا کہ جب حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی ۵۳۷۴ روایات ہم تک پہنچی ہیں اور نہ جانے کتنی احادیث ایسی ہوں گی اور نہ جانے کتنی ہی ان کے دل میں ہوں گی۔ جب ان کی روایات اتنی ہیں، جب ان کی روایات کی تعداد اتنی ہے جب کہ انہوں نے حضرت ﷺ کی خدمت میں صرف تین یا چار سال گزارے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ کی روایات کتنی ہوں گی جب کہ انہوں نے بیس بائیس سال حضور ﷺ کی خدمت میں گزارے ہیں اور خود ابو ہریرہ ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ ان کی مرویات مجھ سے زیادہ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ پانچ ہزار تین سو چوہتر سے زیادہ احادیث صرف عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ نے لکھی تھیں اور صرف حضرت ابو ہریرہ ﷺ اور عبداللہ ﷺ کی مکتوبات احادیث کی کل تعداد شمار کی جائے تو وہ صحاح ستہ کی غیر مکرر احادیث کے قریب قریب پہنچ جاتی ہے۔

حضرت علی کا نوشتہ احادیث

نیز بخاری شریف میں روایت ہے "حدثنا محمد بن سلام قال انا وكيع عن سفيان مطرف عن الشعبي عن ابي حجيفة قال قلت لعلي رضي الله عنه. هل عندكم كتاب قال لا الا كتاب الله اوفهم اعطيه رجل مسلم اومافي هذه الصحيفة قال قلت ومافي هذه الصحيفة قال العقل وفكاك الاسير ولا يقتل مسلم بكافر"

ان روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے پاس احادیث کا ایک لکھا ہوا مجموعہ موجود تھا جس میں دیت اور اسیر کی رہائی اور یہ کہ مسلمان کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، جیسے احکام درج تھے۔

ابتدائے اسلام میں تو آنحضرت ﷺ نے مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر کتابت حدیث

سے منع فرمایا تھا۔مگر رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں علم کا ذوق و شوق پیدا ہونے لگا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد تھا ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة**''یعنی تمام مسلمانوں پر یہ ضروری ہے کہ علم حاصل کریں،خواہ وہ مرد ہو یا عورت'' یہاں یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ حضور ﷺ نے اس حدیث پاک میں جس علم کو سیکھنے کی ترغیب دی ہے وہ دین کا علم ہے یعنی یہ کہ مسلمانوں کا عقیدہ کیسا ہو،ان کی معاشرت و معیشت کیسی ہو،عبادت کیسی ہونی چاہئے ،کیا چیزیں حلال ہیں اور کیا حرام،ان چیزوں کو سیکھنا تمام مسلمانوں پر ضروری ہے)

بعد میں حضور ﷺ نے کتابت کی اجازت دی

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین جو کہ شمع نبوت کے پروانے تھے وہ اس حدیث پر عمل پیرا ہونے کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور علم کے حصول کے لیے سر توڑ کوشش کرنے لگے اور دیکھتے دیکھتے چند سالوں میں صحابہ کرام ﷺ کے اندر ایک بڑی تعداد پیدا ہو گئی جو کہ زیور علم سے آراستہ و پیراستہ تھی۔اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اب فراخی کی کیفیت بھی پیدا ہو چکی تھی اور آلات علم بھی آسانی سے ملنے شروع ہو چکے تھے۔اس لیے آپ نے صحابہ کرام ؓ کے استفسار پر حدیث کے لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور ایک دوسرے موقع پر جب کہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے،اس میں ایک صحابی یمن سے آئے ہوئے تھے۔انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لیے خطبہ لکھ دیجئے تو آپ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا ''**اکتبوا لابی شاہ**'' ''یعنی ابوشاہ کے لیے لکھو''اس سے بھی صراحۃً حضور ﷺ کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے خود کتابت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی ،اس لیے اب اکثر صحابہ کرام ﷺ احادیث لکھنے لگے تھے ہاں !اتنی بات ضروری تھی کہ احادیث ترتیب سے مرتب

نہیں ہوتی تھیں بلکہ احادیث اکٹھی تھیں۔

تدوین حدیث کا دور اوّل

حضرت موصوفؒ نے فرمایا کہ اب تک جو میں نے ذکر کیا وہ کتابت حدیث کے متعلق تھا کہ حضور ﷺ ہی کے عہد مبارک میں کتابت حدیث کا کام شروع ہو چکا تھا، اور کافی حد تک ہو گیا تھا ہاں ابھی تک تدوین حدیث کا کام شروع نہیں ہوا تھا...... تدوین حدیث کا دور اول اس وقت شروع ہوا جب کہ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شاہی فرمان ابوبکر بن حزمؒ اور امام زہریؒ کے نام بھیجا جس میں تحریر تھا۔ **انظر ما كان من حديث رسول الله افا كتبه. فانى خفت دروس العلم وذهاب العلماء،**، یعنی جانچ پڑتال کر کے آنحضرت ﷺ کی احادیث کو لکھو، کیوں کہ علماء کے اٹھ جانے اور علم کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے، اس فرمان کے پہنچنے کے بعد امام زہریؒ اور ابوبکر بن حزمؒ نے تدوین حدیث کا کام شروع کر دیا اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے دوسرے معاصرین نے بھی تدوین حدیث کا کام شروع کر دیا۔

ائمہ تدوین حدیث

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ **"امرنا عمر بن عبدالعزيز" بجمع السنن فكتبنا هادفترا دفترا فبعث الى كل ارض له عليها سلطان دفترا"** چنانچہ مکہ میں عبدالعزیز بن جریج البصریؒ نے، مدینہ منورہ میں مالک بن انسؓ، محمد بن عبدالرحمن بن ابی شیبہ نے بصرہ میں ربیع بن صبیح، سعد بن عروبہ اور حماد بن ابی سلمہؒ نے کوفہ میں سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے یمن میں معمر بن راشد نے شام میں امام عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعیؒ نے، خراسان میں عبداللہ بن مبارکؒ نے واسطہ میں ہشیمؒ نے رے میں حریر بن عبدالحمیدؒ نے، مصر میں عبداللہ بن وہبؒ نے تدوین حدیث کا کام شروع کیا

اور بہت تیزی سے اس کام کو آگے بڑھایا۔

تدوین حدیث کا دور ثانی

دوسری صدی ہجری کے اخیر میں تدوین حدیث کا دور ثانی شروع ہوا۔ اس وقت زیادہ ترتیب سے کتابیں لکھی گئیں بعض علماء نے مخصوص مؤلفات ترتیب دیں، ان میں احادیث رسول ﷺ کو اسانید کیساتھ جمع کیا گیا اور ان کو مسند کے نام سے تعبیر کیا گیا جن لوگوں نے مسانید کو مرتب کیا ان کی تعداد زیادہ ہے ان میں چند کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مسند امام ابی داؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ۲۰۴ ہجری

۲۔ مسند عبداللہ بن موسیٰ الکوفی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۱۳ ہجری

۳۔ مسند ابی بکر بن عبداللہ بن زبیر۔۔۔۔ ۲۱۹ ہجری

۴۔ مسند مسدد بن مسرہد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۲۴ ہجری

۵۔ مسند یحییٰ بن عبداللہ حمانی الکوفی۔۔۔ ۲۲۷ ہجری

۶۔ مسند امام احمد بن حنبل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۷۱ ہجری

۷۔ مسند احمد بن مہدی الاصفہانی۔۔۔۔ ۲۷۲ ہجری

تدوین حدیث کا دور ثالث

تیسری صدی ہجری سے تدوین حدیث کا تیسرا دور شروع ہوا۔ اس دور میں تمام صحاح ستہ وغیرہ تصنیف ہوئیں۔ تدوین حدیث کے یہی تین دور ہیں۔

تدوین حدیث کے ان تینوں ادوار سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ ذخیرہ احادیث کی تدوین وترتیب کا کام تبع تابعین کے خیر القرون تک مکمل ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ کوئی شخص حجیت حدیث کا انکار صرف اس لیے کر دے کہ جمع

حدیث کا کام خیر القرون میں نہں ہوا تھا، تدوین حدیث کا کام اگرچہ مؤخر ہے لیکن نفس کتابت تو خود عہد نبوی میں شروع ہو چکی تھی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

حضرت انس ﷺ کا یہ مقولہ صحابہ کرام ﷺ میں مشہور تھا ''قَیِّدُوا العلم بالکتابة'

منکرین حدیث کا تشفی بخش جواب

اور اگر بالفرض منکرین حدیث حجیت حدیث کا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ جمع حدیث کا کام حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں ہوا تو ان کو چاہئے کہ حجیت قرآن کریم کا بھی انکار کردیں اگر وہ یہ کہیں کہ حفاظت قرآن کا تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، اور حدیث کے بارے میں تو ایسا کوئی وعدہ نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی یہ بات سراسر غلط ہے کہ حفاظت حدیث کا وعدہ نہیں، خود قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ'' [سورۂ احزاب:۲۱] اس آیت شریف میں رسول اللہ ﷺ کو تمام اہل ایمان کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے اور حضور ﷺ کا تمام اہل ایمان کے لیے اسوۂ بننا اس وقت ممکن ہے جب کہ آپ کی زندگی اور آپ کا لایا ہوا پورا دین قولاً فعلاً قیامت تک محفوظ رہے گا، اگر آپ کے اقوال وافعال مبدل یا منحرف یا ضائع ہو جانے والے تھے تو حضور ﷺ کو تمام اہل ایمان کے لیے اسوہ اور مقتدی کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ احادیث نبویہ ﷺ قیامت تک محفوظ رکھی جائیں گی اور بعد کے واقعات نے اسے پوری طرح ثابت کردیا۔

اس وقت کسی مفصل تقریر کا ارادہ نہیں تھا محض تعمیل حکم اور تحصیل سعادت کے لیے چند کلمات کہنے کا قصد تھا، بات قدرے لمبی ہوگئی اب اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بیان ---------- (۲۹)
کامیابی کی تین
لازوال شرطیں
{افادات-۱}
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ

عزیز طلبہ! آپ اپنے اندر نافعیت پیدا کرنے کی کوشش کیجیے، آپ سے زندگی کی شب تاریک میں راہ رؤں کو روشنی اور رہنمائی ملتی ہو، آپ کی مدد سے علمی عقدے حل ہوتے ہوں، آپ کے پاس جا کر آدمی کچھ لے کر آتا ہو، اس کے بعد اگر آپ اپنے اور لوگوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر دیجیے، اپنے مکان کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے، لوگوں کو اگر یہ معلوم ہوگا کہ یہاں ایک ''نافع'' رہتا ہے اس سے فلاں قسم کا فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے (روح کا فائدہ اور ایمان کا فائدہ) تو بہت بڑی چیز ہے تو لوگ دیواریں پھاند کر اور دروازہ توڑ کر آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

پیریگراف از بیان حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت

حضرات اساتذہ دار العلوم اور عزیز طلبہ

میں اس دور کے جن علماء کے رسوخ فی العلم اور تبحر کا معتقد و قائل ہوں، ان میں اس دار العلوم کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا خاص مقام ہے، علمی تبحر، فقہ و فتاویٰ پر وسیع اور گہری نظر، قوتِ تدریس یہ سب چیزیں بھی قابل قدر اور قابل احترام اوصاف و کمالات ہیں، لیکن ایک دوسری چیز ہے جس کی بنا پر کسی فقیہ و مفتی کو ''فقیہ النفس'' کہتے ہیں، یہ امتیاز علمائے زمانہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کو حاصل تھا، وہ میرے اساتذہ کی عمر اور صف کے بزرگ تھے، یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے براہِ راست ان سے درسی طور پر استفادہ کا موقع نہیں ملا، جب میں دیوبند پہنچا تو حضرت مفتی صاحب وہاں درس دیتے تھے لیکن میں چونکہ صرف دورہ کے اسباق میں شریک ہوتا تھا اس لیے مجھے ان سے تلمذ کا شرف حاصل نہ ہوا میں نے بائیس برس کے بعد اس سرزمین پر قدم رکھا ہے،

۱۹۵۶ء میں ایک بیرونی سفر سے آتے ہوئے دو تین دن کے لیے کراچی ٹھہرا تھا، اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتا ہوں کہ آج اس نے ان کی اس بہترین یادگار دارالعلوم میں پہنچایا۔

اس وقت پاکستان کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری جیسے راسخ فی العلم والدین علماء کی ضرورت تھی، واقعہ تو یہ ہے کہ حالات و مسائل ایسے ہیں کہ اس وقت اس ملک اور اس عہد کو حجۃ الاسلام غزالیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہؒ کی ضرورت تھی، لیکن اگر اس پایہ کے علماء اور دینی رہنما نہ ہوتے تو کم سے کم ان حضرات کے پایہ کے علماء تو ہوتے جن کا میں نے ذکر کیا، مگر افسوس کہ اس وقت وہ بھی ہم میں موجود نہیں۔

انقلابِ زمانہ کا شکوہ

عزیز طلبہ! چونکہ میں اس وقت دارالعلوم میں خطاب کر رہا ہوں اس لیے جو کچھ کہوں گا وہ علم کے تعلق سے کہوں گا، اور طلبہ واساتذہ کے مستقبل ان کے فرائض، ذمہ داریوں، وقت کی نزاکت اور زمانہ کے فتنوں کے متعلق عرض کروں گا۔

آپ کے کان میں بار بار یہ بات پڑی ہوگی کہ زمانہ بدل گیا ہے، دنیا بدل گئی ہے، زمین آسمان بدل گئے ہیں، سوچنے کے طور طریقے بدل گئے ہیں، اس زمانے میں علوم دنیہ کی تحصیل میں عمر صرف کرنا، ان میں کمال پیدا کرنا، ان کے دقائق اور جزئیات میں جانا، ایک بے وقت کی شہنائی اور ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' نہیں تو کیا ہے؟

ہر زمانہ میں زمانہ کا رونا رویا گیا

صرف یہی زمانہ نہیں بلکہ ہر زمانہ میں زمانہ کی تبدیلی کا شکوہ کیا گیا ہے، آپ کسی زمانہ کے ادب وشاعری یا تاریخ کا مطالعہ کریں، آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ یہی رونا رویا گیا ہے کہ زمانہ بڑا خراب ہے، علم کی قدر نہیں، اہل کمال کی قدر نہیں، بے کمالی اور بے

کمالوں کا دور دورہ ہے، عربی شاعری اور ادب کو دیکھیں گے تو ابوالعلاء معری کو کہتے ہوئے سنیں گے۔

تطاولت الارض السماء سفاهة وفاخرت الشهت الحصا والجنادل

وقال السها للشمس انت ضيئلة وقال الدجى للصبح لونك حائل

اذا نسب الطائى با لبخل مادر و عير قسا با لفهامة باقل

آخر میں کہتا ہے:

فيا موت زر ان الحياة ذميمة و يا نفس جدى ان دهرك هاذل

یعنی اے موت تیرا آ جانا ہی اچھا ہے، اس لیے کہ زندگی کا کوئی مزا نہیں رہا اور اے نفس تو ہی سنجیدگی اور وقار کے راستہ پر چل، تیرا زمانہ تو دل لگی اور مذاق کر رہا ہے۔

دوسری طرف حافظ شیرازی اس طرح شکوہ سنج ہیں ؎

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمری بینم ہمہ آفاق پُراز فتنہ و شری بینم

آگے زمانہ اور اہل زمانہ کی سفلہ پروری و ناقدری کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں طوقِ زریں ہمہ درگردنِ خری بینم

اُردو کی طرف آیئے گا تو آپ کو آبِ حیات اور دوسرے تذکروں میں شہر آشوب ملیں گے، جن میں شعراء نے اپنے زمانہ اور اپنے ملک کی خستہ حالت اور انقلاب روزگار پر آنسو بہائے ہیں، اس سلسلہ میں استاد ذوقؔ کا ایک ہی شعر کافی ہے ؎

پھرتے ہیں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

یہ چند اشعار ہیں جو مجھے اس وقت برجستہ یاد آئے ورنہ ایسے اشعار اور زمانہ کے شکوہ شکایت سے دیوان کے دیوان بھرے ہوئے نظر آئیں گے جو کتاب دیکھئے گا زمانہ کا ماتم ہوگا اور شکوہ کا دفتر اپنی جنس کمال کس کے سامنے پیش کیا جائے، جوہری کہاں

ہیں، اہلِ نظر کہاں ہیں؟ یہ بے کمالی اور بے ہنری کا دور ہے جس کے لیے انسان محنت کرے، کس کے لیے اپنا پتا پانی کرے؟ کس کے لیے اپنا خونِ جگر بہائے؟ اگر آپ ان باتوں پر اعتبار کرلیں گے تو آپ کا نہ مدرسہ میں جی لگے گا، نہ پڑھنے میں، نہ محنت کرنے میں۔

سنن الٰہیہ ناقابل تبدیل ہیں

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ زمانہ کا انقلاب ایک حقیقت ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، سو برس پہلے کا زمانہ دیکھئے کیا خیر و برکت کا زمانہ تھا خواص تو خواص اُس وقت کے عوام بھی اِس زمانہ کے خواص سے بہتر تھے، کیا قوتِ ایمانی تھی، کیا دینی حمیت وغیرت تھی، دین کا علم، قرآن کا حفظ، مرد تو مرد عورتوں میں کتنا عام تھا، اس وقت غفلت و مادیت کا دور دورہ ہے، دین وعلم دین کے محرکات ودواعی بہت کمزور پڑ گئے ہیں لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان تمام انقلابات کے باوجود جو پہلے ہو چکے اور ان تمام انقلابات کے باوجود جو اب ہو رہے ہیں اور ہوں گے اور جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ کی سنن ناقابل تبدیل ہیں اور ان پر ان انقلابات کا کوئی اثر نہیں، جہاں اس حقیقت کا قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے وہاں اس کو قرآن مجید کے عام اسلوب کے خلاف زور دینے کے لیے دوہرایا گیا ہے، اور مکرر فرمایا گیا ہے:

''فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ [سورۃ فاطر:۴۳] اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور علم کامل کی بناء پر اس کائنات اور فطرت انسانی کے متعلق جو آئین وقوانین بنادیئے ہیں، اور جو اصول طے کردیئے ہیں، ان میں قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اب یہ قرآن مجید کے استقراء اور حدیث وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ قوانین کیا ہیں؟ ان قوانین کی فہرست بہت طویل ہے،

اور مجھ جیسے طالب علم کے بس میں نہیں ہے کہ وہ پوری فہرست مرتب کر سکے، نہ وقت میں اس کی گنجائش ہے، لیکن میں اپنے علم ناقص کی بنا پر ان سنن کونیہ میں سے تین سنتوں کا ذکر کروں گا جن کا ہماری زندگی اور ہمارے مدارس ومقاصد سے خاص تعلق ہے۔

نافعیت کا احترام واعتراف

ان میں سے ایک سنت اللہ لوگوں کا نافعیت وافادیت کے سامنے جھکنا، اس کی قدر کرنا اور اس کو تسلیم کرنا ہے، نافعیت اور اس کے محل ومرکز کے ساتھ محبت کا ہونا ''نافع'' کو تلاش کرنا، اس کی طرف رجوع کرنا، اور وہ مل جائے تو اس کی قدر کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے، نافعیت کی بقا اور اس کی زندگی اور سرسبزی کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت کی ہے، اور جو اس سے خالی ہے، اس کے لیے یہ ضمانت نہیں، سورۂ رعد میں صاف فرمایا گیا ہے:

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ⑰ [سورۃ الرعد: ۱۷]

سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے، اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے، اسی طرح خدا (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے۔ (تاکہ تم سمجھو)۔

نافع کے اندر محبوبیت کی صفت ہے

بقائے اصلح نہیں بلکہ قرآنی زبان و اصطلاح میں ''بقائے انفع'' کا یہ قانون ہزاروں لاکھوں برس سے چل رہا ہے، اور ہزار تبدیلیوں کے باوجود چلتا رہے گا، نافعیت کے لیے پنپنا، پھلنا، پھولنا اور اپنی قیمت اور اہمیت تسلیم کر لینا مقدر ہو چکا ہے، نافع بن جانا ہزار مخالفتوں اور فتنوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اس کے لیے پروپیگنڈہ اور پبلیسٹی

کی ضرورت نہیں، نافع کے اندر محبوبیت کی صفت ہے، اس میں رنگ و مذہب اور قوم ووطن کی بھی تفریق نہیں "نافع" اگر پہاڑ کی چوٹی پر بھی جا کر بیٹھ جائے گا تو دنیا اس کو تلاش کرنے کے لیے وہاں پہنچے گی، اور اس کو ہاتھوں ہاتھ سر پر بٹھا کر بلکہ آنکھوں میں جگہ دے کر لائے گی، یہ اللہ کی سنت ہے جو ہزاروں لاکھوں برس سے چلی آرہی ہے۔

نافع کی تلاش وطلب

عزیز طلبہ! آپ اپنے اندر نافعیت پیدا کرنے کی کوشش کیجیے، آپ سے زندگی کی شب تاریک میں راہ رؤں کو روشنی اور رہنمائی ملتی ہو، آپ کی مدد سے علمی عقدے حل ہوتے ہوں، آپ کی صحبت میں بیٹھ کر ایمان میں طاقت پیدا ہوتی ہو آپ کے پاس جا کر آدمی کچھ لے کر آتا ہو، اس کے بعد اگر آپ اپنے اور لوگوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر دیجیے، اپنے مکان کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے، لوگوں کو اگر یہ معلوم ہوگا کہ یہاں ایک "نافع" رہتا ہے، اس سے فلاں قسم کا فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے (روح کا فائدہ اور ایمان کا فائدہ تو بہت بڑی چیز ہے) تو لوگ دیواریں پھاند کر اور دروازہ توڑ کر آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

حضرت شاہ محمد یعقوب صاحبؒ کا واقعہ

اس موقع پر مجھے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالیؒ کی ایک حکایت یاد آئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے بڑے حقائق کو آسان و عام فہم تمثیلوں میں بیان کرنے کی بڑی حکمت عطا فرمائی تھی ان سے ایک مرتبہ نواب صاحب کوروائی نے شکایت کی کہ حضرت میں نے بڑے شوق سے ایک مسجد بنوائی، اس پر بڑا روپیہ خرچ کیا لیکن وہاں کوئی نماز پڑھنے نہیں آتا، حضرت کے سمجھانے کا عجیب طریقہ تھا، بعض مرتبہ

وہ امتحان بن جاتا، فرمانے لگے کہ نواب صاحب! اس کا دروازہ چن دیجئے اور بالکل تیغہ کردیجئے، نواب صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت اُلٹا علاج بتارہے ہیں، کہنے لگے کہ حضرت میں نے تو مسجد اس لیے بنوائی ہے کہ لوگ آئیں اور نماز پڑھیں اور وہ آباد ہو، آپ فرماتے ہیں کہ اس کا دروازہ چن دیا جائے، حضرت نے فرمایا کہ ابھی میری بات تو پوری نہیں ہوئی، دروازہ چن دیجئے اور اندر ایک آدمی بٹھادیجئے جس کے ہاتھ میں پچاس پچاس کے نوٹ ہوں یا دس دس پانچ پانچ ہی کے نوٹ ہوں اور باہر اعلان کرادیجئے کہ اس مسجد میں نوٹ تقسیم ہورہے ہیں، آپ نے مسجد تو بناڈالی، لیکن نماز کا جو ثواب اور فائدہ ہے، وہ لوگوں کو معلوم نہیں، اب مسجد میں کیسے آئیں؟

نماز کا فائدہ معلوم نہیں نوٹ کا فائدہ معلوم ہے

ان کو نوٹ کا فائدہ معلوم ہے، ان کو معلوم ہے کہ پانچ روپیہ کے نوٹ سے کیا کیا چیزیں خریدی جاسکتی ہیں، اور اس سے کیا کیا کام نکالے جاسکتے ہیں، ان کو یہ معلوم نہیں کہ نماز سے کیا کیا خریدی جاسکتی ہیں، اور اس سے کیا کیا فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں اب آپ ان سے توقع کرتے ہیں کہ وہ گرمی یا سردی میں تکلیف اُٹھا کر اپنا خرچ کر کے اور دور سے چل کر کے آئیں گے، آدمی بٹھانے کے بعد کچھ ڈھنڈورہ پٹوانے کی بھی ضرورت نہیں، ذرا سی دیر میں یہ بات پھیل جائے گی کہ نواب صاحب نے خدا جانے کس بنا پر یہ کام کیا ہے کہ مسجد کے دروازے تو چن دیئے ہیں اور اندر ایک آدمی ہزار روپئے کے نوٹ لیے بیٹھا ہے، اور تقسیم کررہا ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ دروازہ توڑ کر مسجد میں داخل ہوجائیں گے اور کوئی ہزار روکے گا وہ رکیں گے نہیں تو نافعیت ہی اصل چیز ہے، جس پر لوگ پروانہ وار ہجوم کرتے ہیں، پروانوں کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ شمع جل رہی ہے، کون یہ اعلان کرتا ہے کہ پروانو! شمع پر ہجوم کرو، ان پروانوں اور شمع کے

درمیان کیا رابطہ ہے؟ جہاں پانی کا چشمہ ہوتا ہے، وہاں مور وملخ، انسان وچوپائے جمع ہوجاتے ہیں، انقلاب کا شکوہ بے خبری، بے بصری اور کم ہمتی کی دلیل ہے۔

نافعیت کی قوت تسخیر

آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں، ہمارے شہر لکھنؤ میں ایک چوٹی کے مسلمان ڈاکٹر عبدالحمید صاحب مرحوم جن کی حذاقت، وسیع تجربہ اور استادی کا ہندو مسلمان سبھی ڈاکٹر لوہا مانتے تھے، انہوں نے مجھے لطیفہ سنایا کہ بارہ بنکی کے ایک غیر مسلم سرمایہ دار اور کاروباری شخص نے تقسیم کے بعد ایک دن اُن سے طنزاً کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ پاکستان نہیں گئے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے ہندوستان ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ تاجر کسی سخت مرض میں مبتلا ہوا، ہر طرح کے علاج اس نے کئے بڑے بڑے ڈاکٹروں کو بلایا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا، ہار کر اس نے ڈاکٹر صاحب کو تکلیف دی، ڈاکٹر صاحب جب اس کو دیکھنے گئے اور علاج شروع کیا تو کہا کہ دیکھئے اگر میں پاکستان چلا جاتا تو آپ مجھے کہاں بلاتے اور میں آپ کی خدمت کیسے کرسکتا، اللہ کا کرنا کہ انہیں کے علاج سے اس کو فائدہ ہوا اور اس کو شرمندہ ہونا پڑا۔

میں آپ کی ہزار مشکلات کا حل یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے زمانہ سے اپنا نافع اور مفید ہونا تسلیم کرالیجئے آپ اس سے یہ اقرار کرالیجئے کہ آپ کے پاس جو علم ہے وہ دنیا کے پاس نہیں ہے، دنیا کا قاعدہ یہی ہے کہ جو سودا جس دوکان پر ملتا ہے آدمی اس کی خریداری کے لیے وہیں جاتا ہے، ایک صاحبِ کمال بھی اس دوسرے صاحب کمال کی طرف رجوع کرتا ہے، جس کے پاس اپنے دل کا مدعا اور اپنے مرض کی دوا پاتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کو اپنی اصلاح کی فکر

امام احمد بن حنبلؒ حدیث وفقہ میں اپنے زمانہ کے امام اور بغداد میں مرجع خلائق تھے، لیکن اپنے قلب کو غذا اور روح کو تقویت پہنچانے کے لیے اپنے شہر کے ایک ایسے

صاحبِ دل بزرگ کے حلقہ صحبت میں تشریف لے جاتے تھے جن کو علم میں ان سے کوئی نسبت نہ تھی، ایک مرتبہ ان کے ایک صاحبزادے نے ان سے کہا، ابا جان! آپ کے وہاں جانے سے ہم لوگوں کا سر نیچا ہو جاتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے فرمایا کہ بیٹے! انسان جہاں اپنا فائدہ دیکھتا ہے، وہاں جاتا ہے، مجھے وہاں اپنے دل کا فائدہ نظر آتا ہے۔

یہ درسِ نظامی جو آج ساری دنیا میں سکہ کی طرح چل رہا ہے، ملا نظام الدین فرنگی محلی کا مرتب کیا ہوا ہے، جو استاذ الہند اور استاذ العلماء تھے، وہ بایں علم وفضل اودھ کے ایک قصبہ بانسہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قادریؒ کے مرید تھے جو اودھ کی پوربی زبان بولتے تھے اور انہوں نے کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں، ملا صاحب نے حضرت کے ملفوظات بھی لکھے ہیں اور بڑی محبت وعقیدت سے ان کا نام لیتے تھے۔

علم وفضل کے باوجود خلا کا احساس

اس لیے کہ ان کو اپنے سارے علم وفضل کے باوجود اپنے اندر ایک خلا محسوس ہوتا تھا جو وہاں جا کر پر ہوتا تھا، وہ سب کے استاد تھے، لیکن ان کو ایسے آدمی کی تلاش تھی، جہاں جا کر یہ معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں اور ابھی سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت ہے، حضرت مولانا عبدالحی بڑھانویؒ اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ جن میں سے اوّل الذکر کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ شیخ الاسلام اور ثانی الذکر کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کے دست گرفتہ اور ان کے دامن سے وابستہ تھے، جن کی تعلیم کی تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی، دیو بند کے بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ جب سید صاحب یہاں تشریف لائے تو دونوں بزرگوں کا حال یہ تھا کہ سید صاحب آرام فرماتے ہوتے تھے، اور دونوں حضرات چارپائی کے دائیں بائیں بیٹھے ہوتے، سید صاحب

بیدار ہوتے اور کچھ فرماتے تو یہ حضرات دیر تک اس کا مذاکرہ کرتے اور لطف لیتے۔

استغناء و بے غرضی کی طاقت وتاثیر

دوسری صفت استغناء اور بے غرضی ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ بھی سنت ہے کہ جو مانگے لوگ اس سے گھبرائیں اور جو دامن پھیلائے اس سے بھاگیں اور جو اپنی مٹھی بند کر لے اور دامن سمیٹ لے اس کے قدموں میں پڑیں اور خوشامد کریں کہ وہ کچھ قبول کر لے، استغناء میں ازل سے محبوبیت ومقبولیت ہے اور طلب میں ذلت، گویا مستغنی سے احتیاج کا معاملہ ہے، اور طالب سے استغناء کا، یہ بھی ایک ایسی سنتِ خداوندی ہے، جس میں زمانہ کی تبدیلی کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں، چوتھی صدی کے حالات آپ پڑھیں تو یہی نظر آئے گا، آٹھویں صدی کے پڑھیں گے تو اسی طرح کے واقعات ملیں گے اور چودھویں صدی میں بھی یہی ہو رہا ہے، میں اس سے زیادہ واقعات نہیں بیان کرتا اور تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا کہ بزرگانِ دین کے تذکرے اور تصوف کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے، اور آپ کو خود بھی اس کے تجربے ہوئے ہوں گے، نہیں تو اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے ان کے اساتذہ بزرگوں کے واقعات سنے ہوں گے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

تیسری اور آخری خصوصیت کمال امتیاز اور کسی چیز میں مہارت تامہ ہے، علوم عالیہ تو بڑی چیز ہیں، علوم آلیہ میں بھی اگر کسی فن میں کمال پیدا ہو جائے اور اس سے بھی نیچے اتر کر اگر کسی کو خطاطی، وراقی میں کمال حاصل ہو تو اچھے اچھے اہل علم اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، بڑے بڑے مصنفین، بڑے بڑے ناشر کاتبوں کی ناز برداری کرتے ہیں ان کے نخرے سہتے ہیں ان کی خوشامد کرتے ہیں کہ وہ وقت پر لکھ دیں کم سے کم کتاب کا

نام ہی لکھ دیں جس کا بلاک بنایا جاسکے۔

آپ اگر کسی صاحبِ کمال کو یا علم کے کسی ماہر خصوصی کو دیکھتے ہیں اُس کے متعلق سنتے ہیں کہ وہ عسرت و بیکاری کی زندگی گزار رہے ہیں تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس صاحبِ کمال کے ساتھ کوئی ایسی کمزوری یا مزاجی خرابی لگی ہوئی ہے جس نے اس کے سارے کمالات پر پردہ ڈال دیا ہے، مثلاً غصہ بہت ہے، مزاج میں تلون ہے، کاہلی ہے، محنت نہیں ہوتی، پڑھانے میں جی نہیں لگتا، بے ضابطگی کی عادت پڑ گئی ہے، کسی کی کوئی بات برداشت نہیں ہوتی، اس سے آگے بڑھ کر کچھ مراق ہے، سنک ہے، کسی جگہ ٹھہر نے نہیں پاتے، فوراً ان بن ہو جاتی ہے، ایسی کوئی نہ کوئی بات آپ ضرور پائیں گے جس کی وجہ سے ان کے کمال اور علم سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکا اور گوشۂ گمنامی یا کسمپرسی میں دن گزار رہے ہیں۔

طلبہ کو یہ تین صفات پیدا کرنے کی ضرورت ہے

یہ وہ تین لازوال شرطیں اور صفتیں ہیں جن کے ساتھ سنت اللہ یہ ہے کہ زمانہ کتنا ہی بدل جائے اور اہل زمانہ کتنے ہی بگڑ جائیں ان کے اندر تسخیر کا مادہ اور محبوبیت کی صفت ہے اور آج ہمارے فضلاء مدارس اور طلبہ علوم دینیہ کو انہیں شرطوں کو پورا کرنے اور انہیں صفات سے متصف ہونے کی ضرورت ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یہ دین زندہ ہے اور زندوں سے قائم ہے

(۲)

{افادات}

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

آج خطرہ اسی بات کا ہے کہ جو اُٹھتا ہے جگہ خالی کر کے چلا جاتا ہے، آپ سے کیا کہوں یہ کہنے کی بات نہیں، ہندوستان میں ہم خلا محسوس کررہے ہیں کسی مدرسہ میں شیخ الحدیث کی ضرورت ہے شیخ الحدیث نہیں مل رہا ہے؟ کہیں اصول فقہ پڑھانے والا نہیں مل رہا ہے، کچھ اللہ کے بندے یہاں (پاکستان) آگئے کچھ اللہ میاں کے یہاں چلے گئے، ہمارے حق میں نتیجہ ایک ہوا مطلب یہ ہے کہ خلا پر ہونا چاہیے اس کے لیے جانفشانیوں کی ضرورت ہے، یہ کام بغیر جانفشانیوں کے نہیں ہوسکتا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ حدیث کا جید عالم پیدا ہو فقہ کا کوئی جید عالم پیدا ہو تو اس کے لیے پتا پانی کرنے کی ضرورت ہے۔ اور افسوس ہے کہ اب ہمارے مدارس میں اس کا رواج نہیں رہا، سب کچھ ہے لیکن وہ محنت نہیں ہے۔

پیریگراف از بیان حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

دین کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے

حضرات اساتذۂ دارالعلوم اور عزیز طلبہ

اس دین کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اصول مقرر اور مقدر کر دیا ہے کہ اس کے لیے زندہ اشخاص برابر پیدا ہوتے رہیں گے، کوئی درخت اس وقت تک سرسبز وشاداب اور زندہ درخت نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ وہ باثمر نہ ہو، اس میں نئی نئی پتیاں اور نئے نئے شگوفے نہ کھلتے رہتے ہوں، یہ دین زندہ ہے.........اور زندہ انسانوں کے لیے ہے، اور اس کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے، وہ دین مٹ گئے، ختم ہو گئے، جنہوں نے روحانیت کے میدان میں علم کے میدان میں، فکر کے میدان میں، قیادت کے میدان میں زندہ اشخاص پیدا کرنے بند کر دیئے، انسان زندہ اشخاص سے متاثر ہوتا ہے، چراغ سے چراغ جلتا رہا ہے اور چراغ سے چراغ جلنا چاہیے اور جلتے رہنا چاہیے اور اگر اس امت کو باقی رہنا ہے تو اس امت کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندہ اشخاص پیدا کرے، اس کا درخت علم اس کا درخت فکر اس کا درخت اصلاح اور اس کا درخت روحانیت نئے

نئے برگ و بار لاتا رہے، نئے نئے شگوفے کھلاتا رہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری امت باران رحمت کی طرح ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے ابتدائی قطرے مردہ زمین کے لیے زیادہ حیات بخش ہیں یا بعد کے۔

اسلاف کی زندگی بعد کی نسلوں کے لیے بہترین سرمایہ ہے

میں تاریخ لکھتا رہا ہوں، میرے شعور اور تصنیف وتالیف کی عمر زیادہ تر اسی کوچہ میں گزری اور میں کہہ سکتا ہوں ؎

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

میں اب بھی اس پر عقیدہ رکھتا ہوں کہ اسلاف کے کارنامے، اسلاف کا خلوص وصداقت، اسلاف کا تعلق مع اللہ، اسلاف کی استقامت اور اسلاف کی قربانیاں بعد کی نسلوں کے لیے بہترین سرمایہ ہیں اور وہ حیات و زندگی کا پیغام دینے والی ہیں، ہم نے ہمیشہ کہا اور مانا کہ ہمارے بزرگ ایسے تھے، ان کا حافظہ اتنا قوی تھا، ان کا علم اتنا وسیع تھا، وہ ایسے متبحر عالم تھے، یہ سب سر آنکھوں پر لیکن اتنا کافی نہیں۔

فیض مردوں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے مگر رہنمائی زندوں ہی سے حاصل ہوتی ہے

جس ادارہ اور مکتب خیال سے میرا تعلق ہے، اس نے تاریخ اسلام کو مرتب کیا، اس تحتی براعظم (ہند) میں جس ادارہ نے اُردو میں تاریخ اسلام مرتب کرنے کی سب سے پہلے سعادت حاصل کی ہے اس سے میرا تعلق ہے، یعنی دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین کسی اور کی زبان سے تو شاید آپ سوچیں کہ یہ تاریخ سے ناواقف ہے، اور تاریخ سے انصاف نہیں کرتا، میری زبان سے سنئے کہ اسلاف نے جو کچھ کیا اس کو محفوظ

رہنا چاہیے اور اسی آب و تاب کے ساتھ رہنا چاہیے، اور نئی نسلوں کو اس سے روشناس کرانا چاہیے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کے اسلاف کے کارنامے جمع کرنے چاہئیں، لیکن اس دین کے لیے خدا کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ دین قیامت تک کے لیے ہے، لہٰذا اس کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے، روحانیت بھی زندہ انسانوں ہی سے قائم ہے، محققین صوفیاء کی اور مشائخ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ تزکیہ وعلم باطن بھی زندہ انسانوں سے ہی حاصل کیا جاتا ہے، اور زندہ انسانوں ہی سے اس کی تکمیل ہوتی ہے، ورنہ ایسے ایسے بلند مرتبہ لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے ایک کافی تھا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں حرکت و نمو ہے، زندگی میں تنوّع ہے، ابھی ایک رنگ آیا ایک رنگ گیا، ابھی ایک مرض پیدا ہوا، اور ایک مرض گیا، اس لیے جن کا تعلق اس زندہ کائنات سے اور عالم طبیعی سے ٹوٹ چکا ہے، وہ ان متحرک اور زندہ انسانوں کی رہنمائی نہیں کر سکتے، فیض ان سے حاصل ہو سکتا ہے (فیض کے جو طریقے ہیں ان کے ذریعہ) اس میں غلط فہمی نہ ہو لیکن رہنمائی زندہ انسانوں ہی سے حاصل ہوتی ہے، کسی نسل میں سب کچھ ہے، بڑے کتب خانے ہیں، تاریخ کے بڑے بڑے ذخیرے ہیں، لیکن زندہ ہستیاں نہیں ہیں، جن کے قلوب سے اور جن کے اجتہادِ فکر سے جن کے تفقہ سے، جن کی بصیرت سے ہم روشنی حاصل کریں، اس نسل کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

دین تازہ ہوتا رہے گا

حدیث صحیح میں ہے کہ ''**ان اللّٰہ یبعث علی رأس کل مائة سنة من یجدد لھذہ الامة أمر دینھا**''سنن کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سو برس میں ایک مجدد بھیجتا رہے گا، جو اس دین کو تازہ کر دے گا، اور تجدید کا فرض انجام دے گا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت تو وہ دین کو تازہ کر دے گا پھر وہ سلسلہ ختم ہو جائے گا، بلکہ اس کا

مطلب یہ ہے کہ عرصہ تک اس کا وجود رہے گا، "من یجدد لھذہ الامۃ أمر دینھا" کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آئے اور ہفتہ دو ہفتہ کے لیے دین کا چرچا ہو گیا اور چلے گئے، ان میں سے کسی بھی بزرگ کا حال پڑھیں، کسی کا اثر سو برس تک رہا اور بعض ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کا اثر صدیوں تک رہا۔

ریلوے لائن پر ایک چھوٹی گاڑی چلا کرتی تھی (اور غالباً اب بھی چلتی ہے) جس کو ٹرالی کہتے تھے، لوگ اس کو ٹھیلتے تھے اور پھر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور وہ چلتی اور پھسلتی رہتی تھی، جب وہ رکنے لگتی تھی تو پھر اتر کر دھکا دیتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے، اس سے لائن کا معائنہ ہوتا تھا۔

اس امت کی مثال ٹرالی جیسی ہے

اس امت کی گاڑی کو بھی، اسی طرح سمجھئے اور اس کو ٹھیلنے والے اس امت کے علماء اور مشائخ اور مجدد ہیں، یہ اس کو ٹھیل دیتے ہیں اور وہ خود اپنے پہیوں پر چلتی ہے، یہ نہیں کہ اس کو چلاتے ہی رہتے ہیں، گاڑی خود چلے گی اپنے پہیوں پر، لیکن اس کو ٹھیلنے اور چلانے کے لیے زندہ انسانوں کی ضرورت ہے، وہ کوئی ٹیکنیکل چیز نہیں، زندہ انسان اس کو بڑھاتے ہیں اور ٹھیلتے ہیں، اور وہ اپنے پہیوں پر چلتی ہے، کیونکہ ٹرالی کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ پٹریوں میں اتنی چکناہٹ اور پہیوں میں اتنی حرکت و سرعت اور چلنے کی اتنی صلاحیت ہو کہ وہ چل سکے، اور آدمیوں کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہو کہ وہ اس کو ٹھیل سکیں اور مسافر جو بیٹھے ہوں وہ ایسے ہوں کہ بیٹھے رہیں، اور جم جائیں، اس امت کی روایت یہ ہے کہ جب اس پر تعطل اور بے عملی طاری ہونے لگتی ہے تو کوئی اللہ کا بندہ آتا ہے اور اس کو دھکا لگاتا ہے، اور پھر وہ خود چلتی ہے، اور کچھ دور تک چلی جاتی ہے۔

مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ اس دور کے مجدد ہیں

میں مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ دونوں کو اس دور کا مجدد سمجھتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ جہاں کہیں بھی علم دین ہے، جہاں کہیں بھی سنت کی دعوت ہے، جہاں کہیں بھی شرک و بدعت سے اجتناب کا جذبہ اور اس سے تنفر ہے، یہ ان دونوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے، دیکھئے ایک ایسا بھی انسان تھا جس نے اس زور سے دھکا دیا کہ امت کی گاڑی ساڑھے تین سو سال سے برابر چل رہی ہے، اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کتنا چلے پھر کوئی اور اللہ کا بندہ پیدا ہوا اور اس کے دھکے سے اور کتنا چلے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا پورا خاندان، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سو ڈیڑھ سو برس کے بعد پیدا ہوا، اور ان کے کام کے اثرات تیرھویں صدی کے ابتداء میں ظاہر ہوئے، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فریضہ ہے تمام مدارس کا اور تمام علماء کا کہ زندہ اشخاص پیدا کرتے رہیں۔

عالم اسلام کی سب سے بڑی ضرورت

کل میں نے دار العلوم کورنگی میں ایک بات کہی تھی کہ عالم اسلامی کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے علماء ملک میں رہیں کہ وہ نئے مسائل سمجھ سکیں، اور نئے مسائل کے حل پیش کر سکیں، اور اس میں وہ شریعت کی مدد سے کتاب و سنت کی مدد سے، اصول فقہ اور فقہ کی مدد سے رہنمائی کر سکیں، اس لیے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے متبحر علماء پیدا ہوں جیسے مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، اور دوسرے علماء جن کے نام اُس وقت مجھے یاد نہیں آئے، پھر اس کے بعد میں نے کہا کہ زمانہ اتنا ترقی کر گیا ہے، اور اب زمانہ کے فتنے اتنے سنگین اور زمانے کے چیلنج اتنے شدید ہیں کہ حقیقۃً

ضرورت تھی امام غزالیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی، لیکن اگر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہؒ اس وقت نہ پیدا ہوں تو کم از کم اس درجہ کے لوگ پیدا ہوں جن کے نام میں نے لیے۔

مدارس کا اہم فریضہ

لہٰذا مدارس کا یہ فرض ہے کہ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگادیں کہ وہ تبحر پیدا ہو، وہ وسعت نظر اور عمق اور نظر کی گہرائی اور گیرائی پیدا ہو اور وہ کتاب وسنت کی روح سے واقفیت پیدا ہو، مقاصد شریعت سے آگاہی پیدا ہو کہ بدلے ہوئے زمانہ میں امت کی رہنمائی کر سکیں، محض یہ کہ کتاب میں دیکھ لو، یہ کافی نہیں، اس لیے کہ کتابیں تو اپنے اپنے عہد میں لکھی گئی ہیں، اللہ نے صرف کتاب اللہ کی یہ خصوصیت قرار دی ہے کہ **لا تبلی جدته ولا تنتهي عجائبه** کہ وہ کبھی پرانی نہیں ہوگی، باقی ہر انسانی کتاب میں اُس عہد کی چھاپ ہوتی ہے، اُس عہد کے گھنے سائے ہوتے ہیں، آپ کسی عالم کی کتاب اُٹھا کر دیکھ لیجئے، اگر اللہ نے آپ کو ذوق اور علمی بصیرت دی ہے تو آپ اسے دیکھ کر زمانہ کا تعین کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب فتنۂ تاتار سے پہلے لکھی گئی ہوگی یا فتنۂ تاتار کے بعد لکھی گئی ہوگی، یہ آٹھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے، ہر صدی کا اُسلوب الگ ہوتا ہے، فکر اور علم کا طرز الگ ہوتا ہے، ان کے درجات الگ ہوتے ہیں، یہ مدارس بہت مبارک اور نہایت ضروری ہیں، ہم سب مدارس ہی کے خوانِ نعمت کے ریزہ چیں ہیں اور میں جو آپ کے سامنے بیٹھا ہوا بات کہہ رہا ہوں، یہ مدارس ہی کا فیض ہے، اوّل سے آخر تک میری تعلیم اسی نہج پر ہوئی، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں (اور خدا کرے کہ میری بات جتنی ہے اور جس درجہ کی ہے، اسی کے مطابق سمجھا جائے) کہ یہ دین زندہ ہے، اور زندہ انسانوں کی اس کو ضرورت ہے، اور زندہ انسانوں ہی کے دم سے یہ چلے گا۔

اسلاف کے کارناموں پر قناعت نہ ہو بلکہ افراد سازی کی ضرورت ہے

اسلاف کی عظمت میں رتی برابر کمی کرنا مقصود نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ اس پر قناعت نہیں کرنی ہے کہ اسلاف نے یہ کیا کوئی مسئلہ پوچھنے آئے تو کہے کہ ہمارے یہاں ایک سے ایک بڑا عالم پیدا ہوا، آسمان علم، جبلِ علم، سائل کہتا ہے کہ کنویں میں فلاں جانور گر گیا ہے، تمام محلہ والے پریشان ہیں کہ کتنے ڈول پانی نکالا جائے، آپ کہیں کہ ہمارے یہاں امام ابوحنیفہؒ پیدا ہوئے، امام زفر پیدا ہوئے اور آخر میں ''بدائع الصنائع'' کے مصنّف، ''البحر الرائق'' کے مصنّف اور ''فتاویٰ عالمگیری'' کے مصنّف پیدا ہوئے، وہ کہے گا حضرت یہ سب صحیح ہے، لیکن جلدی بتایئے نماز کا وقت بالکل قریب ہے کہ اس کو کس طرح پاک کیا جائے؟ کوئی آپ سے یہ پوچھنے آئے کہ ذرا سی یہ عبارت سمجھ میں نہیں آئی، یہ شعر سمجھ میں نہیں آیا، اس کے معنی بتایئے، آپ کہیں کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے ادیب پیدا ہوئے جن کا جواب نہیں، عبدالقادر جرجانی پیدا ہوئے، ابوعلی فارسی پیدا ہوئے، امام زمخشری پیدا ہوئے، حریری پیدا ہوئے، اور قاضی فاضل پیدا ہوئے اور ہندوستان میں بھی ایک سے ایک بڑھ کر پیدا ہوئے ہیں، وہ کہے گا یہ سب ٹھیک ہے، لیکن میں کتاب پڑھانے جا رہا ہوں، طالب علم منتظر ہیں، جلدی سے شعر کا مطلب بتایئے، اسی طرح ہر فن کا حال ہے، جس فن کا آدمی آیا تو کہہ دیا کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں، اس سے کام نہیں چلے گا۔

ہر شہر میں متبحّر آدمی ہونے چاہئیں

ہر ملک میں بلکہ ہر شہر میں ایسے متبحّر آدمی ہونے چاہئیں جو وقت پر مدد کر سکیں،

رہنمائی کر سکیں، یہ نہ کر سکیں تو کم از کم کسی عالم کا حوالہ دے سکیں، میں خود یہ کرتا رہتا ہوں، کوئی اہم مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ ہمارے مدرسہ میں مفتی موجود ہیں، ان سے پوچھو ''لکل فن رجال'' ہر فن کا شخص الگ الگ ہے، وہ فقہ پڑھاتے ہیں، علامہ ابن حزم کے متعلق امام ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ انھوں نے ''سعی'' میں ''رمل'' و ''اصطباع'' کو لکھ دیا ہے، وہ بہت ادب کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کو حج کرنے کا موقع نہیں ملا تو ان کو طواف اور سعی میں التباس ہو گیا، یہ بات الگ ہے لیکن ہر چیز میں آپ اسلاف کے کارناموں کی فہرست گنانے لگیں کہ کیسے کیسے آدمی پیدا ہوئے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پیاسا ہو اور پانی پینے آئے اور کہے کہ پانی پلا دیجیے تو آپ اس سے کہیں کہ دنیا میں ایسی ایسی سبیلیں لگی ہیں اور ایسی ایسی آئس کریمیں ایجاد ہوئی ہیں، ایسے ایسے مشروبات ایجاد ہوئے ہیں تو بھائی مشروبات کے نام لینے سے اور اس میں جو ترقیاں آپ کے اسلاف نے کیں، اس سے کیا ہوتا ہے، اس کو تو پانی چاہئے، چاہے آپ کٹورا میں دیں یا مٹی کے کوزہ میں دیں، جب جا کر اس کی پیاس بجھے گی۔

خلا پر کرنے کے لیے جانفشانیوں کی ضرورت ہے

علوم کا زوال بلکہ امتوں کا زوال اسی طرح ہوا کہ جب کوئی گیا تو کوئی دوسرا اس کی جگہ لینے والا نہیں، آج خطرہ اسی بات کا ہے، جو اٹھتا ہے جگہ خالی کر کے چلا جاتا ہے، آپ سے کیا کہوں، یہ کہنے کی بات نہیں، ہندوستان میں کیا خلا محسوس کر رہے ہیں، کسی مدرسہ میں شیخ الحدیث کی ضرورت ہے، شیخ الحدیث نہیں مل رہا ہے، کہیں اصول فقہ پڑھانے والا نہیں مل رہا ہے، کچھ اللہ کے بندے یہاں آگئے اور کچھ اللہ میاں کے یہاں چلے گئے، ایک انتقال کیا تو دوسرا منتقل ہو گیا، ہمارے حق میں نتیجہ ایک ہوا، مطلب یہ کہ خلاء پر ہونا چاہئے، اور اس کے لیے جانفشانیوں کی ضرورت ہے، یہ کام

بغیر جانفشانیوں کے نہیں ہوسکتا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ حدیث کا جیّد عالم پیدا ہو، فقہ کا کوئی جیّد عالم پیدا ہو تو اس کے لیے پتّا پانی کرنے کی ضرورت ہے، اور افسوس ہے کہ اب ہمارے مدارس میں اس کا رواج نہیں رہا، سب کچھ ہے لیکن وہ محنت نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ مبالغہ نہ سہی غلو نہ سہی مگر کسی درجہ میں انہماک ہونا چاہئے۔

یورپ کی ترقیوں کا راز

یورپ میں جو ترقیاں ہوئی ہیں اسی لائن سے ان میں بھی استغراق ہے، میں نے واقعات سنے ہیں کہ بعض تحقیقی کام کرنے والوں کو اس کی خبر نہیں ہوئی کہ کب صبح ہوئی اور کب شام ہوئی، میرے جاننے والے ایک دوست جرمنی گئے تھے انھوں نے کہا ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ کام کب شروع کرتے ہیں، آپ کا یہ ادارہ کب سے کھلتا ہے؟ تو اس نے کہا ابھی بتاتا ہوں، وہ اندر گیا اور ایک آدمی سے پوچھا کہ میرا شعبہ کب سے کھلتا ہے، اس نے بتایا، اتنے بجے تو آکر کہہ دیا اتنے بجے سے، میں نے کہا کہ کیوں آپ نے خود نہیں بتلایا تو اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، میں اتنی صبح آجاتا ہوں کہ مجھے ہوش نہیں رہتا اور میں گھڑی بھی نہیں دیکھتا، کام کا جوش اتنا غالب ہوتا ہے۔

یہ انتشار کا دور ہے، آج کل تو بڑی مصیبت یہ ہے کہ آپ یہاں سے جایئے، پچاس چیزیں آپ کو ایسی نظر آئیں گی جو انتشار پیدا کرنے والی ہوں گی، آپ ایسے حالات دیکھیں گے جو انتشار پیدا کرنے والے ہوں گے، آپ ایسی تصویریں دیکھیں گے جو ساری ذہنی یکسوئی ختم کردیں گی اور اگر ٹیلی ویژن ہو رہا ہے تو سبحان اللہ یا انا للہ کہہ دیجئے۔

عجیب علمی استغراق

اُس زمانہ کی خوبی یہ تھی کہ انتشار پیدا کرنے والی چیزیں کم تھیں، اور لوگوں میں

علمی استغراق تھا، میرے ایک مغربی استاد نے بتایا کہ ایک صاحب مغرب (مراکش) میں فقہ مالکی پر کتاب لکھ رہے تھے، ان کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ دوپہر کو وہ گھر جاتے تھے، اور کھانا کھاتے تھے، اور آجاتے تھے، ایک دن وہ گھر نہیں گئے تو لوگوں نے کہا کہ آج آپ کھانے پر تشریف نہیں لائے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں میں تو آیا تھا! میں نے کھانا بھی کھایا، اب ان کو فکر ہوئی کہ کیا بات ہوئی، معلوم ہوا کہ مسئلہ سوچتے ہوئے نکلے اور ایک گھر کا دروازہ کھلا تھا اس میں چلے گئے اور وہ لوگ اتنے مثقف اور مہذب تھے کہ انہوں نے کھانا کھلایا اور ان کو بالکل محسوس نہیں ہونے دیا کہ ان کا گھر نہیں ہے، اس زمانہ میں علماء کی قدر تھی، ان کو شاید یہ معلوم تھا کہ وہ اس وقت نکلتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں، گھر والوں نے دستر خوان بچھایا، ہاتھ دھلائے انہوں نے کھانا کھایا، ہاتھ پونچھے اور اپنی جگہ آگئے اور یہ سمجھتے رہے کہ وہ اپنے گھر گئے تھے اور کھانا کھایا تھا۔

امام شافعیؒ امام احمد بن حنبل کے گھر

ایک واقعہ امام غزالیؒ نے غالباً احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ کے گھر آئے، امام صاحب کے بچے کہتے تھے کہ "اے اللہ! محمد بن ادریس کو زندہ رکھ، قائم رکھ، ان کی عمر میں برکت دے، وہ بچے سوچتے تھے کہ ہمارے باپ امام وقت ہیں، ان کے استاد کیسے ہوں گے جن کے لیے یہ دُعا کرتے ہیں؟ تو ایک مرتبہ پوچھا کہ ابا جان؟ آپ کس کے لیے دُعا کرتے ہیں اور کیوں؟ انہوں نے کہا "یا بنی انه كالشمس للدنيا والعافية للبدن" ایک مرتبہ لطیفہ پیش آیا کہ امام شافعیؒ تشریف لے آئے تو گھر والوں نے سمجھا کہ گھر بیٹھے دولت ملی، بڑی خاطر مدارات کی اور رات کو جب وہ کھانا کھا کے اور باتیں کر کے بستر پر لیٹے تو بچوں نے سوچا کہ والد صاحب بڑا وقت عبادت میں گزارتے ہیں، یہ تو ہمارے والد کے بھی استاد ہیں، ان کی تو

پلک بھی نہیں لگے گی، رات بھر عبادت کریں گے، چنانچہ انہوں نے لوٹا بھر کر رکھ دیا کہ رات کو اُٹھیں گے، وضو کریں گے، عبادت میں مشغول ہو جائیں گے، لیکن وہ صبح تک سوتے رہے، یہاں تک کہ امام احمد بن حنبلؒ آئے اور انہوں نے اُٹھایا، وہ اُٹھے اور بے وضو کیئے ہی نماز پڑھنے چلے گئے، اب تو ان کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ یا اللہ قصہ کیا ہے؟ لوٹا دیکھا تو ویسا کا ویسا بھرا رکھا ہے، بڑی حیرت کہ انہوں نے بے وضو نماز پڑھی۔

امام احمد بن حنبلؒ کا رات بھر مسائل استنباط کرنا

اس زمانہ میں اعتراض کرنے کا رواج نہیں تھا، جب وہ مجلس میں آکر بیٹھے تو امام احمد بن حنبلؒ سے امام شافعیؒ نے کہا کہ ابو عبداللہ رات کو عجیب واقعہ پیش آیا جب تم مجھے لٹا کر گئے تو فلاں حدیث کی طرف میرا ذہن چلا گیا، میں نے اس سے مسائل استنباط کرنے شروع کیئے، رات بھر مسائل استنباط کرتا رہا، مسائل کی ایک بڑی تعداد بیان کر کے فرمایا کہ اتنے مسائل استنباط کر چکا تھا کہ صبح ہوگئی، اسی لیے شاعر نے کہا ہے کہ

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر، شیر

اگر بدگمانی کا دور ہوتا تو اخبار میں چھاپ دیا جاتا کہ ایسے ایسے علماء ہیں جو بے وضو نماز پڑھ لیتے ہیں، بلکہ پڑھا بھی دیتے ہیں (تعجب نہیں کہ انہوں نے نماز پڑھائی بھی ہو، بھلا ان کی موجودگی میں کون نماز پڑھاتا)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (۳۲)

طالب علم

{افادات}

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی نور اللہ مرقدہٗ

اقتباس

آج آپ اپنے کو نہ پہچاننے کی وجہ سے اور اپنے مقام و منصب کو نہ جاننے کی وجہ سے اپنے کو بلکہ اپنے پورے طبقہ کو بالکل بے قیمت اور اس دنیا کے بازار میں نہ چلنے والا سکہ سمجھ کر افسردہ اور غمزدہ ہیں۔

لیکن اگر آپ اپنے مقام و منصب کو سمجھ کر اپنے بارے میں وہ فیصلہ کرلیں جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں اور اپنے کو خدا کی نذر اور اس کے وقف کردیں جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی والدہ نے کیا تھا تو پھر ان شاء اللہ آپ کا احساس یہ ہوگا کہ ہماری قیمت خدا کے سوا کوئی ادا ہی نہیں کرسکتا ؎

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پیراگراف از بیان حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

میرے مخاطب طلبہ ہیں

میرے عزیز بھائیو! جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا میں اس وقت اسی اور اس نیت سے آیا ہوں کہ آپ عزیز بھائیوں سے جو یہاں کے ہمارے مدرسوں میں پڑھتے ہیں کچھ باتیں کروں...... میرے اصل مخاطب اس وقت آپ ہی حضرات ہیں، یعنی ہمارے عزیز طلبہ میں آپ کی برادری کا ایک آدمی ہوں، میں طالب علم تھا، طالب علم ہوں اور ان شاء اللہ طالب علمی کی حالت ہی میں مروں گا۔

ادھر کچھ عرصہ سے میرے دل میں اس کا بڑا داعیہ ہے کہ اپنے دینی مدارس کے عزیز طلبہ کے پاس پہنچ کر اُن سے اپنے دل کی کچھ باتیں کہوں۔

علماء اس امت کا قلب ہیں

میرے بھائیو! علماء اس امت کا قلب ہیں، حدیث پاک میں جس طرح فرمایا گیا

ہے، قلب کا حال یہ ہے ''اذا صلح صلح الجسد کله واذا فسد فسد الجسد کله ''یعنی اگر قلب ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک ہوگا اور اگر قلب ٹھیک نہیں تو جسم کی بھی خیریت نہیں، تو علماء اس امت کا قلب ہیں، تو اگر ہم لوگ جو علماء کہے جاتے ہیں، اگر ہم میں فساد ہے تو امت میں اس سے ہزار گنا فساد ہوگا اور اگر ہم میں صلاح ہے تو پھر ان شاء اللہ امت میں بھی صلاح ہوگا اور وہ فساد سے محفوظ رہے گی۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ آپ سب کی عمروں میں برکت دے۔ ان شاء اللہ آپ آنے والے زمانے کے علماء ہوں گے...... میں نے ابھی کہا تھا کہ میں آپ ہی کی دنیا کا ایک آدمی ہوں یعنی طالب علم ہوں، لیکن میری عمر زیادہ ہے، ستر کے قریب پہنچ چکی ہے اور میں بہت سے اُن تجربوں سے گزرا ہوں جن سے آپ کو گزرنا ہوگا، اس لیے میری باتیں ان شاء اللہ آپ کے لیے کارآمد ہوں گی۔

میں اس وقت اپنے مدارس ہی کے دورے کے لیے نکلا ہوا ہوں، اس دورہ کے لیے مجھے کسی نے دعوت نہیں دی تھی بلکہ میں اپنے دل کے داعیہ اور تقاضے سے یہ دورہ کر رہا ہوں میں جو باتیں اس وقت آپ سے کہنا چاہتا ہوں یوں سمجھئے کہ میں وہ باتیں کرنے ہی کے لیے دور دراز کا سفر کر کے آپ کے پاس یہاں آیا ہوں...... اس لیےمیرا حق ہے کہ آپ میری باتوں کو توجہ سے سنیں۔

آپ کا منصب و مقام کیا ہے؟

میری سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ اپنے کو پہچانیں! اس پر غور کریں کہ آپ کیا ہیں؟ آپ کا منصب اور مقام کیا ہے؟ آپ کی منزل مقصود کیا ہے جس کی طرف آپ جارہے ہیں؟

میرا خیال ہے کہ آپ میں سے بہت کم بھائی ایسے ہوں گے جنھوں نے اس مسئلہ

پر کبھی اس طرح غور کیا ہوگا جس طرح غور کرنا چاہیے...... اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی عظمت سے باخبر نہیں ہیں اور اپنے مقام اور اپنی ذمہ داریوں کا اُن کو احساس نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے کہ خود میرا ابھی کبھی یہی حال تھا اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ عام طور سے ہمارے بھائیوں کا یہی حال ہوتا ہے اور یہ بڑے خسارے کی بات ہے۔

الحمدللہ آپ حضرات اگرچہ مختلف درجوں کے طالب علم ہیں لیکن سب ہی ذی علم اور صاحب فہم ہیں۔ آپ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے اس طرح غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات جو پیدا فرمائی ہے جو ہمارے سامنے ہے، زمین، آسمان اور ساری مخلوقات ان سب میں غور کرنے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ ان تمام مخلوقات میں اصل مقصود بالتخلیق انسان ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ نظر آتا ہے سب اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

آپ اس کو یوں اور زیادہ آسانی سے سمجھ سکیں گے کہ یہ مسجد ہے جس میں اس وقت ہم آپ بیٹھے ہیں اس میں بہت سی چیزیں ہیں یہ منبر ہے جس پہ بیٹھ کر میں آپ سے باتیں کر رہا ہوں، یہ جانمازیں بچھی ہوئی ہیں جن پر آپ حضرات بیٹھے ہیں اور ان پر نماز پڑھی جاتی ہے، اس میں یہ گھڑی لگی ہوئی ہے جو وقت بتاتی ہے، ساتھ میں وضو اور استنجے کے سارے انتظامات ہیں...... اب آپ غور کریں کہ یہ ساری چیزیں کس لیے اور کس کے لیے ہیں تو یہی سمجھ میں آئے گا کہ یہ سب نمازیوں کے لیے ہے اور خود نمازی ان میں سے کسی چیز کے لیے بھی نہیں ہیں۔

انسان کائنات کا خلاصہ ہے

اسی طرح زمین وآسمان کی ساری چیزوں پر نظر ڈال کے دیکھ لیجیے صاف نظر آئے گا جو کچھ ہے سب انسانوں کے لیے ہے اور انسان ان میں سے کسی چیز کے لیے بھی نہیں

ہے۔قرآن میں بھی فرمایا گیا ہے '' خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا '' (زمین میں جو کچھ ہے، پیدا کرنے والے نے تم انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے) تو اس کائنات میں غور کرنے سے یہ بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس سارے عالم اور ساری کائنات میں اصل انسان ہے اور اس کے علاوہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے...... پھر انسان کا ہے کو پیدا کیا گیا ہے؟ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ خدا نے اس کو عبث اور بے مقصد صرف اس کا تماشہ دیکھنے کے لیے پیدا کیا ہو...... تعالی الله عن ذالك علوًّا كبيرًا... تھوڑا سا غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ انسان اس لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کو عقل و شعور اور ارادہ و اختیار کی نعمتیں اس دی گئی ہیں کہ وہ اپنے خالق کو جانے پہچانے، اس کی مرضی اور اس کی ہدایات کی فرمانبرداری کے ساتھ زندگی گزار کے اُس کے اعلیٰ سے اعلیٰ انعامات کا مستحق بنے اور پھر اس کی صفتِ رحمت و رافت اور احسان و کرم کا بھرپور ظہور ہو۔اور جو کوئی بغاوت اور نافرمانی والی مجرمانہ زندگی اختیار کرلے، اس کے لیے خداوند قہار کی صفت عزت و جلال اور قدرت قاہرہ کا پورا پورا ظہور ہو اور اس کے لیے ضروری ہوا کہ انسانوں کو یہ معلوم ہو کہ اُن کے لیے اُن کے خالق و مالک کے کیا احکام ہیں اور کیا ہدایات ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے دو کام ہوتے تھے

پھر اسی مقصد اور کام کے لیے نبوت اور پیغمبری کا سلسلہ جاری فرمایا گیا، جو شروع دنیا سے خاتم النبیین ﷺ تک جاری رہا.......... انبیاء علیہم السلام کے دو کام ہوتے تھے ۔ایک وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت لینا اور...... دوسرا اُس ہدایت کو بندوں کو پہنچانا اور اُن کو اس پر چلانے کی کوشش کرنا۔

پھر اب سے کوئی چودہ سو سال پہلے جب سیدنا حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تو

انسانی دنیا کے حالات اور نقشہ میں کچھ ایسی تبدیلیاں آچکی تھیں یا کہنا چاہیے کہ اتنی ترقی ہوچکی تھی کہ حکمت الٰہی کا یہ تقاضا تھا کہ اسی نبوت کو آخری نبوت قرار دے، اور آپ کے ذریعہ ایسی جامع اور کامل ہدایت دے دی جائے جو ہمیشہ کے لیے کافی ہو اور اس کا بھی انتظام کر دیا جائے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ بالکل محفوظ رہے، اور پھر کسی نئی وحی اور ہدایت کی ضرورت ہی نہ رہے۔ چنانچہ ہمارا اور آپ کا اور سب مسلمانوں کا عقیدہ اور یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ایسی ہدایت آگئی اور وہ بالکل محفوظ رہے گی اس نبیوں کا پہلا والا کام ختم ہوگیا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی کہ کسی نبی پر ہدایت کی وحی آئے۔

یہ امت کارِ نبوت میں نبیوں کی نائب ہے

بس دوسرا کام باقی رہ گیا یعنی خداوندی ہدایت کو بندوں تک پہنچانا اور اُن کو اس پر چلانے کے کوشش اور محنت کرنا، یہ کام قیامت تک کے رسول اللہ ﷺ کی امت کے ذمہ کر دیا گیا۔

اب یہ امت محمدیہ جس کے ہم اور آپ بھی فرد ہیں اس کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ دوسرے پیغمبروں کی امتوں کی طرح یہ بھی اللہ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کی امت ہے اور اس کا فرض ہے کہ آپ کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت پر چلے اور اس کی پیروی کرے...... اور اس کی دوسری حیثیت جو اس کا خاص امتیاز ہے وہ یہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد یہ نبیوں والے اس کام کی ذمہ دار بھی ہے کہ دنیا بھر کے لوگوں کو وہ ہدایت پہنچائے اور اس پر چلانے کے لیے نبیوں والی کوشش اور محنت کرے اور اس طرح یہ امت کارِ نبوت میں نبیوں کی نائب بھی ہے۔ پھر اس ذمہ داری اور نیابت کا ایک عمومی درجہ ہے جس کے لیے کسی خاص درجہ کے علم اور خاص معیار کی صلاحیت کی ضرورت نہیں، اس میں ہر ایمان لانے والے کا حصہ ہے، یہ عام مسلمانوں کا مقام ہے

اور یہ بھی بڑا اشرف ہے۔

نیابت نبوت کا خصوصی درجہ

اور ایک اُس کا خصوصی درجہ ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے جو علم وحی کے ذریعہ ملا تھا اور جو ہدایت اور شریعت ملی تھی، اپنی صلاحیت واستطاعت کے مطابق اس کو حاصل کیا جائے اور آپ کی خصوصی نیابت کا حق ادا کیا جائے، یہ بہت بڑا درجہ ہے، یہ امت کے خواص کا مقام ہے، دراصل یہی لوگ وارثین انبیاء اور نائبین انبیاء ہیں۔

ہمارے یہ مدرسے دراصل وہ کارخانے تھے جن میں قرآن وحدیث اور دوسرے دینی علوم کی تعلیم دے کر ایسے لوگ تیار کیے جاتے جو رسول اللہ ﷺ کی اسی خصوصی نیابت و وراثت کی ذمہ داری سنبھالتے اور اس کو اپنا مقصد زندگی بنا لیتے اور اسی کے لیے وقف ہو جاتے ...... میرے بھائیو! آپ کا اصل مقام اور منصب یہی ہے اور ہمارے ان مدرسوں کی اصل غرض وغایت یہی تھی۔

پچھلی شریعتوں میں اولاد کو اللہ کے لیے وقف کرنے کا جذبہ

قرآن مجید میں کئی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اُن کی والدہ (**امْرَأَةُ عِمْرَانَ**) نے بچہ پیدا ہونے کی ''امید'' محسوس کی اور انہیں غالباً کچھ آثار اور قرائن سے یہ گمان تھا کہ لڑکا پیدا ہوگا) تو انہوں نے نذر مانی اور کہا کہ یا اللہ میں نے پیدا ہونے والے بچے کو تیرے لیے وقف کر دیا۔ قرآن پاک میں اُن کی نذر کا ذکر اس طرح ہے۔

''**رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۚ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾**'' ...... بنی اسرائیل میں یہ دستور اور رواج تھا کہ اللہ کے نیک بندے اور نیک بندیاں اپنے نومولود بچوں کو اللہ کے لیے وقف کر دیتے تھے، اُن کو **مُحَرَّر** کہا جاتا

تھا (یعنی اللہ کے لیے آزاد چھوڑا ہوا) مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے اپنے اس بچہ کو خدا کی نذر کر دیا۔ اب یہ کوئی کاروبار اور دھندا نہیں کرے گا، شادی بیاہ بھی نہیں کرے گا، گھر بھی نہیں بنائے گا، بیوی بچوں کی ذمہ داری سے بھی آزاد رہے گا، بس خدا کی عبادت اور کلیسا کی خدمت کرے گا۔

شریعت محمدی میں اولاد کو اللہ کے لیے وقف کرنے کی شکل

امام ابوبکر جصاص رازی نے اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اولاد کو خدا کی نذر کرنے اور وقف کرنے کا یہ طریقہ شریعت محمدی میں بھی ہے۔ لیکن اس کی شکل شریعت محمدی کے مزاج کے مطابق بدل دی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جن بندوں کو توفیق ہو وہ اپنے بچہ کے متعلق نیت کرلیں کہ ہم اس کو خدا کے اور اس کے دین کی خدمت کے وقف کرتے ہیں۔ یہ علم دین حاصل کرنے کے اور دین کی خدمت کے وقف ہوگا...... پھر وہ بس خدا کا ہو جائے گا اور دین کی خدمت اور اللہ کی رضا جوئی اور عبادت اس کی زندگی کا مقصد ہوگا لیکن ہماری شریعت میں وہ نکاح بھی کر سکے گا، کوئی معاشی مشغلہ بھی اختیار کر سکے گا لیکن اس کا مقصد زندگی اور اس کا اصلی کام بس دین کی خدمت ہوگا اسی کے جینا مرنا ہوگا...... تو میرے بھائیو! ہم آپ جو ان دینی مدرسوں میں پڑھتے ہیں ان کو دراصل اسی طرح کا ''محرر'' ہونا چاہئے۔

آپ اپنی طلب علمی میں یہ نیت بنائیں

میرا اندازہ ہے کہ آپ بھائیوں میں ایسے بہت کم ہوں گے جن کو ان کے والدین یا سرپرستوں نے اسی طرح سوچ سمجھ کے اللہ کی نذر اور وقف کیا ہوا اور اسی نیت سے دین کی تعلیم میں لگایا ہو، لیکن اب آپ کو یہ موقع حاصل ہے کہ آپ خود اپنے یہ نیت اور فیصلہ کرلیں اور اپنے کو خدا کی نذر اور اس کے دین کے وقف کر دیں...... جس طرح آپ

نماز کی نیت کرتے ہیں اور وہ نماز اللہ کے ہوجاتی ہے، اسی طرح آپ پوری زندگی کے بارے میں نیت کرلیں کہ وہ ہم نے اللہ کے اور دین کے وقف کی، اب ہم اللہ کے اور دین کی خدمت کے رسول ﷺ کا لایا ہوا علم سیکھیں گے اور دین کی خدمت کریں گے، ہماری زندگی کا مقصد بس یہی ہوگا، اسی کے ہمارا جینا مرنا ہوگا ...... (مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾)[سورۂ انعام: ۱۶۲] تو آپ کی پوری زندگی اللہ کے ہوجائے گی، پھر آپ کی حیثیت یہ ہوگی کہ آپ "حزب اللہ" میں اور رسول اللہ ﷺ کے لشکر میں بھرتی ہوگئے۔

میرے بھائیو! خدا کے سوچو، دنیا میں اس سے بلند کوئی مقام اور مرتبہ نہیں ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میں سے کچھ بھائیوں نے اگر ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھا تھا تو اب وہ ذہن کی پوری صفائی کے ساتھ یہ نیت اور یہ فیصلہ کرلیں اور اب سے اپنے کو خدا کے اور دین کے وقف کردیں اور اگر آپ کی نیت میں خلوص اور سچائی ہے تو یقین کرلیں کہ اللہ نے آپ کو قبول کرلیا۔

طلباء اور علماء احساسِ کمتری کے شکار کیوں ہیں

اس نیت اور فیصلہ کے ساتھ انشاء اللہ آپ کے اندر ایک بہت بڑی تبدیلی ہوگی، آپ کبھی بھی اُس احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہوں گے جس میں ہمارے مدرسوں کے بہت سے طلبہ بلکہ بدقسمتی سے بعض علماء تک گرفتار ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس دنیا میں بڑے خسارے اور گھاٹے میں ہیں، عالم، مولوی ہونے کے بعد ہمیں کوئی بڑی نوکری نہیں مل سکتی، ہم دنیا کے عیش و آرام سے ہمیشہ محروم رہیں گے، ہمیشہ غریبی اور مفلسی کی تکلیفیں اور ٹھوکریں ہمارا مقدر رہیں گی...... اگر آپ یہ سمجھ لیں کہ ہم خدا کے ہوگئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی خدمت کو ہم نے اپنا مقصدِ زندگی اور مشن بنا

لیا ہے اور ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ خدا نے ہم کو اس کی توفیق دے کر قبول فرمالیا ہے تو پھر ان شاء اللہ کبھی آپ کو یہ احساس کمتری نہیں ستائے گا۔

آپ کا مقام ومنصب سب سے بلند وبالا ہے

بلکہ آپ کا احساس یہ ہوگا کہ جو منصب آپ کا ہے اور جہاں آپ پہونچنا چاہتے ہیں، وہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی حاصل نہیں ہے، پھر آپ کو وہ قلبی اطمینان اور روحانی سکون حاصل ہوگا جو خاص اللہ والوں کا حصّہ ہے۔اور پھر آپ اپنی اس زندگی کو اور اس راستہ کی غربت اور افلاس کی تکلیفوں کو اللہ کے قربانی اور جہاد اور مجاہدہ سمجھیں گے۔اس سودے کو بڑے نفع کا اور کامیابی کا سودا سمجھ کے خوش ہوں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ''فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾ [سورۂ توبہ:۱۱۱] اس سے ہرگز میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ میں خدانخواستہ غرور اور تکبّر آجائے اور آپ اپنے کو خدا کا لاڈلا اور صاحبِ ولایت سمجھنے لگیں، یہ تو اللہ کی نگاہ میں مردود ہوجانے والی بات ہے۔

منصب کو بلند سمجھیں اور اپنی ذات کو کمتر سمجھیں

میرا مطلب یہ ہے کہ آپ علمِ دین کی تحصیل اور خدمتِ دین کے کام اور اس منصب اور ڈیوٹی کو اتنا بلند سمجھیں اور اس کے لیے اپنے کو وقف کردیں اور اللہ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ آپ کو قبول فرمالے اور اس طبقہ میں شامل فرمائے، اسی کے ساتھ اپنی ذات کو قصوروار سمجھ کر ہمیشہ اللہ سے معافی مانگتے رہیں اور اس کے سامنے روتے رہیں اور اس کے فضل وکرم سے امید بھی رکھیں...... تو اپنے بھائیوں سے میری سب سے پہلی گزارش یہی ہے کہ اگر آپ نے اب تک اپنے اس مقام ومنصب کو نہیں سمجھا تھا اور اس طرح کا کوئی فیصلہ اپنے بارے میں نہیں کیا تھا تو خدا کے لیے اب کرلیں اور اس وقت اسی مسجد

میں بیٹھے بیٹھے کرلیں۔جس طرح ایک سیکنڈ میں ایجاب وقبول کے بعد دو اجنبیوں میں بیوی اور شوہر کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے اسی طرح آپ ایک سیکنڈ میں اپنے دل سے فیصلہ کر کے اللہ کے ہوجاتے ہیں اور اللہ آپ کا ہوجاتا ہے۔

بلند نیت سے نظر وفکر میں تبدیلی آتی ہے

پھر آپ دیکھیں کہ اس کے بعد آپ کے نظر وفکر میں کیسی تبدیلی اور حوصلوں میں کیسی بلندی آتی ہے اور آپ کہاں سے کہاں پہونچ جاتے ہیں......آج آپ اپنے کو نہ پہچاننے کی وجہ سے اور اپنے مقام ومنصب کو نہ جاننے کی وجہ سے اپنے کو بلکہ اپنے پورے طبقہ کو بالکل بے قیمت اور اس دنیا کے بازار میں نہ چلنے والا سکہ سمجھ کر افسردہ اور غمزدہ ہیں، لیکن اگر آپ اپنے مقام ومنصب کو سمجھ کر اپنے بارے میں وہ فیصلہ کرلیں جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں اور اپنے کو خدا کی نذر اور اس کے وقف کردیں جس طرح حضرت صدیقہ کی والدہ نے کیا تھا تو پھر انشاء اللہ آپ کا احساس یہ ہوگا کہ ہماری قیمت خدا کے سوا کوئی ادا ہی نہیں کرسکتا

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اسی کے ساتھ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں، ایسا یقین جس کی بناء پر مجھے قسم کھانا جائز ہے کہ آپ میں سے جو عزیز بھائی سچے دل سے یہ فیصلہ کرلیں گے اور استقامت کے ساتھ اس کی شرطیں پوری کریں گے وہ دیکھیں گے کہ ان پر انشاء اللہ اس دنیا میں بھی اللہ کا فضل ہوگا۔اللہ تعالیٰ اُنھیں اُن راستوں سے عطا فرمائیں گے جن کا انھیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا جو اللہ کا ہوجاتا ہے تو اللہ بھی اس کا ہوجاتا ہے ''مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔''

والد صاحب کی دوررس نگاہ اور دنیوی عہدوں سے اعراض

میں اس موقع پر خود اپنی مثال آپ کے سامنے رکھنے میں مضائقہ اور حرج نہیں

سمجھتا، میرا اصل وطن یو پی میں سنبھل (ضلع مرادآباد) ہے۔ یہ سنبھل اصطلاحی اور قانونی حیثیت سے تو قصبہ اور سب ڈویژن ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے بڑا شہر ہے، ایک لاکھ سے اوپر آبادی ہے۔ اب سے ۶۰۔۷۰ سال پہلے میرے والد ماجد اس قصبہ کے رئیسوں اور دولت مندوں میں شمار ہوتے تھے، اُن کے لیے اِس کی پوری گنجائش تھی کہ اپنی اولاد کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلاتے، لیکن انھوں نے نیت کر رکھی تھی کہ جہاں تک ممکن ہوگا وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلائیں گے تاکہ آخرت میں ان کے کام آئے ......اتفاق کی بات ہے کہ میری عمر جب ۱۲۔۱۳ سال کی ہوگی تو ہمارے ضلع میں ایک انگریز کلکٹر آ گیا، معلوم نہیں کیوں والد صاحب سے وہ بہت تعلق رکھتا تھا، اسے جب معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے کسی بچہ کو انگریزی تعلیم نہیں دلائی تو اس نے والد صاحب کو ترغیب دی اور میری عمر وغیرہ معلوم کر کے خاص طور سے میرے بارے میں کہا کہ اس کو کل ہائی سکول بھیج دو، یہ پانچ سال میں انٹرنیس کر لے گا اور میں اس کو نائب تحصیلداری دیدوں گا......اُس زمانہ میں نائب تحصیلداری بہت بڑی چیز تھی، اُس سے ترقی کر کے آدمی تحصیلدار ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو جاتا تھا اور یہی ہندوستانیوں کی معراج تھی۔ کلکٹر عام طور پر اُس دور میں انگریز ہی ہوتے تھے۔ لیکن والد صاحب کی روح پر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں، وہ کلکٹر کے اس کہنے پر بھی مجھے انگریزی پڑھانے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے، جب ان کے بعض مخلص احباب کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے بہت اصرار سے اُن سے کہا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے!......

والد صاحب کا مجھے دینی تعلیم دلانے کا شوق

والد صاحب نے ان سے آخر میں فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ مجھے اطمینان اور یقین ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں مجھے اپنی اولاد کی کمائی کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ ان

شاء اللہ میں خود اُن کو کھلاتا رہوں گا۔ہاں مرنے کے بعد قبر میں مجھے ضرورت ہوگی کہ اُن کی کمائی مجھے ملے اس لیے میں تو ان کو وہی پڑھاؤں گا جو قبر میں میرے کام آئے ......تو انھوں نے مجھے اس نیت سے علم دین کی تعلیم دلائی تھی کہ میں بس دین کی خدمت کروں اور وہ آخرت میں اُن کے کام آئے وہ میرے طالب علمی کے زمانہ کے بعد بھی مدت تک میری ضروریات کے باقاعدہ تنخواہ دیتے رہے، بلکہ زندگی بھر مجھ پر خرچ کرتے رہے......

اللہ نے وہ خوشحال زندگی دی جو ڈپٹی کلکٹر یا کلکٹر کو کیا حاصل ہوگی

میرے نزدیک ان کی نیت اور ان کے اخلاص ہی کا یہ صدقہ ہے کہ اس دنیا میں بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے حالانکہ خود دولت مند نہیں ہوں، زکوٰۃ بھی کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی نہیں لیکن بہت سے دولت مندوں کو بھی وہ راحتیں اور نعمتیں نصیب نہ ہوں گی جو میرے مالک نے مجھے نصیب فرمائی ہیں، ہوائی جہازوں میں اڑتا ہوں، کاروں میں سفر کرتا ہوں حالانکہ خود میرے پاس تو سائیکل بھی نہیں ہے۔الحمدللہ زندگی کی سب ضرورتیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری ہوتی ہیں، اور بہت اچھے طریقے سے پوری ہوتی ہیں۔اگر ڈپٹی کلکٹر بلکہ کلکٹر بھی ہوجاتا تو ایسی زندگی مجھے نصیب نہ ہوتی، یہ سب میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نیت اور اخلاص کا صدقہ ہے۔اور یہ دولتمند ہونا بھی اُن ہی کی دُعا کا صدقہ ہے، وہ حج کو تشریف لے گئے، واپسی پر مجھے تنہائی میں فرمایا کہ میں تیرے لیے کچھ نہیں لایا ہوں، ہاں ایک دُعا میں نے تیرے لیے کی ہے اور ان شاء اللہ وہ قبول ہوگی اور وہ یہ ہے کہ تیرے پاس کبھی دولت نہ ہو، اور تجھے کبھی تکلیف نہ ہو۔یہ بات اب سے قریباً چالیس سال پہلے کی ہے، اب تک اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ بالکل یہی ہے کہ دولت میرے پاس کبھی نہیں ہوئی اور الحمدللہ ہمیشہ راحت نصیب رہی، کبھی وہ تکلیف نہیں ہوئی جو غربت وافلاس کی وجہ سے ہوتی ہے اور

میں اس پر دل سے راضی ہوں۔

کوئی اللہ کا بن کر تو دیکھے؟

تو میرے عزیز بھائیو! میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر اب تک آپ نے اپنے کو اللہ کی نذر کر دینے اور دین کی خدمت کے لیے وقف کر دینے کی نیت نہیں کی ہے تو اب اللہ سے یہ معاملہ کر لیجیے، اور پھر اپنے آپ کو اس کے مطابق بنا لیجیے...... میں قسم کھا کے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر اللہ تعالیٰ کا بھی آپ کے ساتھ خاص معاملہ ہوگا جس کا اصل ظہور تو آخرت میں ہوگا جو دار الجزا ہے لیکن اس دنیا میں بھی آپ پر کھلا فضل ہوگا۔ غالباً ہمارے ضعف اور ہماری بے کسی و بے بسی اور ہمارے ماحول کی ناموافقت اور خرابی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ معاملہ برابر اس دور میں تجربہ اور مشاہدہ میں آرہا ہے کہ جو اپنے کو اُس کا بنا دے، اللہ تعالیٰ اس کی کریمانہ کفالت فرماتے ہیں اور اپنے بندوں کے دلوں کو بھی اس کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے، کوئی اس کا بن کے تو دیکھے!......

نیت بلند کریں اور تجدید کرتے رہیں

تو میری پہلی گزارش اور پہلی نصیحت ان دینی مدرسوں میں پڑھنے والے آپ بھائیوں کو یہی ہے کہ آپ اپنے مقام و منصب اور علم دین کے مقصد اور ان کی عظمت کو سمجھیں اور اگر اس راستہ پر چلنا چاہتے ہیں تو ذہنوں کی پوری صفائی کے ساتھ سوچ کر اور نیت کر کے اس راستہ کو اپنائیں اور اپنے آپ کو خدا کی نذر کر دیں اور طے کر لیں کہ آپ کو اپنی پوری زندگی اور پوری صلاحیتیں اور توانائیاں حضور ﷺ والا علم حاصل کرنے پر اور اُس کے ذریعہ دین کی خدمت پر لگا دینی ہیں، اسی کے لیے آپ کا جینا اور مرنا ہے ...... پھر آپ اس نیت اور اس فیصلہ کی تجدید بھی کرتے رہیں، میں تو عرض کروں گا کہ روزانہ ایک وظیفہ کے طور پر اس کا مراقبہ کیا کریں کہ میں نے اپنے کو اللہ کی نذر کر دیا ہے

اور علم دین اور خدمت دین کے لیے وقف کردیا ہے اور دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے اور ہمیں قبول فرمائے۔

علم دین حاصل کرنے کے لیے عاشقانہ لگن اور قربانی چاہیے

اس کے بعد میری دوسری نصیحت یا دوسرا مشورہ آپ بھائیوں کو یہ ہے کہ یہ علم اور خدمت دین کی توفیق اسی کو حاصل ہوتی ہے جو قدر کے ساتھ اُس کے لیے وہ محنت کرے جو اس کا حق ہے۔ یہ مدرسوں کے قاعدوں، ضابطوں کے مطابق بس اسباق پڑھ لینا اور امتحان دے کر سند حاصل کر لینا یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا علم اور آپ کے والے کام میں آپ کی نیابت تو وہ عظیم نعمت ہے اور آپ کی وہ بیش بہا میراث ہے جس کے لے سچے عاشقوں کی سی لگن اور محنت اور قربانی ہونی چاہیے، آپ کے اندر یہ عاشقانہ کیفیت اور لگن جب ہی پیدا ہوگی اور آپ عاشقوں والی محنت اور قربانی جب ہی کر سکیں گے جب آپ کو اس کا پورا شعور ہوگا کہ آپ کتنی بڑی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس شعور کے بعد اور اس عاشقانہ کیفیت کے بعد آپ کی حالت کچھ اور ہوگی۔ آج ان مدرسوں کی وجہ سے علم حاصل کرنا بے حد آسان ہوگیا۔

اسلاف کا علم کے لیے بے پناہ مشقتیں اُٹھانا

ایک زمانہ وہ تھا کہ اللہ کے بندے اس علم کی طلب میں ملکوں ملکوں مارے مارے پھرتے تھے، ریل گاڑی نہیں تھی، موٹر نہیں تھے، ہوائی جہاز نہیں تھے، پیدل اونٹ پر سیکڑوں میل کا سفر کرتے تھے، علم دین کے عشق نے اللہ کے بندوں کے لیے یہ سب آسان کردیا تھا۔ اور خود ہمارے قریبی بزرگوں میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس علم کو کیسی عاشقانہ کیفیت کے ساتھ حاصل کیا تھا، میں نے اپنے بعض بزرگوں کے متعلق سنا ہے کہ وہ دہلی میں حدیث پڑھتے تھے، دہلی

علم حدیث کا مرکز تھا۔اس زمانہ میں وہاں ایسے مدرسے نہیں تھے جیسے آج ہیں جن میں ہماری تمام ضرورتوں کا انتظام ہے،اس زمانہ میں طالب علموں کو کڑوے تیل سے جلنے والا چراغ بھی نصیب نہیں ہوتا تھا تو ہمارے بعض بزرگ جو دہلی میں پڑھتے تھے، چاندنی راتوں میں تو چاند کی روشنی میں مطالعہ کرتے تھے اور جن راتوں میں چاندنی نہ ہوتی تو سڑکوں پر روشنی کے لیے جو سرکاری لالٹینیں ہوتی تھیں، ان کے پاس کھڑے ہو کر اُن کی روشنی میں کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے......ایسی تکلیفیں اور مشقتیں عشق کے بغیر نہیں اُٹھائی جاسکتیں، اسی عاشقانہ محنت سے حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ جیسے علماء بنے تھے، مشہور مقولہ ہے آپ نے بھی سُنا ہوگا اور بالکل صحیح ہے کہ ”جب تم اپنے کو بالکلیہ اور سو فیصدی علم پر لگادو گے تو علم کا کچھ حصہ حاصل کرسکو گے۔“

تو میرے بھائیو! میری دوسری نصیحت اور دوسرا مشورہ آپ حضرات کو یہ ہے کہ جو علم حاصل کرنا چاہتے ہو جو رسول اللہ ﷺ کا بیش بہا ورثہ اور ترکہ ہے اس کے شایانِ شان محنت کرو۔ مدرسہ سے ضابطہ کی جو سندِ فراغ آپ کو ملتی ہے آپ خود بھی جانتے ہیں کہ اُس کی کوئی قدر و قیمت نہں ہے، وہ علم حاصل کیجیے جس کے بعد آپ خود سند بن جائیں اور اس کا راستہ یہی ہے کہ اپنے کو عاشقوں کی طرح علم کی تحصیل میں جھونک دو۔

علم کے لیے محنت کے ساتھ تقویٰ اور تعلق مع اللہ بھی ضروری ہے

اس کے بعد میری تیسری نصیحت یا تیسرا مشورہ آپ بھائیوں کو یہ ہے کہ یہ علم جو رسول اللہ ﷺ کا خاص ورثہ اور ترکہ ہے اور پھر کارِ نبوت میں آپ کی نیابت یہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص نعمت ہے۔ یہ صرف محنت سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ دنیا کے دوسرے علوم و فنون ڈاکٹری، ریاضی، سائنس، فلسفہ وغیرہ اور ان میں مہارت و حذاقت سب محنت اور ذہانت سے حاصل ہوسکتے ہیں۔لیکن رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا علم جو ایک نور ہے

اور پھر حضور ﷺ کی نیابت جو عظیم ترین منصب ہے اُس کے لیے محنت و ریاضت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق اور تقویٰ بھی شرط ہے اس لیے میں پورے خلوص اور پیار سے آپ عزیزوں سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی کو اللہ سے تعلق والی اور تقویٰ والی زندگی بنایئے۔ اللہ سے تعلق کا خاص ذریعہ عبادات مثلاً نماز اور تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ وغیرہ ہیں۔ لیکن یہ شرط ہے کہ نماز اور تلاوت اور ذکر کی صرف صورت نہ ہو بلکہ حقیقت ہو اور اُس میں روح ہو...... مجھے یقین کرنا چاہیے کہ آپ سب حضرات نماز پڑھنے والے ہیں۔ میں کئی دن سے گجرات ہی کے مدرسوں کا دورہ کر رہا ہوں جہاں بھی میں نے رات گزاری قریباً ہر جگہ اور ہر مدرسہ میں دیکھا کہ ہمارے طلباء فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے ہیں، مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، لیکن یہ بات خود آپ کے سوچنے کی ہے کہ کیا آپ کی نماز اور آپ کی تلاوت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ حدیث اور تفسیر پڑھنے والے طلباء کی ہونی چاہیے؟

ہم اپنی نماز اور تلاوت کا جائزہ لیں

اگر ایسا ہی ہے تو بہت ہی مبارک ہے، لیکن میرا خیال ہے اور تجربہ یہ ہے کہ عام طور سے ہمارے طلبہ کی نماز اور تلاوت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ہمارے عام مسلمانوں کی ہوتی ہے جو ثنا (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ) اور الحمد شریف اور قل ھو اللہ شریف اور ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ'' اور ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى'' کسی چیز کے بھی معنی نہیں جانتے۔

میرے بھائیو! آپ نے مشکوٰۃ شریف میں حدیث پڑھی ہوگی ......
''انه اذا قام احدكم يصلي فانه يناجي ربه'' یعنی جب اللہ کا کوئی بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ کے حضور میں اور اُس سے ہم کلام ہوتا ہے

اور اس سے اپنے دل کی باتیں کرتا ہے۔اسی طرح آپ نے وہ حدیث بھی پڑھی ہوگی جس میں فرمایا گیا ہے کہ جب بندہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو ہر آیت پر اللہ تعالیٰ اس کو جواب دیتا ہے جب وہ بندہ کہتا ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''حمدنی عبدی'' اور جب بندہ کہتا ہے ''اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اثنیٰ علیَّ عبدی'' اور جب کہتا ہے ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''مجدّنی عبدی'' آگے پوری حدیث آپ کو یاد ہوگی.....تو خدا کے لیے سوچیے کہ جن بھائیوں نے یہ حدیثیں پڑھی ہیں اور وہ اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں اور ان کی تعلیم اتنی ہوگئی ہے کہ نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ اس کا مطلب جانتے ہیں اور اس کے باوجود اُن بے چارے عام مسلمانوں کی طرح جو ایک آیت کا بھی مطلب نہیں سمجھتے توجہ الی اللہ سے اور معنی مطلب سے غافل ہو کر نمازیں پڑھتے ہیں تو سوچیے کہ یہ ان کے لیے کتنے بڑے خسارے کی بات ہے اور وہ اپنے ساتھ کتنا بڑا ظلم کر رہے ہیں ......اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص کی جیب میں ہزاروں لاکھوں کے نوٹ بھرے ہیں اور وہ انھیں ردی کاغذ سمجھ کر اُن سے کام نہیں لیتا......

ہماری نماز اور تلاوت اس کیفیت کے ساتھ ہوں

میرے عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم نصیب فرمایا ہے کہ جس وقت آپ نماز کے لیے اللہ کے حضور میں کھڑے ہوں تو ''انه يناجى ربّه'' کی کیفیت کے ساتھ نماز پڑھیں، اور جب زبان سے عرض کریں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾'' تو آپ کا دل اللہ کی طرف سے ''حمدنی عبدی'' کی آواز سنے اسی طرح ''اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾'' اور ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کہیں تو آپ کا دل ''اثنیٰ علیَّ عبدی'' اور ''مجدّنی عبدی'' کی آواز سنے اور ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' کہیں تو

"ھذا بینی وبین عبدی لعبدی ما سأل" کی بشارت سنے...... اسی طرح جب تلاوت کریں تو آپ کو یہ دھیان ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میری تلاوت سن رہا ہے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ اللہ کیا ارشاد فرما رہا ہے پھر جب وہ آیتیں آئیں جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کا یا جنّت کا ذکر ہو تو اللہ سے اس کے لیے دعا کریں اور جہاں اللہ تعالیٰ کے قہر وجلال کا اور دوزخ کا ذکر آئے تو وہاں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں، آپ حضرات نے پڑھا ہوگا کہ حضور ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔

یہ ولایت کا راستہ ہے

تو میرے بھائیو! اگر آپ صرف اتنا ہی کر لیں کہ نماز اُس طرح پڑھیں کہ جس طرح آپ کو پڑھنی چاہیے اور تلاوت اس طرح کریں جس طرح ہونی چاہیے تو اللہ تعالیٰ کا تعلق حاصل ہونے کے لیے ان شاء اللہ اتنا بھی کافی ہے اور اگر اس کے ساتھ تھوڑے سے ذکر وتسبیح کی بھی عادت ہو جائے تو پھر ان شاء اللہ نور ہی نور ہے...... خدا کے لیے اس راستے پر چل کر دیکھو پھر دیکھو خدا کی طرف سے کیا معاملہ ہوتا ہے؟ میرے بھائیو! یہ ولایت کا راستہ ہے اور دوسروں کی بہ نسبت آپ کے لیے بہت آسان ہے۔

ہمارے اکابر طلبہ کو کیوں بیعت نہیں کرتے تھے

شاید آپ نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے سنا ہو کہ ہمارے اکابر حضرت گنگوہی وغیرہ طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے جب تک وہ فارغ نہ ہو جائیں ان کو سلوک کے ذکر وشغل میں مشغول ہونے سے منع کرتے تھے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے خود اپنا واقعہ لکھا ہے کہ میں نے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت نے قبول نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا کہ شیطانی وسوسہ ہے، یعنی وہ علم

نبوی کے شغف وانہماک سے ہٹا کر دوسری طرف لگا دینا چاہتا ہے تاکہ ناقص رہ جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس زمانے میں خاص کر ہمارے علمی حلقہ میں اس بیعت کا رواج نہیں تھا جو ہمارے زمانے میں چل پڑا ہے کہ بزرگوں سے بس بیعت تو ہو جاتے ہیں کرنا کرانا کچھ نہیں ہوتا بلکہ جو بیعت ہوتا ہے وہ سلوک کے مشاغل شروع کر دیتا تھا تو اگر حضرت تھانویؒ جیسے حضرات طالب علمی کے زمانہ میں بیعت ہوتے تو سلوک کے اذکار ومشاغل کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا تو پھر ذکر کے آثار وانوار اور واردات اور کیفیات کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ علم کی طرف توجہ کم ہو جاتی، جب آدمی ذکر کی لائن پر چل پڑتا ہے تو اس کے اس سے زیادہ لذیذ اور مرغوب کوئی چیز نہیں ہوتی تو پھر وہ اسی کا ہو جاتا ہے پھر وہ ہدایہ، اور توضیح تلویح اور بیضاوی اور امور عامہ اور خیالی جیسی مشکل اور خشک کتابوں میں مغز زنی نہیں کر سکتا، اس کی دنیا ہی بدل جاتی ہے...... تو اگر حضرت تھانویؒ طالب علمی کے زمانہ میں بیعت ہو کر سلوک کے ذکر وشغل میں لگ جاتے تو بس ایک بزرگ ہو کے رہ جاتے علم کا وہ مقام ہرگز نہ حاصل ہوتا جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، وہ حکیم الامت مجدد الملت نہ ہوتے اور وہ سینکڑوں اصلاحی تصانیف امت کو نہ ملتیں جو ان شاء اللہ صدیوں صدیوں تک ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی...... تو میرے بھائیو! ہمارے اکابر حضرت گنگوہیؒ وغیرہ طالب علموں کو اس لیے بیعت نہیں فرماتے تھے کہ ذکر وشغل میں لگ کر وہ علم سے نہ رہ جائیں۔

ضرورت کے بقدر تقویٰ مدرسہ کے ماحول میں ملتا تھا

یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ طالب علموں کو تعلق باللہ کی اور تقوے اور اصلاح کی ضرورت نہیں...... اُس زمانہ میں مدرسوں کی یہ بہتات اور بھرمار نہیں تھی، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کا بھی ابتدائی دور تھا اور ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے

کہ اس وقت کا حال یہ تھا کہ دارالعلوم کا دربان بھی صاحبِ نسبت ہوتا تھا۔ وہاں کی پوری فضا تعلق باللہ اور تقوے کی فضا تھی اور طالب علمی کے زمانہ میں جس درجہ کا تعلق باللہ اور جس درجہ کا تقویٰ اور جس درجہ کی اصلاح ضروری ہے وہ مدرسہ میں رہ کر آپ سے آپ نصیب ہوجاتا تھا۔

میرے ایک استاد تھے حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ وہ میرے اساتذہ میں اس لحاظ سے میرے سب سے بڑے محسن ہیں کہ زیادہ تر درسی کتابیں میں نے انہیں سے پڑھیں، وہ میرے تعلیمی سرپرست بھی تھے، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اُن کے سپرد کر دیا تھا۔ میں نے ۴ سال اُن سے پڑھا اور اُن کے ساتھ اس طرح رہا کہ ان ہی کے کمرہ میں رہتا اور سوتا تھا، انہوں نے صرف آخر کے دو سال دارالعلوم دیوبند میں پڑھا تھا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے ہم سبقوں میں تھے۔ حالانکہ انہوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی زمانہ پایا لیکن مجھے معلوم نہیں کیوں انہوں نے سلوک اور ذکر شغل کی طرف بالکل توجہ نہیں کی، اس لیے کسی بزرگ سے بیعت بھی نہیں کی لیکن دارالعلوم میں صرف پڑھنے اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ اساتذہ کی صحبت و محبت کی برکت سے وہ تقویٰ نصیب تھا کہ اگر ہمیں نصیب ہوجائے تو سب کچھ ہے۔

آج مدارس کی فضا اور ماحول بدل گیا ہے

لیکن اب ہمارے مدرسوں کی فضا وہ نہیں رہی کہ تقوے اور اصلاح کے لیے اور تعلق باللہ کے لیے مدرسہ میں رہنا اور پڑھنا کافی ہو، آج مدرسوں کی جو فضا ہے وہ میرے آپ کے سب کے سامنے ہے۔ اس لیے خود حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء اور اُن کے خلفاء کے خلفاء نے اپنا رویہ بدل دیا اور طالب علموں کو بھی بیعت فرمانے لگے۔ اس

لیے میں آپ کو خلوص سے اور اصرار سے مشورہ دیتا ہوں کہ اسی طالب علمی کے زمانہ میں کم از کم نماز اور تلاوت اور تھوڑے سے ذکر کا خاص اہتمام کیجیے۔ اگر آپ اس معاملہ میں غفلت کریں گے تو اگرچہ آپ پڑھیں گے بخاری اور مسلم اور جلالین اور بیضاوی لیکن شیطان آپ کو اپنا بنالے گا.......... میرے بھائیو! ایک بات پتہ کی کہتا ہوں یہ ہماری طالب علموں یا علماء کی جو برادری ہے اس کے لیے دو ہی راستے ہیں یا ہم اللہ والے ہوں گے اور یا خدانخواستہ پھر شیطان کے ہوں گے۔ ہمارے لیے بیچ کا راستہ نہیں ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ ابھی سے اللہ سے تعلق پیدا کرو اور تقویٰ اختیار کرو.......... یعنی جن باتوں کو اللہ نے گندہ اور گناہ قرار دیا ہے، اُن سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، اللہ کا تعلق اور اللہ کی رضا نصیب ہونے کی یہ خاص شرط ہے...... اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے اگر کوئی شخص گندگیوں اور گناہوں اور ان باتوں سے بچنے کی فکر نہیں کرتا جو خدا کو ناراض کرنے والی ہیں تو وہ اپنے لیے خدا کی رحمت اور مقبولیت کے دروازے بند کرلیتا ہے...... میرے بھائیو! آپ کا منصب نبوت کی وراثت اور نیابت کا منصب ہے۔ آپ کو اس کے لیے اپنے کو تیار کرنا ہے۔ اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کو گندہ اور حرام قرار دیا، جہاں تک ہوسکے اپنی زندگی کو اُن سے پاک رکھا جائے۔ (**لایمسه الا المطهرون**)

گناہ ہوجانے پر سچی پکی توبہ کرلو

یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ایک تو بندہ کا یہ حال ہے کہ وہ سچے دل سے ارادہ اور عزم کرلیتا ہے کہ گناہ سے بچے گا لیکن نفس کے فریب اور شیطان کے بہکانے سے وہ کبھی اس میں مبتلا ہوجاتا ہے اور پھر جب اللہ کی توفیق سے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو اللہ کے سامنے روتا ہے، توبہ کرتا ہے اور معافی مانگتا ہے، تو یہ تو انشاء اللہ

بالکل مضر نہیں ہے، بلکہ زندگی میں بار بار ہو جب بھی مضر نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ توبہ اور استغفار سچے دل سے ہو۔ اللہ تعالیٰ دلوں کا حال جانتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے ہی بندوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے : وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ [سورۂ آل عمران:۱۳۵] (آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن بندوں کا حال یہ ہے کہ جب اُن سے کوئی گندی معصیت سرزد ہوجاتی ہے یا کوئی گناہ مجرمانہ ہوجاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کر کے رنجیدہ اور پشیمان ہوتے ہیں اور اللہ سے گناہوں کی معافی اور بخشش کی استدعا کرتے ہیں (اور گناہوں کا بخشنے والا بس اللہ ہی ہے) اور جو گناہ اُن سے ہوگیا اُس پر دانستہ اصرار نہیں کرتے (یعنی آئندہ اُس سے باز رہنے کا عزم کرلیتے ہیں) اُن کے لیے بھی اللہ کی طرف سے مغفرت اور جنت کا وعدہ ہے۔ آگے ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔

سچی توبہ رفع درجات کا ذریعہ ہے

بلکہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ بعض بندے وہ ہوتے ہیں جن کی اسی راستہ سے ترقی ہوتی ہے کہ اُن سے گناہ سرزد ہوجاتا ہے پھر اُس کے رنج وغم سے اُن کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اللہ کے حضور میں خوب روتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں، اُس سے اُن کے درجات میں وہ ترقی ہوجاتی ہے جو عبادتوں سے نہیں ہوسکتی۔ اُس سے معلوم ہوا کہ بندہ کا یہ حال کہ وہ گناہوں سے بچنے کا ارادہ اور عزم کرلے۔ لیکن نفس کے فریب یا شیطان کے بہکانے سے یا کسی وقتی خراب جذبہ سے اُس سے گناہ ہوجائے اور پھر اُسے رنج وغم ہو اور وہ سچے دل سے توبہ اور استغفار کرلے یہ حالت مضر نہیں ہے بلکہ مقام ولایت کے منافی بھی نہیں ہے، معصوم

توصرف انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے فرشتے ہیں۔ ہاں یہ چیز اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی اور اس کی رحمت اور مقبولیت سے محروم کردینے والی ہے کہ بے فکری اور بے باکی سے گناہ ہوں اور معصیتیں عادت بن جائیں۔

خدارا اپنے آپ کو پہچانو!

میرے عزیز بھائیو! خدا کے لیے اپنے آپ کو پہچانو! تم رسول اللہ ﷺ کی جماعت میں داخل ہو چکے ہو، آپ کے لشکر کے سپاہی ہو، حضور ﷺ کی نیابت و وراثت کی ذمہ داری سنبھالنے کی تیاری کر رہے ہو، ایسی صورت میں اگر تم بھی دنیا کے عام آوارہ لوگوں کی طرح گناہوں اور معصیتوں سے دلچسپی رکھو، تم بھی سینما دیکھو اور بدنظری کے ساتھ سڑکوں پر آوارہ گردی کرو معاف کرنا تو تمہاری مثال اُس شہزادہ کی ہے جو کسی سڑی ہوئی بھنگن یا چماری سے لگاؤ رکھے...... اگر اللہ تعالیٰ حقیقت دیکھنے والی نگاہ عطا فرمائے تو اس زندگی کے ساتھ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنا بالکل ایسا ہے جیسا کہ قرآن شریف یا بخاری شریف کو ناپاک غلاف میں رکھنا...... میں پھر کہتا ہوں اپنے کو پہچانو اور رسول اللہ ﷺ سے اپنی نسبت کو صحیح کرو!

شیطان کا مکر وفریب

بہت سے عزیز بھائی اس طرح سوچتے ہیں یا شیطان اُن کے دل میں ڈالتا ہے کہ ابھی عمر ہی کیا ہے، یہی تو ہمارے کھیلنے کودنے کے اور دنیا کے مزے چکھنے کے دن ہیں، ابھی تو طالب علمی ہے، آگے چل کر ہم بھی اپنے بزرگوں والی زندگی اختیار کرلیں گے...... آپ خود ہی سوچیں کہ یہ آپ کا اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم ہے...... میرے عزیزو! مثال اچھی نہیں ہے لیکن بات بالکل سچی ہے کہ بڑھاپے میں تو سنا ہے رنڈیاں بھی توبہ کر کے تسبیح ہاتھ میں لے لیتی ہیں...... آپ نے وہ حدیث پڑھی یا سنی ہوگی جس میں حضور ﷺ

نے فرمایا ہے کہ سات اللہ کے بندے وہ ہیں جو قیامت کے دن، جب اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، وہ اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے، اُن میں ایک ہے۔ ''شاب نشأ في عبادة الله''...... یعنی وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری میں بڑھا اور پروان چڑھا...... یعنی جس نے شروع ہی سے عبادت اور تقوے والی زندگی اختیار کرلی) تو اگر اب تک آپ نے خیال نہیں کیا تھا تو اب حضور کی یہ حدیث سن کر اپنے کو ایسا بنانے کا فیصلہ کرلیجیے اور عرش الٰہی کے سایہ کا استحقاق بھی حاصل کرلیجیے !...... یہ وہ نعمت ہے جس کو آپ ہی اس وقت کے فیصلہ سے حاصل کر سکتے ہیں، میں اگر چاہوں تو حاصل نہیں کرسکتا کیوں کہ میری عمر تو اب ستر کے قریب پہنچ چکی ہے، اللہ تعالیٰ آپ عزیزوں کو توفیق دے کہ اس نوجوانی میں فیصلہ کر کے اُن خوش نصیبوں کی صف میں آجائیں جو قیامت کے سخت ترین دن میں عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے۔

اپنے آپ کو دعا والا بنایئے

اس کے بعد بس ایک آخری بات آپ بھائیوں سے اور عرض کرنا ہے خدا توفیق دے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا نائب و وراث بننا ہے اور آپ کے والے کام کی ذمہ داری سنبھالنا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو حضور ﷺ سے خاص نسبت اور مناسبت حاصل ہو اور آپ کے خصوصی اور امتیازی اوصاف میں آپ کا حصہ ہو۔ میں نے اس پر بہت غور کیا ہے کہ حضور ﷺ کی ذات پاک میں کس وصف کا غلبہ ہے؟ یوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے ہی کمالات عطا فرمائے ۔آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' لیکن آپ کی زندگی اور آپ کے احوال میں غور کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کے اوصاف میں سب سے زیادہ غالب وصف دعا اور اللہ سے مانگنا ہے۔ دنیا میں کسی نے اللہ سے اتنا نہیں مانگا جتنا آپ نے مانگا اور ایسے سوز و گداز سے اور لاچاری و محتاجی کے ایسے شدید احساس اور الحاح کے ساتھ کسی نے نہیں مانگا جیسا آپ نے اللہ

سے مانگا۔حدیث کی کتابوں میں حضور ﷺ کی جو سیکڑوں دعائیں مروی ہیں آپ اُن کو غور سے پڑھیئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر دعا میں نیاز مندی اور عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے یہ دعائیں آپ کا خاص الخاص ورثہ ہیں ......تو میرا آخری مشورہ یا آخری نصیحت آپ بھائیوں کو یہ ہے کہ ان دُعاؤں سے خاص مناسبت پیدا کیجیے۔

دعا کی حقیقت

یہ بھی یاد رکھیے کہ دُعا کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے لیے دُعا کرنا ہو دل میں اُس چیز کی طلب اور حاجت مندی کا احساس ہو جس طرح پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے اور اللہ کے کرم پر اعتماد کر کے اس یقین کے ساتھ مانگے کہ وہ چیز بس اُس کے خزانے میں اور اُس کی قدرت میں ہے اور وہ اپنے کرم سے مجھ محتاج اور بھکاری کو عطا فرمائے گا۔

دُعا اگر دل سے نہ ہو، بس زبان بول رہی ہو اور ہاتھ اُٹھے ہوئے ہوں تو وہ دُعا نہیں ہے، دُعا صرف وہی ہے جو دل سے ہو۔دُعا دراصل دل کا عمل ہے زبان سے تو اس کا بس ظہور ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ ہاتھوں کا اُٹھنا اور زبان سے دُعا کے الفاظ کا نکلنا دُعا کی صورت اور اس کی ظاہری شکل ہے۔دُعا کی حقیقت توجہ کے ساتھ دل کی طلب اور دل کا اللہ سے مانگنا ہے۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب آدمی کو رنج وغم ہوتا ہے تو وہ روتا ہے، اُس کے منہ سے رونے کی آواز نکلتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں...... لیکن یہ رونے کی آواز اور آنکھوں کے آنسو رنج وغم کی اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ اس کی ظاہری شکل وصورت ہے اصل رنج وغم وہ ہے جو دل میں ہوتا ہے اور آنکھوں سے اور منہ سے اس کا صرف ظہور ہوتا ہے۔

دُعا دل کی توجہ کے ساتھ ہو

آج ہماری عام حالت یہ ہے کہ کم از کم فرض نماز کے بعد ہم دُعا کرتے ہیں اور

بعض اوقات خوب دیر تک دُعا کرتے ہیں لیکن یہ دُعا صرف زبان کی اور ہاتھوں کی ہوتی ہے، دل متوجہ نہیں ہوتا۔ بسا اوقات خود میرا یہی حال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارا حال درست فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دُعا نہیں ہے دُعا کی صرف صورت ہے...... آپ ابھی سے اس کی عادت ڈالیے کہ آپ کی دُعا اصلی دُعا ہو، اور حقیقی دُعا ہو، دُعا کی صرف شکل و صورت نہ ہو، خاص کر تنہائی میں دل کی پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالیے، اس سے ایمان کی حقیقت مانگیے، علم و معرفت مانگیے، نماز کی حقیقت اور تقویٰ مانگیے، دین کی خدمت کی توفیق مانگیے، تنہائیوں میں رو رو کے اور تڑپ تڑپ کے مانگیے پھر دیکھیے اللہ تعالیٰ کا کیسا فضل ہوتا ہے۔

دُعائیں حضور ﷺ کا خاص الخاص ورثہ

خاص کر حضور ﷺ کی ماثور دُعاؤں سے مناسبت پیدا کیجیے حدیث کی ہر کتاب میں کتاب الدعوات ہے جس میں مختلف موقعوں کی حضور ﷺ کی سیکڑوں دُعائیں جمع کر دی جاتی ہیں، یہ دُعائیں حضور ﷺ کا خاص الخاص ورثہ ہیں اور بڑا بیش بہا خزانہ ہے اور اس کی کنجی ہمارے آپ کے ہی پاس ہے جو ان مدرسوں میں حدیث کی کتابیں پڑھتے ہیں، افسوس ہمیں اس خزانے کے جواہرات کی قدر نہیں، اگر کوئی ایسا آلہ یا میٹر ہوتا جس سے آخرت کے لحاظ سے چیزوں کی قدر و قیمت جانچی جاسکتی تو معلوم ہوسکتا کہ حضور ﷺ کی چھوٹی چھوٹی دُعائیں دُنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ اُس کی اس نعمت کی قدر جانیں اور اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے اس عربی تعلیم اور ہمارے اِن دینی مدرسوں کی برکت سے ہمارے لیے اس خزانے کا دروازہ کھول دیا ہے ...... ذرا حضور ﷺ کی اِن دُعاؤں کے مضامین پر غور تو کیجیے! حضور ﷺ کی ایک مشہور مختصر دُعا ہے۔ ”اللھم اجعلنی اخشاك كانی اراك ابدا حتی القاك و اسعدنی

بتقواك ولا تشقنی بمعصيتك۔"

اسی طرح ایک دوسری دُعا ہے: اللھم انی اسألك ایمانا دائما واسألك قلبا خاشعا واسئلك ایمانا صادقا واسألك دينا قيما واسألك العافية من كل بلية واسالك دوام العافية واسألك الشكر على العافية واسألك الغنى عن الناس ولا حول ولا قوة الا بالله۔"

ذرا ان دُعاؤں کے مضامین پر غور تو کیجیے، ان میں کیا کیا مانگا گیا ہے اور ان میں کیا روح بھری ہوئی ہے؟...... اگر حدیثوں میں ان دُعاؤں کو پڑھ کر ہم اپنی دُعائیں نہ بنائیں تو ہماری بدقسمتی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

تو میرے بھائیو! میری آخری نصیحت یا آخری مشورہ آپ عزیزوں کو یہ ہے کہ دُعا اور اللہ سے مانگنا اور الحاح کے ساتھ مانگنا جو حضور ﷺ کی خاص الخاص صفت ہے اُس کو اپنی عادت بناؤ۔ دل کی پوری توجہ کے ساتھ اور اللہ کے کرم پر بھروسہ کر کے اُس سے اپنی ہر طرح کی ضروریات مانگا کرو۔ دنیا کی ضرورتیں بھی مانگو، آخرت میں رحمت اور جنت بھی مانگو، ایمان اور تقویٰ اور ذکر و عبادت کی حقیقت بھی مانگو، علم نبوی کی دولت بھی مانگو، اللہ اور اُس کے رسول پاک کی محبت بھی مانگو۔

نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ولایت کا دروازہ بند نہیں ہوا

اللہ تعالیٰ سب کچھ عطا فرمانے والا ہے۔ اُس نے کسی بڑے سے بڑے کمال پر مہر نہیں لگائی ہے۔ اُس نے ہرگز ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ جو اگلوں کو دے دیا گیا وہ بعد والوں کو نہیں دے گا۔ امام رازی اور امام غزالی ہمارے سر کے تاج ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ علم کا جو درجہ ان کو دے دیا گیا اب کسی کو نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اگلے زمانوں کے تمام اولیاء کرام ہمارے اکابر ہیں ہم اُن کے

پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہرگز ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ ولایت کا جو مقام ان کو دیا گیا تھا اب کسی کو عطا نہیں ہوگا بلکہ جو بندہ کوئی کمال اور کوئی درجہ حاصل کرنے کی اخلاص کے ساتھ جدو جہد کرے اور اس کی شرائط پوری کرے اور اللہ سے مانگے جیسا کہ مانگنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ آج بھی عطا فرمائے گا۔

اسلاف کے طریقہ پر چل کر آپ سب کچھ پا سکتے ہیں

میرے عزیزو! تم سب کچھ بن سکتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے وہ سب کچھ لے سکتے ہو جو اس نے ہمارے اکابر اور اسلاف کو عطا فرمایا تھا مگر شرط یہی ہے کہ اُن کے طریقہ پر چلو اپنے کو پہچانو، اپنے منصب، مقام اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو، اپنے اسلاف کی طرح طالب علم اور طالب دین اور طالب خدا بن جاؤ۔ اللہ و رسول کا علم حاصل کرنے کے لیے عشق والی محنت کرو، عبادت و تقویٰ اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق پیدا کرو، ابھی سے اتباع سنت کا ذوق پیدا کرو۔ حضور ﷺ کی خاص الخاص صفت دُعا اور اللہ سے مانگنے کو اپناؤ اور ماثورہ دُعاؤں سے مناسبت پیدا کرو اور اُن کو اپنی دُعا بنالو، یہ دُعائیں حضور ﷺ کا چھوڑا ہوا بیش بہا خزانہ ہے، اس نعمت کی قدر کرو کہ اس خزانے کا دروازہ ہمارے لیے کھولا گیا ہے اور ہمیں اُس تک پہنچا دیا گیا ہے۔

میرے عزیز بھائیو! اس وقت جو کچھ میں نے آپ سے کہا وہی اپنے نفس کو بھی میری نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کی توفیق دے۔ میں قیامت میں اس پر نہ پکڑا جاؤں کہ دوسروں کو اچھی اچھی باتیں بتاتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا اور آپ اس پر نہ پکڑے جائیں کہ تم نے سب کچھ سنا اور عمل نہیں کیا۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٨﴾ [سورۂ زمر: ۱۷ تا ۱۸]

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ---------- (۳۲)

مرکز سعادت

{خطاب}

حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اقتباس

ابھی آپ دوسروں کی نگرانی میں رہتے ہیں اور یہاں رہ کر آپ صالح بن رہے ہیں...... مگر یہاں سے جانے کے بعد آپ خود نگراں بنیں گے اور آپ کو مصلح بننا ہوگا، پھر آپ کے سامنے مختلف قسم کے مسائل آئیں گے اور اس کے مطابق آپ کو تدابیر اختیار کرنا پڑیں گی، آپ کے سامنے ملک وقوم کے حالات ہوں گے، آپ کے سامنے شرک و بدعت کا میدان ہوگا اور عیسائیت و یہودیت سے بھی مقابلہ رہے گا۔

اگر آپ نے ان کاموں کے لیے ابھی سے تیاری نہ کی اور محنت و مشقت کر کے میدان کو ہموار نہ کرلیا تو آگے چل کر آپ کو جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا وہ ظاہر ہے۔

پیراگراف از بیان حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

فاتحۃ الکلام

بزرگانِ محترم، برادران عزیز! آپ حضرات کی دعوت پر میں حاضر تو ہو گیا لیکن سوچتا ہوں کہ آپ کے سامنے کیا کہوں ظاہر ہے کہ جو کچھ کہوں گا وہ آپ جانتے ہیں۔ ایسی کوئی نئی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے جو آپ کے علم میں نہ ہو اور میں اسے علم میں لاؤں۔

آپ جانتے ہیں کہ دُنیا میں علم کی دولت سب سے بڑی دولت ہے اور علم کی روشنی سب سے بڑی روشنی ہے۔ آپ کو سورج کی روشنی سب سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ پورے عالم میں پھیلی دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس کے ذریعہ صرف رنگ اور صورت کا علم ہوتا ہے۔ لیکن علم کی روشنی اسلام اور کفر بتلاتی ہے سنت و بدعت میں امتیاز سکھاتی ہے۔ حق و باطل کی پہچان کا ذریعہ ہوتی ہے۔......... یہ انبیاء علیہم السلام کا طفیل ہے۔ ان کی جوتیوں کا صدقہ ہے اور ان حضرات کا لاکھ لاکھ کرم و احسان ہے کہ انھوں نے علم کی روشنی پیش کی جو ہمارے لیے اچھائی برائی بھلے اور برے کے درمیان تمیز کا ذریعہ بنی۔

تحصیل علم

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ علم تعلیم سے آتا ہے اور آپ سبھی حضرات تعلیم میں مشغول ہیں۔ اسباق میں حاضری ہے، مطالعہ ہے، آپس میں مذاکرہ ہے۔ غرض کہ رات دن آپ علم ہی کے حصول میں لگے رہتے ہیں۔ اس لیے اس کی نصیحت کرنا تحصیل حاصل ہے اور اگر عمل کے سلسلے میں کچھ کہا جائے تو آپ کہیں گے کہ سب سے بڑا عمل خود علم کا حصول ہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضراتِ فقہاء کے درمیان جب یہ بحث ہوئی کہ کثرت نوافل افضل ہے یا زیادہ علم...... تو کثرت سے فقہاء زیادہ علم ہی کی افضلیت کے قائل ہوئے۔ آپ حضرات تحصیل علم میں لگے ہوئے ہیں، جو سب سے بڑا عمل ہے۔ اس کے علاوہ فرائض وغیرہ کی ادائیگی میں بھی آپ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوتی۔ نماز کے لیے آپ جوق در جوق آتے ہیں ہر وقت مسجد بھری ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ دارالعلوم کی مسجد تو آپ سے پر رہتی ہی ہے۔ شہر کی مسجدیں بھی آپ لوگوں سے آباد ہیں لہٰذا اگر عمل کے سلسلے میں کچھ عرض کروں تو بھی کہیں گے کہ عمل تو ہم کر ہی رہے ہیں۔

جہاں تک آپ لوگوں کی اخلاقی حیثیت کا تعلق ہے وہ بھی درست ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ اگر ہم پچھلوں کے اخلاق سے موازنہ کرتے ہیں تو کچھ کمی محسوس ہوتی ہے لیکن اگر ہم دورِ حاضر کے دوسرے طبقوں کے اخلاق و کیریکٹر پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں نہ صرف یہ کہ آپ لوگوں کے اخلاق کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے بلکہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آپ حضرات ہی کا طبقہ ہے جو اس اخلاقی قحط کے دور میں بھی اپنی ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں بھی کچھ کہنا فائدے سے خالی ہی ہوگا اور اصولی و نوعی طور پر یہی کچھ دائرے تھے کہ جن کے متعلق کچھ کہا جا سکتا تھا اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ ساری

چیزیں آپ کو حاصل ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کونسی چیز آپ حضرات کے سامنے رکھی جائے جو مفید ہو۔

محروم القسمت کا حال

اس وقت مجھے مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ اور مقولہ یاد آیا وہ یہ کہ آپ جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت ہو کر واپس ہوئے تو کافی عرصے تک کوئی خط وکتابت نہیں کی۔ آخر کار حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا کے پاس ایک خط لکھا کہ جملہ مستوسلین کے خطوط برابر آتے رہتے ہیں جس سے ان کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ایک مدت گذری آپ کی کوئی حالت معلوم نہ ہو سکی، اپنے حالات لکھیے تا کہ اندازہ ہو سکے۔

مولانا نے جواب دیا اور ابتداء اس طرح کی:

''حضرت مجھ محروم القسمت کا تو کوئی حال ہی نہیں اگر کوئی حال ہوتا تو عرض کرتا، پھر اخیر میں لکھا کہ البتہ حضرت کی جوتیوں کے طفیل میں تین باتیں اپنے اندر پاتا ہوں۔ ایک یہ کہ امور شرعیہ امورِ طبعیہ بن گئے ہیں گویا نماز روزہ اور دوسری عبادات ادا کرنے کے لیے ایسا مجبور ہوں جیسے بھوک کے وقت کھانے کے لیے اور پیاس میں پانی کے لیے ...... دوسری بات یہ کہ مادح و ذام یکساں نظر آتے ہیں کوئی ہزار تعریف کرے، ہزار مذمت کرے نفس میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ گویا مخلوق کچھ بھی کہتی رہے اس کی نہ کچھ پرواہ ہوتی ہے اور نہ قلب پر کوئی اثر ہوتا ہے......

اور تیسرے یہ کہ نصوصِ شرعیہ میں کہیں تعارض نہیں معلوم ہوتا۔ تعارض تو کیا موزونیت اتنی معلوم ہوتی ہے کہ ہر کلی اپنی جگہ پر ٹھیک اور درست دکھائی دیتی ہے۔

مرکزِ سعادت

امورِ شرعیہ امور طبعیہ بن جائیں یہ قوت عملیہ سے ہوتا ہے اور لوگوں کی تعریف و برائی کا یکساں معلوم ہونا قوت اخلاقی کا تقاضہ ہے۔قوتِ عملی کی انتہا یہ ہے کہ آدمی میں طاعت کی رغبت اس درجہ پیدا ہو جائے کہ بغیر اس کے کیے ہوئے چین ہی نہ آئے قوتِ اخلاقی کی انتہاء یہ ہے کہ اس درجہ غنا پیدا ہو جائے کہ لوگوں کی تعریف اور برائی یکساں معلوم ہونے لگے۔

اسی طرح قوتِ علمی کی انتہاء یہ ہے کہ قرآن وسنت کی ہر چیز اپنی جگہ پر بالکل درست اور ٹھیک معلوم ہو اور شریعت اسلامیہ ایک گلدستہ نظر آتی ہو۔سعادت انسانی کے لیے انہیں تین چیزوں کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے......

(۱)علمی قوت (۲)عملی قوت (۳)اخلاقی قوت

اور آپ ایسی جگہ میں ہیں جو علمی، عملی، اخلاقی قوتوں کا مرکز ہے۔جہاں ایسی ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جو ہر اعتبار سے کامل ومکمل تھیں...... میں اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ ایسی باکمال شخصیتوں کی شکلیں دیکھی ہیں۔بعض سے کچھ استفادہ کا بھی موقعہ ملا۔ استاذ محترم علامہ انور شاہ کشمیریؒ، اللہ اکبر، چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔اتباع سنت کا یہ حال کہ ان کے عمل کو دیکھ کر مسائل نکالے جاتے تھے۔ایسے ہی حضرت شیخ الہندؒ ان تمام حضرات کی زیارت کے شرف کے ساتھ ساتھ ان سے کچھ استفادہ کا بھی موقعہ ملا۔استاذ محترم حضرت تھانویؒ کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور حسبِ توفیق استفادہ کا بھی شرف نصیب ہوا۔یہ ایسی جگہ ہے کہ جہاں کا ایک ایک شخص پوری پوری قوم کے برابر ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ملک کے گوشے گوشے میں مواعظ کہے اور ایک ہزار کے قریب تصانیف کیں۔بہت سے علماء مل کر بیٹھیں تو بھی اتنا کام مشکل سے ہو سکے گا۔حق تعالیٰ

نے آپ سے ایسے کام لیے جس کا ایک قوم اور ایک جماعت سے ہونا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

جائے بزرگاں بجائے بزرگاں

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان بزرگوں کے اثرات اس جگہ اور اس ادارہ میں نہ ہوں ایک پھول کپڑے کو لگ جاتا ہے تو اس پر اپنے اثرات چھوڑ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے دیر تک کپڑے سے خوشبو آتی رہتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے شجرۃ الرضوان کے نیچے بیٹھ کر چودہ سو صحابہ سے بیعت لی اور آپ ﷺ کے اس تھوڑے سے قیام کی وجہ سے اس جگہ کو آپ سے ایک نسبت حاصل ہوگئی تھی اور وہ جگہ مقدس و متبرک ہوگئی تھی چنانچہ حضراتِ صحابہؓ ان برکات کو محسوس کرتے تھے، اس درخت کے نیچے بیٹھتے تھے، دعائیں مانگتے تھے......

بعد میں حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا، ابھی تو خیر القرون ہے اور اس درخت کے ساتھ اُمت کی عقیدت کا یہ حال ہے بہت ممکن ہے کہ کل کو ایسی نسلیں آئیں جو عقیدت میں غلو سے کام لیں اور اس کی وجہ سے شرک و بدعت کا دروازہ کھل جائے اس درخت کو کٹوادیا......

اس واقعہ سے آپ کو یہ بتانا تھا کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں، والا مقولہ بالکل صحیح ہے۔ پس یہ ادارہ جہاں اکابر اولیاء اور اپنے وقت کے مسلم قطب وولی رہ چکے ہیں ان کے پاکیزہ اثرات سے اس کے درودیوار کب خالی رہ سکتے ہیں......

حاصل یہ کہ آپ ایک ایسے ادارے میں ہیں جسے طرح طرح کی نسبتیں اور تقدس حاصل ہے جو برکات یہاں ملتی ہیں وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتیں۔ دار العلوم کی ایک ایک جگہ کے بارے میں اکابرین کے مکاشفات ہیں۔ نودرہ کی عمارت کے بارے میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا مکاشفہ ہے کہ عرش سے ایک مسلسل لڑی ہے جو نودرہ کی

درسگاہوں تک پہنچتی ہے چنانچہ تجربہ یہ ہیکہ جتنا یہاں بیٹھ کر کتابیں سمجھ میں آتی ہیں۔ دوسری جگہ نہیں آتیں۔نودرہ کے سامنے کی جگہ جہاں جنازہ رکھا جاتا ہے اس کے متعلق مولانا یعقوب صاحبؒ کا مکاشفہ ہے کہ جس کے جنازے کی نماز یہاں ہوجائے وہ مغفور ہوتا ہے......

الہامی درسگاہ

بھائی! یہ مدرسہ الہامی مدرسہ ہے اس کا آغاز بھی الہام سے ہوا ہے۔اس کی تعمیر بھی الہام سے ہوئی اور طلباء کا داخلہ بھی الہام سے ہی ہوتا ہے بلکہ بعض واقعات سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس کے اساتذہ کا تقرر اور تعین بھی خاص زاویوں میں ہوتا ہے اور یہاں کی خدمت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔اس مدرسہ کا آغاز اور مدرسوں کی طرح کسی رسمی مشورے سے نہیں ہوا بلکہ وقت کے اکابرومشائخ کا ایک اجماع سا ہے......

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ دارالعلوم کی تاسیس کے وقت میں کسی کو کشف ہوا کہ یہاں پر ایک دینی مدرسے کی بنیاد ڈالنی چاہیے......کسی نے خواب میں دیکھا کہ یہاں پر ایک مدرسہ کا قیام ہونا چاہیے......کسی پر القا ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام کا تحفظ دینی اداروں سے ہی ہوسکتا ہے۔اسی طرح تعمیر کے وقت بنیاد کھودنے کے لیے کچھ نشانات لگادیئے گئے جتنا احاطہ اب ہے اس سے آدھے پر نشان لگایا گیا تھا......

الہامی اہتمام

دارالعلوم کے سب سے پہلے مہتمم حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تارک الدنیا اور نہایت ہی قوی النسبت بزرگ تھے، نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ کتاب پڑھ سکتے تھے۔مولانا نانوتویؒ نے انہیں بلایا اور اہتمام پیش کیا، آپ نے قبول کرنے سے انکار

کردیا اور فرمایا کہ میں نہ تو لکھنا جانتا ہوں نہ پڑھنا، مجھے مہتمم بنا کر کیا کیجیے گا۔ حضرتؒ نے فرمایا نہیں۔ منجانب اللہ یہی مقدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی اہتمام قبول کریں۔ چنانچہ آپ نے قبول فرمالیا۔

الہامی طلباء

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ مولسری کے احاطہ میں جو کنواں ہے اس کی من پر حضور ﷺ تشریف رکھتے ہیں اور دودھ تقسیم فرمارہے ہیں۔ دودھ لینے والوں میں سے بعض کے ہاتھ میں گھڑا ہے بعض کے ہاتھ میں لوٹا ہے اور کسی کے ہاتھ میں پیالہ ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہے وہ ہاتھ پھیلا کر چلو ہی سے پی لیتا ہے......

حضرت جب بیدار ہوئے تو مراقبہ فرمایا کہ آخر یہ کیا چیز ہے۔ کچھ دیر مراقب رہنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ دودھ صورتِ مثالی علم کی ہے۔ اور قاسم العلوم نبی اکرم ﷺ ہیں اور آپ علم تقسیم فرمارہے ہیں اور طلباء فرقِ مراتب کے ساتھ علم حاصل کررہے ہیں۔

اس واقعہ کا علم لوگوں کو اس طرح ہوا کہ ایک بار شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ احاطہ مولسری میں کھڑے تھے ایک طالب علم شوربہ کا پیالہ آپ کے سامنے لے کر آیا اور اسے پھینک کر کہنے لگا:......

''نہ اس میں گھی ہے اور نہ مصالحہ ہے اور شاید مفتی صاحب اس سے وضو کے جواز کا فتویٰ بھی دیدیں، یہ ہے آپ کا اہتمام۔؟''

جب وہ طالب علم چلا گیا تو آپ نے پوچھا کیا یہ مدرسہ دیوبند ہی کا طالب علم ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں حضرت یہ مدرسہ دیوبند ہی کا طالب علم ہے اور مطبخ سے اس کا کھانا ہے اور مطبخ کے رجسٹر میں اس کا نام درج ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں! یہ مدرسہ کا طالب

علم معلوم نہیں ہوتا۔ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسی نام کا ایک دوسرا طالب علم ہے۔ اصل میں کھانا اُس کا تھا۔ لیکن نام میں اشتراک کی بناء پر غلطی سے ٹکٹ اسے مل گیا تھا۔ طلبہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضرت! بات تو وہی ہوئی جو آپ نے فرمایا تھا۔ مگر آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس پر آپ نے دودھ والا واقعہ بیان فرمایا اور اس کے بعد جو عجیب بات فرمائی وہ یہ کہ جب شوال میں طلباء داخل ہوتے ہیں تو میں ایک ایک کو دیکھ کر پہنچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا۔ اس طالب العلم پر میں نے تین مرتبہ نگاہ ڈالی تو مجھے یہی معلوم ہوا کہ یہ اس مجمع میں شریک نہیں تھا...... بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ مدرسہ الہامی مدرسہ ہے اس کا آغاز بھی الہام سے ہوا اور طلباء کا انتخاب بھی الہام سے ہوتا ہے۔

الہامی سنگ بنیاد

اور اس کا سنگ بنیاد بھی الہام ہی سے رکھا گیا۔ بنیاد کے لیے لوگوں نے جو نشان لگایا تھا اس پر بھی کام شروع نہیں ہوا تھا کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے ہیں اعصائے مبارک ہاتھ میں ہے اور فرماتے ہیں کہ:......

''یہ احاطہ تنگ رہے گا کافی نہیں ہوگا''

چنانچہ آپ نے مولانا نصیر احمد صاحب کی درسگاہ کے پاس سے نشان لگایا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نیند سے بیدار ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ لکیریں بالکل اسی طرح موجود ہیں۔ پھر شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بنیاد اسی پر کھودی جائے گی اب مجھے کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حقائق وکیفیات کا فرق

آپ حضرات ایک ایسے مقام پر ہیں کہ جسے سینکڑوں بزرگوں کی نسبتیں حاصل ہیں۔ مجموعی اور غیر شعوری طور پر وہ ساری نسبتیں کام کر رہی ہیں۔ اس لیے میں نے ابھی آپ سے کہا تھا کہ جو علم اور جو خیر و برکت یہاں ہے دوسری جگہ نظر نہیں آتی، کتابیں وہی ہوتی ہیں الفاظ وہی ہوتے ہیں مگر حقائق وکیفیات میں فرق ہو جاتا ہے۔

میں نے مشکوٰۃ شریف اپنے والد مرحوم مولانا حافظ احمد صاحبؒ سے پڑھی ہے۔ والد صاحبؒ جس وقت برزخ، موت، قیامت، حشر ونشر سے متعلق احادیث پر پہنچے اور تقریر شروع ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میدانِ قیامت سامنے ہے یہ قبر ہے، حساب کتاب ہے عذاب وثواب ہے۔ اس انداز اور ایسی کیفیت سے تعلیم ہوتی کہ ہم محسوس کرتے کہ یہی حالات ہمارے اوپر طاری ہو رہے ہیں۔

نسبتوں کا چمن

دارالعلوم پر ایک وقت وہ بھی گذرا ہے کہ مہتمم سے لے کر دربان تک سب اہل نسبت بزرگ تھے۔ حاجی عبداللہ صاحبؒ دربان تھے۔ نوشت وخواند کچھ نہ تھی، لیکن صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ صبح صادق پر جو دارالعلوم میں گھنٹہ بجتا ہے اس کے بجانے کا کام انہی کے سپرد تھا۔ پہلی ضرب لگاتے تو زبان پر سبحان اللہ ہوتا دوسری پر الحمد للہ اور تیسری پر اللہ اکبر کے ایک نعرہ کے ساتھ پھر یہ شعر زبان پر عجیب کیفیت سے لاتے ؎

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گی؟

یہ منظر کچھ ایسا ہوتا کہ جو سنتا بے اختیار اس پر بکا رطاری ہو جاتا۔ حاصل یہ کہ یہ ایک

مثالی جگہ ہے اسے نہ جانے کیسی کیسی نسبتیں حاصل ہیں۔ یہاں کم سے کم درجے کا طالب علم آتا ہے اس کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے اس جگہ پر رہ کر محروم رہنے کا کوئی سوال نہیں۔

تو بھائی اگر نسبتوں کے بارے میں کچھ بات کی جائے تو بفضلہٖ تعالیٰ وہ بھی موجود ہے۔

زیادۃ فی العلم

مگر ہاں اسی کے ساتھ ساتھ ایک بات اور ہے وہ یہ کہ ایک تو اصل علم اور راس العلم ہے جسے آپ حاصل کر رہے ہیں اور جو آٹھ دس سال میں حال ہو جاتا ہے۔ لیکن اسی پر قناعت نہ کرنا چاہیے بلکہ اضافہ کی برابر کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ جس طرح اصل علم مطلوب ہے ویسے ہی زیادۃ فی العلم بھی مطلوب ہے۔ نبی اکرم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ حالانکہ آپ ﷺ کو وہ علوم دیئے گئے تھے جو ساری کائنات میں سے کسی کو نہیں دیئے گئے۔ چونکہ یہ انسان کی صفت نہیں ہے بلکہ اللہ کی صفت ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ساری صفات غیر محدود ہیں اس لیے آپ جتنا بھی علم حاصل کرتے جائیں گے جہالت دور ہوتی چلی جائے گی اور آگے میدان مزید نظر آئے گا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ؛ مرض وفات میں ہیں ڈاکٹروں نے سختی سے منع کر دیا ہے کہ آپ مطالعہ نہ فرمایا کیجئے۔ مگر جب ڈاکٹر چلے جاتے تو آپ فوراً مطالعہ میں مشغول ہو جاتے لوگ کہتے کہ حضرت! ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔ تو فرماتے بھائی! کیا کروں یہ مرض مطالعہ کا بالکل لاعلاج مرض لگا ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں شاید آپ چند ساعت ہی ترک مطالعہ کرتے۔ ان کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کی دلالت اولیٰ مطالعہ پر ہی تھی، حضرت کو زیادۃ فی العلم کی ایک دھن لگی ہوئی تھی۔

بے مثال قوتِ حافظہ

اسی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے حفظ اتنا قوی دیا تھا کہ جو چیز ایک بار دیکھ لیتے تو عمر بھر کے لیے کافی ہوجاتی۔ خود ایک بار درس میں فرمایا کہ جو چیز نظر سے گذر جاتی ہے پھر فراموش نہیں ہوتی۔ درس میں مشہور ومعروف کتب تو درکنار غیر متعارف قلمی نادر کتب کا حوالہ بقید صفحات وسطور اس طرح دیتے کہ محسوس ہوتا کہ شاید گذشتہ رات ہی حضرتؒ نے ان کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے، اس قدر قوتِ حافظہ کے ہوتے ہوئے حضرتؒ نے تیرہ بار فتح الباری کا از اول تا آخر مطالعہ کیا تھا۔ بتایئے کہ جس کے ایک بار کتاب دیکھ لینے کے بعد یہ عالم ہو کہ سالہا سال کے بعد بھی مستحضر تو تیرہ بار فتح الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا عالم ہوگا۔

آپ کے یہاں حدیث کا درس ہوتا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ سارے ہی فنون کا درس ہوتا تھا۔ افسوس کہ آپ کی بتائی ہوئی باتیں اور تقاریر محفوظ نہ رکھ سکا۔

علم کی دھن

تو بھائی! علم آدمی کو محنت سے ملتا ہے، دھن سے ملتا ہے، یہ دھن پیدا ہوجانی چاہیے کہ ہمیں علم حاصل کرنا ہے اور اس کو سود در سود کر کے بڑھاتے ہی چلے جانا ہے۔ جب دھن پیدا ہوجائے گی تو آپ زیادہ سے زیادہ کتب بینی کریں گے اور جب آپ کتب بینی کے عادی ہوجائیں گے تو پھر آپ میں تفقہ پیدا ہوگا اور جب تفقہ پیدا ہوجائے گا تو آپ کسی شئے کے محض حکم ہی پر قناعت نہ کریں گے بلکہ اس کی حکمت کو بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور جب حکمت معلوم کرلیں گے تو اس سے بڑھ کر علت معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوگی اور جب علت معلوم ہوجائے گی تو آپ اس پر قناعت نہیں کریں گے بلکہ اس وقت آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ اس علت کا رابطہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کس صفت سے ہے......

علم وعمل کی سند

ایک بات آپ حضرات سے کہہ دوں کہ جس طرح آپ علم حاصل کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں مجاہدہ کرتے ہیں، مشقتیں برداشت کرتے ہیں، اسی طرح آپ کی عملی اور اخلاقی قوت مضبوط نہیں ہوگی، علم کام نہیں دے گا جب تک سلسلہ عمل کو بھی متصل نہ کیا جائے۔ ایک عالم میں اگر کبر ہو، حسد ہو، بغض ہو، کینہ ہو، جاہ ہو، تو وہ خود بھی ذلیل ہوگا اور علم کو بھی ذلیل کرے گا۔ اسلاف جب علم سیکھ لیتے تھے تو اس کے بعد مستقل طور پر عمل بھی سیکھتے تھے۔ خود دار العلوم پر نصف صدی گذری ہے تا وقتیکہ شیخ کامل سے اجازت نہ ہوتی دار العلوم اپنی علمی سند نہ دیتا گویا علم وعمل کی تکمیل کا نام سند تھا۔

علم وخشیت

میں نے آپ کے سامنے جو حدیث پڑھی تھی۔ یعنی نہ تو کوئی طالب علم کبھی سیر ہوتا ہے اور نہ طالب دنیا سیر ہوتا ہے...... اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ کسی طالب مال کو کسی حد پر قناعت ہوتی ہے اور نہ طالب علم کو بلکہ حرص بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اگر کسی کے پاس سو روپیہ ہے تو وہ دوسو کی خواہش میں لگا رہتا ہے۔ اگر دوسو تو چار سو کی خواہش ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی عالم کو اگر سو مسئلے معلوم ہو گئے تو دوسو معلوم کرنے کی کوشش میں رہتا ہے جب علم کی طلب اس درجہ تک پہنچ جائے گی تو علم خود ہی عمل کو دعوت دے گا اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

جس قدر علم بڑھتا جائے گا خشیت بڑھتی جائے گی۔ اور جب خشیت بڑھے گی تو آپ یقیناً طاعت کی جانب مائل ہوں گے۔ اس لیے کہ علم کے لوازم میں عمل ہے۔

راہنمائی کی تیاری کا زمانہ

اب تو آپ حضرات کا طالب علمی کا زمانہ ہے ابھی آپ دوسروں کی نگرانی میں رہتے ہیں اور یہاں رہ کر آپ صالح بن رہے ہیں مگر یہاں سے جانے کے بعد آپ خود نگراں بنیں گے اور آپ کو مصلح بننا ہوگا پھر آپ کے سامنے مختلف قسم کے مسائل آئیں گے اور اس کے مطابق آپ کو تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی ۔ آپ کے سامنے ملک وقوم کے حالات ہوں گے اور آپ کو دیکھنا ہوگا کہ اس وقت قوم میں کون سی بیماریاں ہیں؟ کیا کوتاہیاں ہیں؟ ان کے اسباب کیا ہیں؟ اور ازالہ کی تدابیر کیا ہوں گی؟

ایسے ہی یہاں سے نکلنے کے بعد آپ کے سامنے شرک و بدعت کا میدان ہوگا اور عیسائیت و یہودیت سے بھی مقابلہ رہے گا۔ اگر آپ نے ان کاموں کے لیے ابھی سے تیاری نہ کی اور محنت و مشقت کر کے میدان کو ہموار نہ کرلیا تو آپ آگے چل کر آپ کو جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا وہ ظاہر ہے۔

میری خواہش ہے کہ آپ یہاں سے صرف عالم اور صالح بن کر نہ نکلیں بلکہ معلم اور مصلح بن کر نکلنے کی کوشش کریں۔ اس لیے کہ قوم منتظر ہے کہ ہمارے نونہال دارالعلوم میں پڑھنے گئے ہیں وہ آئیں گے ہماری اصلاح کریں گے۔ ہمیں غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لگائیں گے اور ہماری پریشانیوں کا حل ہوں گے۔ لہٰذا پہلے ان چیزوں کے سلسلے میں خود بھی سوچیں۔ اس کا حل نکالیں ۔ اپنے اساتذہ سے سوالات کریں پھر نہ آپ کو ایسا وقت ملے گا نہ ایسے اساتذہ ملیں گے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ ہم یہ سب بھی کرتے رہتے ہیں تو خیر کوئی حرج نہیں اس لیے میں نے یہ چند باتیں آپ لوگوں سے عرض کردیں۔

خلوص ومحبت کا شکریہ

آپ نے جس محبت وخلوص سے یادفرمایا میں اس کا شکرگزار ہوں اور صرف شکر گزار ہی نہیں اس لیے کہ یہ تو ایک وقتی اور رسمی چیز ہوگئی ہے۔ میں آپ حضرات کے لیے خلوص قلب سے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق دے۔ میں کیا ہوں کچھ بھی تو نہیں۔ بس ایک نام ایک نسبت لگ گئی ہے ان بزرگوں کے ساتھ جن کے طفیل میں ہم اور آپ آج یہاں موجود ہیں۔ غالب نے کہا ہے ؎

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا ... وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

ہمارا تو جو کچھ بھی ہے انہیں بزرگوں کی وجہ سے ہے۔ ہمیں تو روٹیاں بھی مل رہی ہیں تو انہیں بزرگوں کے طفیل میں سپاسنامے اور تعارف میں تو اکثر مبالغے ہی سے کام لیا جاتا ہے اور اس میں ایران توران کی باتیں کہی جاتی ہیں۔

آپ لوگوں کی جانب سے جو سپاسنامہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی مجھے ہر طرح سے اچھا اور لائق دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر کیا عجب ہے کہ جب اتنے لائق لوگ ایک نالائق کو لائق کہہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اتنے لائقوں کی لاج رکھ لیں اور یہی میری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ---------- (۳۳)

علم کا مقام

(۱)

{خطاب}

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سورۂ بقرہ حفظ کی، ایک سورت، تو خوشی میں انھوں نے ایک اونٹ ذبح کیا، اور اس کا گوشت اپنے عزیزوں، غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کیا، اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سورت مجھے عطا فرمادی۔

یادرکھو! مسلمان کے لیے بہت بڑی سعادت کی چیز ہے، مختصر یہ کہ اس کے پاس علم نبوت موجود ہے۔ اگر اس کے پاس مال و دولت ہے، سارا مال موجود ہو تو کوئی حیثیت اس کی نہیں۔

اگر باغ ہو، کھیت ہو، مکان ہو کوئی حیثیت اس کی نہیں...... مسلمان کے لیے تو جو حیثیت ہے وہ تو اللہ کے دین کی حیثیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے علم کی حیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن نازل فرمایا اس کی حیثیت ہے۔

پیریگراف از بیان فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

علم والے اور علم نہ رکھنے والے کہیں برابر ہوتے ہیں؟

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ [سورۂ زمر:۹]

آپ کہیے کہ کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں۔(از بیان القرآن) اے نبی ﷺ آپ فرما دیجیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور بے علم۔ جن کو اللہ نے علم عطا فرمایا ہے اور جو بے علم ہیں وہ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایسا نہیں ہے جیسا کہ دنیاوی حالات کے اعتبار سے ایک شخص بہت بڑا مالدار ہے اور دوسرا بہت غریب ہے، کیا وہ دونوں برابر ہیں۔ مالدار کے ذریعے سے کتنے غرباء کی امداد ہوتی ہے، کتنے یتیموں کی امداد ہوتی ہے، کتنے مدارس اور مساجد کی امداد ہوتی ہے، غریب بے چارہ کیا امداد کر سکتا ہے، اُس کے پاس تو خود کچھ ہے نہیں، ایک صاحبِ حیثیت عہدہ دار آدمی اور ایک معمولی آدمی کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک بادشاہِ وقت اور ایک رعیت کا ہلکا آدمی کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں۔ اسی طرح ایک علم والا اور بے علم والا برابر نہیں ہو سکتے۔

علم والے کی مثال

ایک شخص علم والا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بڑی دولت والا ہے بڑی

دولت ہے اُس کے پاس، جس کے ذریعہ سے وہ دوسروں پر خیرات کرتا ہے، مدد کرتا ہے، کسی کو کپڑے بنا کر دیئے، کسی کو کھانے کے لیے غلہ دے دیا، کسی کو مکان بنا دیا، اسی طرح سے ایک شخص علم والا ہے، کسی کو قرآن کریم پڑھاتا ہے، کسی کو حدیث شریف پڑھاتا ہے، کسی کو فقہ پڑھاتا ہے، کسی کو راہِ راست پر لگا دیتا ہے، غلطیوں اور معاصی سے روکتا ہے اور ایک شخص ہے کہ کچھ بھی نہیں جانتا، نہ اس کے پاس قرآن ہے نہ حدیث ہے نہ تفسیر ہے نہ فقہ ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہو سکتے۔ بڑا فرق ہے دونوں میں۔

علم روشنی ہے، جہل اندھیرا ہے

آدمی روشنی میں چلتا ہے اور دیکھتا جاتا ہے کہ کوئی گڈھا تو نہیں ہے، کوئی پتھر تو نہیں ہے، کوئی لکڑی، سانپ، کتا تو نہیں ہے جس سے تکلیف ہو جائے، کوئی نجس چیز تو نہیں ہے جس سے پیر خراب ہو جائے، پورے طور سے دیکھ بھال کر چلتا ہے۔ اور ایک شخص ایسا ہے کہ وہ کہیں اندھیرے میں جا رہا ہے، کوئی روشنی اس کے پاس نہیں، اُس کا پیر ہو سکتا ہے کہ آگ پر آ جائے۔، ہو سکتا ہے کہ کتے پر آ جائے اور وہ کاٹ لے، ہو سکتا ہے کہ غلیظ پر آ جائے اور غلیظ اس کے بدن پر، کپڑوں پر لگ جائے، یا لکڑی آ جائے ٹکر لگ جائے، تو جو شخص اجنبی راستہ پر چلتا ہے، راستہ دیکھا بھالا نہیں چلتے وقت میں اور اندھیرا ہے روشنی نہیں، اُس شخص کا کیا حال ہوتا ہے، اور ایک وہ شخص ہے جو روشنی لے کر چلتا ہے، لالٹین ہاتھ میں لے کر چلتا ہے، چراغ کی روشنی اس کے سامنے ہے، بلب اُس کے سامنے روشن ہے، اُس روشنی میں وہ سامنے چلتا ہے۔ تو دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے۔

علم کی روشنی حاصل کرنا سب کی ذمہ داری ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے اس مقام پر مدرسہ قائم کیا، یہ تو روشنی آ گئی، اس

روشنی کے ذریعہ سے ہر شخص حلال وحرام کو سمجھ سکتا ہے۔ اللہ کی خوشی اور ناخوشی پرکھ سکتا ہے، دنیا و عقبیٰ کے درمیان فرق کو پہنچان سکتا ہے۔ اس روشنی کے ذریعہ روشنی حاصل کرنا سب کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا حضرات! لازم ہے کہ خود بڑے بڑے لوگ بھی روشنی حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی روشنی حاصل کرنے کے لیے ترغیب دیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج روشن کر دیا۔ مدرسہ کیا قائم کر دیا، سورج روشن ہو گیا، اس کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ اس کی روشنی میں مسائل سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے، آدمی رکوع کرنا سیکھے، نماز پڑھنا، سجدہ کرنا سیکھے، یہ جانے کہ نماز میں کیا کیا چیز فرض ہے، واجب ہے، کیا سنت ہے، کیا مستحب ہے، کس چیز سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کس چیز سے مکروہ ہو جاتی ہے، کس چیز سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟

مدرسہ میں حضور ﷺ والی تعلیمات دی جاتی ہیں

یہ ساری چیزیں مدرسہ میں سکھائی جاتی ہیں قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے تیئس سال میں نازل فرمایا وہ قرآن پڑھایا جاتا ہے۔ ایک ایک حرف بتایا جاتا ہے، اس کا مخرج کیا ہے، حضور اکرم ﷺ نے کس طرح سے قرآن پڑھا ہے اور لوگوں کو پڑھایا ہے، بتلایا ہے، سنایا ہے یہ چیزیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی مبارک زندگی کس طرح سے گذاری ہے، دن میں کیا کرتے تھے، رات کو کیا کرتے تھے، اپنوں سے کیا معاملہ تھا، غیروں سے کس طرح کا معاملہ تھا، نماز کس طرح پڑھتے تھے، روزہ کس طرح سے رکھتے تھے، حج کس طرح سے کرتے، جہاد کس طرح سے کرتے؟ یہ ساری چیزیں یہاں اس مدرسہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ روشنی نہ ہو تو کوئی چیز بھی سامنے نہیں۔

انسان اور جانور میں علم کا فرق ہے

دنیا کا رہنے والا انسان اور جنگل کا رہنے والا جانور بے علم ہونے کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں۔ حلال وحرام کی تمیز، نہ جانور کو ہے نہ اس انسان کو جس نے نہ قرآن

پڑھا نہ علم حاصل کیا ہو، نہ علماء کی صحبت اختیار کی اس کی اور جانور کی زندگی میں کیا فرق ہے جانور کے سامنے کھانا اور سونا ہے، اولاد پیدا کرنا ہے، اور اس آدمی کے سامنے بھی یہی ہے کہ کھایا پیا اور اولاد پیدا کر دی۔ اس کے سامنے وہ چیز نہیں جس سے وہ اپنے خدا کو پہچان سکے، اور رسول اللہ ﷺ کو پہچان سکے، اُن کے متعلق کچھ بتا سکے، اگر اس سے کوئی پوچھے کہ بتاؤ تمہارے رسول کیسے تھے، غزوۂ احد میں حضور ﷺ کا کیا معاملہ ہوا، بدر میں کیا ہوا، کتنے صحابہ ؓ تھے، کتنے شہید ہوئے تو وہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ ہاں اگر علم کی روشنی ہوگی تو علم کی روشنی میں سب کچھ بتا سکتا ہے، اگر علم کی روشنی نہ ہو تو نہیں بتا سکتا، کہ کون سا جانور حلال ہے اور کون سا جانور حرام ہے، نہیں جانتا ہے وہ کس طرح سے زندگی گذارنی چاہیے، بڑوں کا حق کیا ہے، چھوٹوں کا حق کیا ہے، ماں باپ کا حق کیا ہے اور اولاد کا حق کیا ہے، شوہر اور بیوی کے حقوق کیا ہیں، کچھ نہیں جانتا، اگر علم کی روشنی سامنے نہ ہو۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور فضل و کرم ہے کہ اس بستی میں مدرسہ قائم ہوا۔ اللہ نے اہل علم کو یہاں بھیجا، ان حضرات نے یہاں محنت کی اور محنت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں اور حوصلوں کو بلند فرمائے اور ان کی کوششوں سے اخلاص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ روشنی دور تک پہنچائے، ان کو کامیاب فرمائے، اپنی خوشی عطا فرمائے، جو لوگ یہاں کے اور یہاں کے آس پاس کے ہیں وہ آئیں اور آ کر علم حاصل کریں، روشنی حاصل کریں تا کہ اللہ کی بارگاہ میں قرب حاصل ہو تا کہ حضور ﷺ کی مبارک زندگی کے طریقہ سامنے آئیں، تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون سی چیز سنت ہے اور کون سی چیز بدعت ہے، یہ سب برکات مدرسہ کی ہیں۔

پہلا مدرسہ اور پہلا طالب علم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور جنت میں کوئی چیز اس وقت تک فرض نہیں کی گئی تھی، سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے گویا

کہ ایک مدرسہ قائم کیا کہ آدم علیہ السلام اس کے طالب علم تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے اُستاد تھے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [سورۂ بقرہ:۳۱] اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سب چیزوں کے اسماء کا (از بیان القرآن) اللہ تعالیٰ نے آدم کو تعلیم دی اور ملائکہ کے ساتھ امتحان ہوا، مقابلہ کا امتحان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کامیاب فرمایا۔ لہٰذا یہ مدرسہ قائم کرنا ایسی چیز ہے کہ حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے وہاں حضور ﷺ نے مسجد بنائی۔

صفہ کے طلباء اور علم کے لیے مجاہدے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت تھی جو ہر وقت مسجد میں قیام کرتی تھی، ان کے لیے ایک چبوترہ بنادیا تھا وہ اسی پر رہتے تھے، وہی ان کا دارالاقامہ تھا، وہی دارالتدریس تھا، سب کچھ وہی تھا، وہیں آیا کرتے تھے، اوران کے کھانے کا انتظام کیا تھا کہ انصار کے یہاں باغ تھے تو باغ کی کھجوروں کے گچھے توڑ کر لاتے اور مسجد میں لٹکا لیتے، کسی نے ایک کھجور کھالی، کسی نے دو کھالی، جیسی جس کو رغبت ہوئی۔ بس یہی کھانے کا انتظام تھا۔ وہ حضرات ایسے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ بعد میں پیدا ہونے والے قیامت تک خواہ اپنی جگہ کتنے ہی بلند رُتبے کے ہوں، لیکن ان حضرات کے رُتبے تک وہ نہیں پہنچ سکتے۔

علم کی عظمت

ایک دفعہ حضور ﷺ مسجدِ نبوی ﷺ میں تشریف لائے، ایک طرف کو دیکھا کچھ لوگ نفلیں پڑھ رہے ہیں، تسبیح پڑھ رہے ہیں، دُعا کر رہے ہیں، دوسری طرف دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے مسئلہ مسائل کی بات کر رہے ہیں، کچھ پوچھ رہے ہیں کچھ بتا رہے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ دونوں ہی جماعتیں خیر پر ہیں، یہ بھی خیر پر ہیں وہ بھی خیر پر ہیں، یہ لوگ دُعائیں مانگ رہے ہیں، اللہ پاک کی تسبیح پڑھ رہے ہیں، اللہ پاک جو کچھ اُن کو عطا

فرمائیں گے وہ ان کا کرم ہے، اور یہ لوگ علم میں لگے ہوئے ہیں، پڑھ رہے ہیں، پڑھا رہے ہیں، جہالت کو دور کرر ہے ہیں اور فرمایا کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حضور ﷺ اس جماعت میں بیٹھ گئے، جو مسئلہ مسائل کی باتیں کرر ہے تھے۔

حضور ﷺ کی میراث

حضرت ابو ہریرہ ؓ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بازار میں جا کر پکارنے لگے آواز دی۔ اے لوگو! تم لوگ یہاں خرید وفروخت میں لگے ہوئے ہو، مسجدِ نبوی ﷺ میں حضور ﷺ کی میراث تقسیم ہورہی ہے۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے دیکھا وہاں تو کہیں بھی میراث تقسیم نہیں ہورہی ہے بلکہ کچھ لوگ بیٹھے مسئلہ مسائل دین کی باتیں کرر ہے ہیں، پوچھا حضرت ابو ہریرہ ؓ سے کہاں حضور ﷺ کی میراث تقسیم ہورہی ہے۔ فرمایا بھئی یہ تو ہے حضور ﷺ نے روپیہ پیسہ تھوڑا ہی چھوڑا، انہوں نے علم چھوڑا اس علم کو جتنے لوگ حاصل کریں گے یہی حضور ﷺ کی میراث ہے۔ یہ علم میراثِ انبیاء علیہم السلام ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی میراث ہے۔ اس کو حاصل کرنے والے حضور ﷺ کے مہمان ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے مہمانوں کے واسطے انتظام فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی میراث یعنی حضور ﷺ کے علوم ان کو عطا ہوں گے۔ مسلمان بہت شاندار حیثیت کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خلوص دے۔

مسلمانوں پر اللہ کی عظیم نعمت قرآن

اگر وہ مسلمان ہوں وہی حیثیت ان کے اندر ہو جس کا آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن پاک میں ایک اعلان کیا گیا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۳]

اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے

اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر بنالاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو اور بلالو اپنے حمایتوں کو جو خدا سے الگ ہیں اگر تم سچے ہو۔ (از بیان القرآن)

قرآن پاک یہ اللہ کی کتاب ہے اگر تم کو اس میں کوئی شک ہو تو اس جیسی سورت کو بنالاؤ۔ ساری دنیا مل کر ایک سورت نہیں بنا سکتی تو دیکھا کہ قرآن پاک کا یہ اعلان چودہ سو سال سے پہلے تھا، آج بھی یہ اعلان موجود ہے، ہمارا ایک حافظ کھڑا ہو کر کہہ سکتا ہے کہ اس جیسی قرآن پاک کی سورت کوئی نہیں لاسکتا۔ یہ فخر مسلمان کو حاصل ہے کہ اللہ نے یہ کتاب اُس کے پیغمبر ﷺ پر نازل فرمائی اس کتاب کو وہ پڑھتا ہے، حفظ کرتا ہے، نماز میں پڑھتا ہے، خارج میں پڑھتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، جہاں کوئی شخص قرآن شریف پڑھتا ہے ملائکہ گھومتے رہتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جس جگہ قرآن کو پڑھا جائے دوسرے ملائکہ کو اشارے سے آواز دیتے ہیں، بلاتے ہیں میاں آجاؤ، ہماری جگہ یہاں ہے۔

قرآن کی دولت سے ملائکہ بھی محروم ہیں

یہ قرآن ایسی دولت ہے کہ ملائکہ کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ جب دل چاہے پڑھ لیں۔ جن ملائکہ کو وحی لانے پر مقرر کیا گیا تھا ان کے لیے وہ بات تھی کہ وحی لا کے حضور ﷺ کے پاس پہنچا کر چلے گئے۔ لیکن جب ان کا دل چاہے، تبھی قرآن شریف پڑھ لے یہ بات ان کو حاصل نہیں۔ یہ بات صرف مسلمان کو حاصل ہے کہ جب اُس کا جی چاہے قرآن شریف کی تلاوت کر لے یہ قرآن پاک کی تلاوت ایسی دولت ہے کہ ملائکہ اس سے محروم ہیں۔ یہ شرف مسلمان کو حاصل ہوا، حضور ﷺ کی اُمت کو حاصل ہے۔ قرآن پاک ایسی دولت ایسی برکت کی چیز ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھتا ہے اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔

قرآن کی تلاوت پر بے پناہ اجر و ثواب

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ "**قل ھو اللہ احد**" پڑھتا

ہے تو اس کو ایک تہائی قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ الحمد للہ پڑھتا ہے اس کو دو تہائی قرآن پاک کا ثواب ملتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ سورۂ یٰسین کو پڑھتا ہے اس کو دس قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ اتنی بڑی نعمت، اتنی بڑی دولت مسلمانوں کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلی اُمتوں کے لیے جو کتابیں اُتری تھیں وہ کتابیں ختم ہوگئیں نہ آج تورات اپنی اصلی حالت پر موجود ہے، نہ انجیل موجود، نہ زبور موجود، کوئی کتاب اپنی اصلی حالت پر نہیں، اس میں گڑبڑ ہوگئی، نہ ان میں کہیں کوئی حافظ موجود، نہ ان کی کوئی تعبیر وتشریح موجود، البتہ قرآن پاک آج موجود ہے، جیسے کہ حضور ﷺ پر نازل ہوا تھا اسی طرح آج بھی موجود ہے۔ ایک ایک حرف محفوظ ہے، ایک ایک لفظ موجود ہے، ایک ایک سورت محفوظ ہے، پڑھتے ہیں یاد رکھتے ہیں ایک دوسرے کو اور اپنی زندگیوں کو منور کرتے ہیں۔

قابل مبارکباد ہیں وہ جن کے سینوں میں قرآن ہے

اس واسطے قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جنہوں نے قرآپ پاک کو حفظ کیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں بھی چند بچوں نے حفظ کیا اور چند بچیوں نے حفظ کیا۔ بچیاں بھی حفظ کریں تو ماشاء اللہ کیا کہنے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے سینے کو قرآن کے نور سے منور فرمائے۔ ان کی زبان کو بھی منور فرمائے، ان کو بھی توفیق دے پڑھنے کی، پڑھانے کی، سننے کی سنانے کی، مردوں کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ اس لیے حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

مدرسہ کی شکرگذاری کیا ہے

اور شکر ادا کرنے کی صورت یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس مدرسے کی خدمت کی جائے، بچے زیادہ سے زیادہ داخل کئے جائیں پڑھنے کے لیے اور ان کو تنبیہ کی جائے کہ جب وہ یہاں سے پڑھ کر اپنے گھر، مکان پر جاویں تو ماں باپ ان سے سنا کریں،

پوچھ لیں کہ کیا پڑھ کر آئے، کتنا سبق لیا، کل کتنا پڑھا تھا تاکہ بچے پر اثر ہو۔ اور ماں باپ بھی اس سے متاثر ہوں اور جن کے اولاد موجود نہیں وہ دوسرے اپنے عزیزوں کی اولاد کو داخل کرانے کی کوشش کریں، اگر ایسی بھی صورت نہ ہو تو جہاں تک ہو سکے دُعائے خیر کر لیا کریں، دوسروں کو نصیحت کریں، دوسرے کو ترغیب دیں۔

بڑی عمر والے بھی علم حاصل کریں

اور دیکھو بڑی عمر کے ہو جانے کی وجہ سے یوں نہیں سمجھنا چاہیے کہ اب ہماری عمر پڑھنے کی نہیں رہی۔ حضور ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس کی تھی جب ان پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا۔ اور اکثر صحابہ کرام کی عمر بڑی بڑی تھی، تو اکثر صحابہ کرام نے بڑی عمر میں یاد کیا قرآن پاک۔ بڑی عمر میں پڑھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سورۂ بقرہ حفظ کی۔ سورۂ بقرہ حفظ ہوئی ایک سورت، تو خوشی میں انہوں نے ایک اونٹ ذبح کیا۔ اور اس کا گوشت اپنے عزیزوں، غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کیا۔ اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سورت مجھے عطا فرما دی۔ آج آپ کے یہاں پورا قرآن موجود ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس کی قدر دانی کی ضرورت ہے۔

مسلمان کی اصل حیثیت

یاد رکھو! مسلمان کے لیے بہت بڑی سعادت کی چیز ہے مختصر یہی ہے کہ اس کے پاس علم نبوت موجود ہے۔ اگر اس کے پاس مال و دولت ہے سارا مال موجود ہو تو کوئی حیثیت اس کی نہیں۔ اگر باغ ہو کھیت ہو مکان ہو کوئی حیثیت اس کی نہیں۔ مسلمان کے لیے تو جو حیثیت ہے وہ تو اللہ کے دین کی حیثیت ہے حضور ﷺ کے علم کی حیثیت ہے۔ اور اللہ نے خود قرآن پاک نازل فرمایا اس کی حیثیت ہے۔ جس قدر یہ چیز بھی مسلمان کے پاس زیادہ ہوگی اسی قدر وہ سعادت مند اور اونچے درجے کا مقبول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بیان ---------- (۳۴)
مراتب علم
(۲)
{خطاب}
فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

اگر کوئی شخص اپنی مہارت وعربیت پر اور قوت مطالعہ کے زعم میں یہ چاہے کہ میں حدیث شریف کو خود حل کرلوں گا، مجھے تو عربی آتی ہے، اس کا یہ خیال خیال خام ہے، سودا ہے، جنون ہے، کوئی اگر اس طرح سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ حدیث کی اہمیت سے اور اس کی حقیقت سے ناواقف ہے۔

قرآن پاک میں نماز کی شرائط موجود ہے، لیکن حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ نہیں فرمایا ''صلوا کما نزل فی القرآن'' نماز اس طرح پڑھو جس طرح قرآن میں نازل ہوئی بلکہ فرمایا ''صلوا کما رئیتمونی اصلی''۔ نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

پیریگراف از بیان فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

علم نبوت کے لیے استماع لازم ہے

سفیان ثوریؒ ایک محدث ہیں امام صاحب کے معاصر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ”**اول العلم والاستماع ثم الانصات ثم الحفظ ثم العمل ثم النشر**“ علم کے پانچ درجہ ہیں۔ سب سے پہلا درجہ استماع کا ہے، سننا، یہ علم علم نبوت ہے اس کا مسموع ہونا ضروری ہے۔ استماع لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فاستمع لما یوحی**۔ استماع کرو، قرآن پاک میں حکم ہے **وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ**۔ سنو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے نے آکر حضور اکرم ﷺ کو سنایا اور حضور ﷺ کے سننے کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ہر چیز سے علیحدہ ہو کر سنتے تھے۔ یہ نہیں کہ باتیں بھی کر رہے اور سن بھی رہے بلکہ خاص کیفیت پیدا ہوتی تھی کہ اس عالم کے ساتھ ربودگی ہے اور دوسرے عالم کے ساتھ اتصال ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو سنایا بواسطۂ ملائکہ۔ اور حضور ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو سنایا۔ **یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ** صحابۂ کرام ؓ پر حضور

ﷺ تلاوت کرتے ہیں وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا جب ان کے اوپر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو قوت پہنچتی ہے۔ تو استماع لازم ہے۔ حضرت رسول مقبول ﷺ سے صحابہ ؓ نے استماع کیا۔ اور صحابہ ؓ سے تابعینؒ نے کیا۔ برابر استماع چلا آرہا ہے۔ اس واسطے استماع لازم ہے۔

بغیر استاذ کے یہ علم نہیں ملا کرتا

کوئی شخص اگر اپنی مہارت وعربیت پر اور قوتِ مطالعہ کے زعم میں یہ چاہے کہ میں حدیث شریف کو خود حل کرلوں گا مجھے تو عربی آتی ہے اس کا یہ خیال خیال خام ہے۔ سوداء ہے جنون ہے کوئی اگر اس طرح سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ حدیث کی اہمیت سے اور اس کی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہے۔ اگر عربی کچھ پڑھ لی یا عرب علاقہ میں کچھ رہ لیے۔ کچھ ٹوٹی، پھوٹی بول چال آگئی یا فرض کیجیے کہ کچھ مقالے لکھ لیے۔ فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ اس سے وہ سمجھے کہ میں حدیث کو بھی سمجھ لوں گا اور حل کرلوں گا یہ غلط خیال ہے، یہاں تو استماع ضروری ہے اساتذہ سے پڑھنا ضروری ہے۔

محدثین نے استماع کا کتنا اہتمام کیا

کیا بات تھی کہ محدثین ایک ایک بات کو متعدد اساتذہ سے حاصل کرتے تھے۔ کبھی ان صاحب کے پاس جارہے ہیں کبھی ان کے پاس جارہے ہیں۔ حافظ حسن بن مندع کے حالات میں لکھا ہے چالیس برس وہ سفر میں رہے علم حدیث کو حاصل کرنے کے لیے۔ جس شہر میں جاتے۔ تحقیق کرتے کہ یہاں کون کون محدث ہیں؟ ایک محدث کے پاس گئے جتنی حدیثیں ان کے پاس تھیں۔ ساری ان سے حاصل کیں اور لکھیں۔ دوسرے کے پاس گئے اور ان سے حاصل کیں۔ اور ان میں وہ حدیثیں بھی تھیں جو پہلے محدث سے سن چکے تھے مگر اس پر قطعاً قناعت نہیں کی بلکہ کہا انہوں نے کہ مجھے اس کی

ضرورت نہیں مجھے اور چاہیے جو نہ سنی ہوں۔

حافظ حسن بن مندہ نے چالیس صندوق حدیث کا ذخیرہ چھوڑا

چنانچہ چالیس صندوق انہوں نے اپنے قلم سے لکھے ہوئے حدیث کے ذخیرے میں چھوڑے۔ کتنی محنت کی ان حضرات نے،صرف لغت دانی پر موقوف نہیں سمجھا جو شخص عربی لغت سے واقف ہو وہ شخص حدیث کو سمجھ جائے۔نہ وہ قرآن کو سمجھ سکتا ہے نہ حدیث کو سمجھ سکتا ہے جب تک استاذ سے نہیں پڑھے گا استاذ اور شاگردی اس کے واسطے لازم ہے۔ کتنی روایات ایسی ہیں جن کو کوئی شخص محض اپنی قابلیت سے حل کرنا چاہے تو حل نہیں کرسکتا۔

محض قابلیت سے حدیث حل نہیں ہوسکتی

مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ آدمی بہت اچھا ہے جس کا کاروبار زیادہ پھیلا ہوا نہ ہو۔جان پہچان لوگوں سے کم ہو،مرجائے تو اس کے اوپر رونے والے بھی کم ہوں،گمنامی کی وہ زندگی گذارے ثم نقد پھر حضور ﷺ نے روپیہ پرکھا۔نقد کے معنی روپیہ پرکھنا۔وہاں تو روپیہ پرکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔روپیہ کا تعلق وہاں کیا اب آدمی غور کرے گا۔جھک مارے گا اس سے حل نہیں ہونے کا کہ روپیہ پرکھنے کا کیا مطلب ہے؟اس کا کوئی جوڑ ہی نہیں روپیہ پرکھنے سے،پہلے زمانہ میں جب روپیہ چاندی کا ہوا کرتا تھا تو اس طرح سے (حضرت اپنی انگلی مبارک سے اشارہ فرما کر سمجھا رہے ہیں) روپیہ رکھ کر اسے چٹکی لگایا کرتے تھے یہ ہوتا تھا طریقہ روپیہ پرکھنے کا۔اس کی آواز سے پتہ چلتا تھا کہ روپیہ چاندی کا کھرا ہے کہ کھوٹا ہے اور سب جانتے تھے اب چاندی کا روپیہ ختم ہوگیا روپیہ پرکھنے کا تصور ہی نہ رہا۔تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا ہے وہ آدمی جس کا کاروبار پھیلا ہوا نہ ہو گمنامی کی زندگی گذارے۔تعلقات زیادہ نہ رکھے پھر چل دیا یعنی دنیا سے رخصت ہوگیا۔اس کے انتقال کو حضور ﷺ نے اس طرح سے بیان فرمایا کہ دنیا سے چلا گیا۔

حدیث کو صحیح سمجھنے کے لیے استاذی وشاگردی لازم ہے

تو راوی نے وہ ہیئت بیان کی جس ہیئت پر حضور ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی وہاں روپیہ پرکھنا نہیں ہے نہ پرکھنے کی کوئی چیز ہے۔ جو روپیہ پرکھنے کی ہیئت ہوتی تھی حضور ﷺ نے وہ ہیئت بیان فرمائی حدیث بیان کرتے ہوئے کہ وہ چلا گیا یا رخصت ہوگیا دنیا سے۔

ایک اور حدیث میں ہے مسئلہ بتایا وعقد ثلثین اور تیس کی گنتی گنی ۳۰ کی گنتی کا وہاں کوئی سوال نہیں۔ جوڑ نہیں۔ ۳۰ کی گنتی کیا ہے۔ دس بیس، تیس، یہ تیس ہے۔ راوی ہیئت بیان کر رہا ہے۔ بعض دفعہ بات کرتے وقت ہاتھ اُٹھانے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ کبھی انگلی سے اشارہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مختلف چیزوں سے۔

مسئلہ یہ ہے (یہاں بھی حضرت ہاتھ اوپر کو اُٹھا کر نیچے کر کے اشارہ فرما کر سمجھا رہے ہیں) اس طرح سے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ ہے تیس کی گنتی۔ جو مسئلہ بیان فرمایا اس کو اپنی انگلی سے سبابہ اور ابہام کا ارشارہ کیا ہے۔ اس طرح کیا۔

غرض یہ کہ آدمی بغیر استاد کے استماع کے خود بخود حدیث کو حل کر لے یہ نہیں ہو سکتا۔

نماز معراج میں ملی مگر جبرئیل نے زمین پر پڑھ کر دکھلائی

اب دیکھئے نماز کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ تقریباً ۳۰ مقامات پر صلوٰۃ وزکوٰۃ کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے اور نماز جیسی اہم چیز اللہ تعالیٰ نے معراج میں حضور ﷺ کو بلایا، وہاں بلا کر فرض کی، ایسے نہیں کہ فوراً احکام بھیج دیئے، بلکہ وہاں بلا کر فرض کیا اور کتنا اس کے اندر قصہ پیش آیا کہ پچاس نمازیں فرض کیں، جب واپسی ہو رہی تھی تو موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ جا کر نمازیں کم کرایئے، بہت زیادہ ہیں، بنی اسرائی پر بڑی محنت

کی وہ نہیں پڑھ سکے۔ غرض بار بار جانا ہوا۔ پھر بھی پانچ رہ گئیں حضور ﷺ کو سمجھانے والے، اللہ تعالیٰ بتانے والے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے برابر دوسرا ہوسکتا ہے نہ حضور ﷺ کے برابر دوسرا ہوسکتا ہے۔ اس کے باوجود اس نماز کی ہیئت ترکیبیہ جو تھی وہ بتانے کے لیے دو روز تک جبرئیل کو بھیجا وہ دنیا میں آئے اور حضور ﷺ کے سامنے نماز پڑھ کر دکھلائی کہ اس طرح سے پڑھی جائے۔ اگر محض الفاظ سے حل ہوجایا کرتا معاملہ تو بہت سہل تھا قصہ مگر ایسا نہیں ہوا، دو روز تک نماز پڑھ کر حضرت جبرئیلؑ نے دکھائی پانچوں وقت کی۔

صحابہ کو حکم صلوا کما رئیتمونی اصلی

اور صحابۂ کرام ﷺ علامۃ عربی تھے ان کی زبان عربی تھی مادری زبان ہے۔ کوئی مشکل نہیں تھی ان کے لیے۔ قرآن پاک میں نماز کی شرائط کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً استقبال قبلہ شرائط میں سے ہے فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مثلاً کپڑوں کا پاک ہونا نماز کی شرائط میں سے ہے۔ فرمایا وثیابک فطہر۔ مثلاً اعضاء وضوا پاک ہونا ضروری ہے فرمایا گیا قرآن پاک میں ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الیٰ اخرہ۔ اور نماز کے جو ارکان وفرائض ہیں وہ بھی قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ نماز شروع کی جاتی ہے تکبیر تحریمہ سے قرآن میں سے ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وہاں قیام کا ذکر ہے۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝۲۳۸ وہاں قرات کا ذکر فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وہاں رکوع وسجود کا ذکر ہے وارکعوا فاسجدوا ساری چیزیں موجود ہیں۔ لیکن حضور نے یہ نہیں فرمایا صحابۂ کرام ﷺ کو صلوا کما نزل فی القران نماز اس طرح پڑھو جس طرح قرآن میں نازل ہوئی۔ بلکہ فرمایا صلوا کما رائیتمونی اصلی جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح سے نماز پڑھو۔

تو صرف قرآن شریف کو سامنے رکھ کر کے اس سے وہ حل کرنا چاہے نماز پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتے۔ اس لیے استاذ کی ضرورت ہے۔

بغیر استاذ کے صرف نوشتہ سے بھی بھٹکنے کا خطرہ ہے

تو پہلی چیز امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں استماع۔ سماع کا ہونا ضروری ہے۔اب استماع نہ ہو محض لکھا ہوا ہو تو اس میں بہت خر بط ہوتا ہے۔

ایک صاحب نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا بغیر استاذ کے، اس زمانہ میں کچھ نقطے دینے کا رواج اہتمام سے نہیں تھا۔ پڑھتے ہیں الٓم ذلك الكتاب لا زيت فيه بجائے لاريب فيه پڑھنے کے لا زيت فيه پڑھتے ہیں۔وجعل السقاية فى رحل الخيه رحل کی جگہ پر رجل پڑھتے ہیں فی رجل اخيه۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو جنہوں نے قرآن پاک میں نقطے لگا دیئے۔حدیث میں بھی یہ دشواری پیش آتی ہے اسی لیے ایک جگہ پر کچھ لوگ جمع تھے احادیث لکھ رہے تھے۔ایک صاحب نے آکر کہا۔ او بنو امیۃ، او امیۃ کے لونڈو کس طرح سے لکھتے ہو تم؟ ایک راوی ہے اَسِید۔ایک راوی ہے اُسَید۔ایک راوی ہے اُسَیّد۔املاء ان تینوں کا ایک طرح سے ہے مگر تلفظ الگ الگ ہے کتاب سے جب نقل کریں گے پڑھیں گے تو اشتباہ ہوگا، تمیز کرنی دشوار ہے۔

محدثین میں ایک محدث ابن لہیعہ ہیں ترمذی کے راوی ہیں ان کے استاذ نے ان کو کتاب دے دی احادیث بیان کرنے کے لیے۔استاذ سے ان روایات کو سننے کی نوبت نہیں آئی۔صرف کتاب میں دیکھ کر وہ روایت نقل کرتے ہیں۔

محدث ابن لہیعہ کا واقعہ

وہ روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ صلى الله عليه وسلم احتجم فى مسجده حضور ﷺ نے حجامت کی اپنی مسجد میں۔سامع کہتا ہے فى مسجد بيته؟ اپنے گھر کی مسجد میں فرمایا لا بل فى مسجد رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں احتجام کیا۔ احتجام کے کیا معنی۔ پچھنے لگانا۔اب اس کے اوپر مسائل چلیں گے۔پچھنا لگے گا تو خون

نکلے گا مسجد میں خون کا نکلنا کیسا ہے؟ حالانکہ وہ احتجم نہیں احتجر ہے۔ان رسول اللہ احتجر فی مسجدہ حضور ﷺ نے بوریہ پھاڑ کر حجرہ کی ہیئت بنائی تھی نماز کے لیے۔اس احتجر کو احتجم پڑھا۔

محدث یزید بن ہارون کا واقعہ

اسی طریقہ پر یزید بن ہارون محدث ہیں۔حدیث بیان کرتے ہیں حدثنی بہ عدۃ مجھ سے متعدد حضرات نے اس حدیث کو بیان کیا۔راوی سننے والا سمجھتا ہے کہ ''عدۃ'' کسی راوی کا نام ہے پوچھتا ہے۔عدۃ ابن من؟ان کی ولدیت کیا ہے،کس کے بیٹے ہیں؟ روایت بیان کرتے ہیں ایک راوی حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن جبرئیل عن اللہ عن رجل روایت بیان کی حضور ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے، جبرئیل علیہ السلام نے روایت بیان کی اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ نے بیان کی ایک رجل سے، بھئی یہ رجل کون ہیں؟ جو اللہ میاں کے بھی شیخ ہیں؟عن رجل وہ عزوجل تھا۔عن اللہ عزو جل۔عز کو عن پڑھا اور واؤ کو را پڑھا،جل کو جل پڑھ دیا ۔اس لیے اس قسم کی غلطی کثرت سے ہوتی ہے جب استماع نہ ہو۔

محدثین کے یہاں سند کی بڑی اہمیت ہے

جب استماع ہوگا تو راوی پوچھے گا استاذ سے یہ کون ہیں کسی نام پر اشتباہ ہوگا اُسے پوچھے گا، نام میں کچھ فرق ہوگا تو اس کی تمیز و تعیین کرائے گا۔اس لیے پہلی چیز استماع ہے۔اسی واسطے سند کی بڑی اہمیت ہے محدثین کے یہاں ۔اسی واسطے محدثین کہتے ہیں ان ھذا العلم لدین انظر عمن تاخذون دینکم یہ علم دین ہے دیکھ لو کیسے شخص سے دین حاصل کر رہے ہو، کہاں لوگوں نے کہنا شروع کر دیا۔انظر الیٰ ماقال ، لا تنظر الی من قال۔جو کچھ کہا اس کو دیکھو جس نے کہا اس کو مت دیکھو۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

علم دنیا اور علم دین میں فرق مراتب

{افادات}

حضرت علامہ مفتی عبدالرشید صاحب لدھیانویؒ

حضرت کا ایک رسالہ ہے القول المتین فی تحقیق حدیث اطلبوا العلم ولو بالصین اس کی تلخیص ہے، جس میں علم دین اور علم دنیا کا فرق خوب واضح کیا ہے۔

اقتباس

نتیجہ یہ نکلا کہ اصل انسان اس محسوس مجسمہ کا نام نہیں بلکہ اس جوہر کا نام ہے جو اس میں ودیعت رکھا گیا ہے......اور وہ علم الٰہی ہے۔

بازار میں پلاسٹک کی بنی ہوئی انسانی صورتیں چند ٹکوں میں مل جاتی ہیں ......اس طرح جو علم الٰہی سے محروم ہے وہ لاکھ انسانیت کا دعویٰ کرے، لیکن حقیقت میں اس کی قدر و قیمت پلاسٹک کی بنی ہوئی مورت سے زیادہ نہیں۔

اسی کے متعلق ارشاد ہے:

گر بصورت آدمی انسان بدے ۔۔۔ احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

اینکہ می بینی خلاف آدم اند ۔۔۔ نیسند آدم غلاف آدم اند

ازبروں چو گور کافر پر حلل ۔۔۔ واندروں قہر خدائے عز وجل

پیراگراف از افادات حضرت علامہ مفتی عبدالرشید صاحب لدھیانوی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

علم مدار عمل ہے

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک کسی کام کے جاننے کی قوت اور دوسرے اس کے کرنے کی قوت اور عقلا جاننا کرنے سے مقدم ہے، سب سے پہلے انسان کو کسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے جس سے رغبت یا نفرت وخوف پیدا ہوتا ہے اور یہی رغبت یا خوف کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا موجب بنتا ہے، گویا کہ انسانی زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لیے "علم" مدار عمل ہے اور ظاہر ہے کہ جو مدار زندگی ہوگی وہ افضل ہوگا۔

دوسرے دو مقدمے

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ کسی انسان کے لیے جس طرح اس کی دنیوی زندگی اہم، اس سے کئی گنا زیادہ اُخروی زندگی کی اہمیت ہے بلکہ دنیوی زندگی کی اہمیت اگر ہے تو صرف اس لحاظ سے کہ وہ **مزرعة الاخرة** یعنی آخرت کی زندگی کو درست کرنے کا وقت اور مقام ہے۔

تیسرا مقدمہ یہ جان لیا جائے کہ انبیاء کرام علیہ السلام کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ انسان جو دنیوی علائق میں پھنسا ہوا ہے اور خواہشات نفسانیہ کی آماجگاہ ہے اس کی اُخروی زندگی کو سنوارنے کے طور طریقے بتائیں۔ نبوت من حیث النبوۃ صفتِ علمیہ ہے، نیز نبی کے لغوی معنی بھی خبر دینے والے کے ہیں، یعنی احکامِ الٰہیہ کی خبر دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کو خود علم نہ ہوگا وہ دوسروں کو کیا خبر دے گا۔

نبوی میراث علم شرع ہی ہے

ان تینوں مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ علماء کو ورثۃ الانبیاء فرمایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ علم نبوی علم شرع کو کہا جاتا ہے لہٰذا اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں جہاں علم کا لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد علم شرع ہی ہے۔ اور عالم سے مراد علم شرع کا جاننے والا، وارث کو اپنے مورث کی ہر متروکہ چیز سے حصہ ملا کرتا ہے پس جس کو حضور ﷺ کی ہر صفت سے حصہ نہ ملا ہو وہ وارثِ نبی بھی نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیوی فنون حاصل کرنے سے علم نبوی اور صفاتِ نبویہ سے حصہ نہیں مل سکتا۔

انسان اور علم...... علم الٰہی انسان کی امتیازی شان

وحی الٰہی اور رسالت و نبوت کی دولت سارے عالم میں صرف انسان کے حصہ میں آئی، وحی علمِ الٰہی کے اتارنے کو کہا جاتا ہے اور یہی دیگر انسانوں تک پہنچانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو دے دیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ علمِ الٰہی کی نعمت سے صرف انسان کو نوازا گیا، گویا علمِ الٰہی انسان کی بنیادی خصوصیت اور امتیازی شان ہے اور کسی چیز کی خصوصیت وہی ہوسکتی ہے جو دوسری اشیاء میں نہ پائی جاسکتی ہو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اصل انسان اس محسوس مجسمہ کا نام نہیں بلکہ اس جوہر کا نام ہے جو اس

میں ودیعت رکھا گیا ہے اور وہ علم الٰہی ہے۔بازار میں پلاسٹک کی بنی ہوئی انسانی صورتیں چند ٹکوں میں مل جاتی ہیں۔اس طرح جو علم الٰہی سے محروم ہے وہ لاکھ انسانیت کا دعوی کرے لیکن حقیقت میں اس کی قدر و قیمت پلاسٹک کی بنی ہوئی مورت سے زیادہ نہیں۔اسی کے متعلق ارشاد ہے ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے | احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے
اینکہ می بینی خلافِ آدم اند | نیستند آدم غلافِ آدم اند!
از بروں چوگور کافر پُرحلل | و اندروں قہرِ خدائے عزّ وجل

امانت علم کا اہل انسان ہی ٹھہرا

اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمادی ہے کہ علم و عمل جو انسان کے لئے وجہ امتیاز و شرف ہے وہ صرف ایسا علم اور عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب اور عذابِ آخرت سے بچنے کا ذریعہ ہو۔فرمایا، اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ [سورۂ احزاب:۷۲ تا ۷۳]

آیت کی تفسیر سے قبل اس کے الفاظ کی تشریح ضروری ہے۔

عرض : امتحان استعداد و صلاحیت
امانته : علم و عمل
اباء : فقدان صلاحیت و استعداد
حمل : وجود صلاحیت و استعداد
ظلم : عدم العمل عما من شاء نه ان يكون عاملا
جهل : عدم العلم عما من شاء نه ان يكون عالما

آیت کی عمدہ تفسیر

اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کی امانت کے لئے پوری دنیا میں سے صرف انسان کو اس لئے منتخب فرمایا کہ اس کے سوا دوسری کسی مخلوق میں اس کے تحمل کی استعداد و صلاحیت نہ تھی "اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾" اس کی تعلیل ہے۔ یعنی علم کا مکلف اسے بنایا جا سکتا ہے جس میں فی الحال علم موجود نہ ہو مگر بالقوۃ استعداد و صلاحیت ہو، ایسے ہی عمل کا حکم اسے دیا جا سکتا ہے جس میں حال میں عمل نہ ہو مگر بالقوۃ عمل کی استعداد موجود ہو، اگر زمانۂ حال میں علم وعمل موجود ہے تو اس کا حکم تحصیل حاصل ہے۔ اور اگر استعداد ہی نہ ہو تو وہ تکلیف مالایطاق ہے اور یہ دونوں امر باطل ہیں، غرضیکہ انسان میں علم وعمل بالفعل موجود نہ تھا مگر اس کی استعداد موجود تھی اور دوسرے کسی مخلوق میں اس کی استعداد ہی موجود نہ تھی اس لیے شرف امانت کے لیے انسان کو منتخب فرمایا گیا۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الآیۃ میں لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی انسان کے حمل امانت کا نتیجہ ہوا کہ بعض اللہ تعالیٰ کی رضا کے مستحق ہوئے اور بعض عذاب کے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں امانت سے وہ علم وعمل مراد ہے جو صرف انسان کا خاصہ اور طرۂ امتیاز ہے اور ظاہر ہے کہ وہ علم دین ہی ہے، اس لیے کہ دنیوی علم وعمل میں انسان کے ساتھ ہر جاندار شریک ہے۔ علاوہ ازیں لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الخ میں بھی اس کی صراحت ہے کہ وہ علم وعمل مراد ہے جو آخرت میں کام آنے والا ہو اور وہ علم دین ہی ہے۔

ظلمت جدیدہ سے مسموم مسلمان

یہ امر اہل اسلام میں متواتر مسلم اور بدیہی چلا آ رہا ہے کہ اصل علم صرف علم دین ہی ہے اور علماء صرف علماء دین ہی کو کہا جاتا ہے مگر اس دور پرفتن میں جس طرح دوسری بہت سی ضروریات دین اور متواترات و مسلمات کا انکار کیا جانے لگا ہے اور اسلام کے

بدیہی اور متفق علیہ حقائق میں شکوک وشبہات پیدا کر کے انہیں نظری، استدلالی اور مباحث اختلافیہ کی فہرست میں لاکران پر دلائل اور بحث ومباحثہ کے دروازے کھولے جارہے ہیں اسی طرح ظلمت جدیدہ (نئی روشنی) سے مسموم مسلمان کوآج علم اور علماء کا بدیہی اور پوری امت میں مسلم مفہوم سمجھانے کے لیے دلائل کی ضرورت ہے جب کہ قرآن وحدیث کے سینکڑوں شواہد موجود ہیں جن سے یہ حقیقت بے غبار ہوجاتی ہے۔

حدیث اطلبوا العلم کی تشریح

خود حدیث زیر بحث ''اطلبوا العلم'' بھی یہی بتارہی ہے کہ اس میں علم دین مراد ہے اس لیے کہ اس میں صیغۂ امر ہے جو بدوں قرینہ صارفہ وجوب کے لیے آتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلب علم ہر مسلم پر فرض ہے۔ اسی حدیث کے آخر میں اس کی تصریح بھی ہے ''**فان طلب العلم فریضة علی کل مسلم**'' اور ظاہر ہے کہ علوم دنیویہ کی تحصیل کو ہر مسلم مرد وعورت کے لیے ضروری اور فرض قرار دینے کا دنیا میں کوئی احمق بھی قائل نہیں۔

جنہوں نے قرآن وحدیث کو پڑھا اور سمجھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی علم کا لفظ مطلقاً بولا گیا ہے اس سے علم شرع ہی مراد ہے۔ **فمن شاء فلیراجع الی کتب الشرع والمطولات فی الحدیث والتفسیر والفقه**۔

علم عقل کی روشنی میں

عقلی حیثیت سے بھی اگر دیکھا جائے تو علم سے دنیوی علوم مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا جس کی متعدد وجوہ ہیں۔

نظر شرع میں علوم شرعیہ کے مقابلے میں دنیوی علوم صنعت وغیرہ اتنے ناقص ہیں کہ ان کو علم کہا ہی نہیں جاسکتا، اس لیے کہ پوری کائنات کی وجہ تخلیق یہ ہے کہ انسان ان

سے استفادہ کرے لقولہ تعالیٰ هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا [سورۃ بقرہ:۲۹] جب سب چیزیں انسان کے لیے بنائی گئی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسان کی وجہ تخلیق کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے لقولہ تعالیٰ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ [سورۃ ذاریات:۵۶] تو معلوم ہوا کہ سارے عالم کی پیدائش سے اصل مقصد عبادت ہے اور عبادت کا علم علم شرع ہے۔ پس علم کا فرد کامل چونکہ علم دین ہے اس لیے علی الاطلاق جب علم کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے علم دین ہی مراد ہوگا اسی طرح جب قرآن وحدیث میں علم کا لفظ علی الاطلاق آتا ہے تو اس سے علم شرع ہی مراد ہوتا ہے نیز فخر موجودات محسن اعظم ﷺ کی بعثت کا مقصد اُمور دنیا کی تعلیم نہیں بلکہ امور متعلقہ بالآخرۃ کی تعلیم ہے اس لیے آپ ﷺ کی اصطلاح میں علم سے مراد بھی وہی ہوگا جو آپ ﷺ کی بعثت کا مقصود ہے۔

دنیوی علوم کو ہر حیوان بقدر ضرورت جانتا ہے

جو علم انسان کا خاصہ ہے وہ علم دین ہے، کیونکہ صرف علم دین ہی میں انسان کی انفرادیت ہے، دوسرے علوم میں انسان کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر حیوان دُنیوی علوم کو بقدر ضرورت جانتا ہے، بلکہ انسان سے زیادہ جانتا ہے اور کئی علوم انسان نے حیوانات سے سیکھے ہیں چنانچہ ذیل میں ہم کئی مثالوں سے ان حقائق پر روشنی ڈالتے ہیں۔

شہد کی مکھی میں علم سیاست

سیاست اور انتظامی اُمور میں انسان دیگر جانوروں پر برتری کا دعویٰ نہیں کرسکتا، شہد کی مکھیاں جب چھتہ بناتی ہیں تو اس میں ہشت پہلو سوراخ اور خانے بنا کر اپنے قلعہ کی تعمیر کرتی ہیں، اس قلعہ کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے کہ ایک حصے میں شہد بنایا جاتا ہے ،ایک حصے میں بچے پلتے ہیں اور ایک حصے میں بڑی مکھیاں رہائش پذیر ہوتی ہیں، نیز ان

کا ایک امیر بھی ہوتا ہے جس کو عربی میں ''یعسوب'' کہتے ہیں وہ ان سب کی نگرانی کرتا ہے، چنانچہ اگر ایک مکھی کسی زہریلے پتے پر بیٹھ کر اس کا رس شہد میں ملانے کی کوشش کرتی ہے تو فوراً اسے مار کر اس کا سر کاٹ دیا جاتا ہے، شہد کے کسی چھتے کے پاس جا کر دیکھئے کسی کا سر کٹا ہوا اور کسی کی کمر ٹوٹی ہوئی ملے گی۔ پھر امیر کی اطاعت کا یہ عالم ہے کہ مجرم کو سزائے موت دینے پر دوسری مکھیوں میں بغاوت یا ایجی ٹیشن کا جذبہ نہیں اُبھرتا۔

بطخ میں علم تنظیم وسیاست

سیاست میں بطخوں کی تنظیم اور اطاعت تو قابل تقلید ہے، جب سب بطخیں سو جاتی ہیں تو ان کا امیر ایک ٹانگ پر ساری رات جھیل میں کھڑا ہو کر نگرانی کرتا ہے، خطرے کی صورت میں آواز لگاتا ہے۔ پہلی ہی آواز پر ساری قوم خطرے سے آگاہ ہو جاتی ہے اور سب پر تول لیتی ہیں دوسری آواز پر پرواز شروع کر دیتی ہیں۔ امیر سب کے آگے آگے چلتا ہے اور باقی بطخیں دو قطاریں بنا کر پیچھے پیچھے اُڑتی ہیں۔ امیر جدھر کو رُخ کرلے ادھر کو باقی قوم چل دیتی ہے، اس سے ان کا ایک دوسرے پر کامل اعتماد بھی ظاہر ہے۔

آج کی متمدن دُنیا اس سے بڑھ کر تنظیم وسیاست کا مظاہرہ کر کے دکھادے!!!

طب قدیم وجدید انجکشن میں بگلے کی رہین منت ہے

طب قدیم وجدید دونوں علم احتقان (حقنہ) اور علم تلقیح (انجکشن) میں ایک بگلے کی رہین منت ہیں۔ حکیم جالینوس نے کسی بگلے کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تو محسوس کیا کہ اس کے پیٹ میں درد ہے، تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے بگلے نے چونچ میں آبِ نمکیں بھرا اور اس کی مقعد میں داخل کر دیا جس سے اس کو کھل کر اجابت ہوگئی اور درد جاتا رہا، جالینوس مکان پر آیا تو ایک قولنج کا مریض آپہنچا، جالینوس نے اس پر بگلے سے حاصل کردہ حکمت کا تجربہ کیا جو بہت مفید ثابت ہوا، جالینوس نے بگلے سے عمل احتقان

سیکھا اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے طب جدید نے انجکشن ایجاد کیا اسی لیے انجکشن کو عمل الطائر کہا جاتا ہے۔غرضیکہ طب جدید و قدیم دونوں بگلے کی شاگرد ہیں۔

فن طب میں بندر کی مہارت

حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہم نے اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا، لکھتے ہیں کہ تقسیم سے قبل مجھے ایک ہندو ریاست اندرگڑھ میں بارہا جانے کا اتفاق ہوا، وہاں میرے بعض اعزہ اونچے عہدوں پر ممتاز تھے، اس ریاست میں بندروں کے مارنے کی ممانعت تھی اس لیے بندروں کی تعداد ہزاروں کی حد تک تھی، بندروں کی جبلت میں شرارت اور چالاکی بلکہ ایذا رسانی داخل ہے اس لیے وہ کافی نقصان کرتے تھے۔کبھی برتن اُٹھا کر بھاگ جاتے کبھی کپڑا اُٹھالے جاتے اس لیے ایک بار ہم نے سوچا کہ کوئی تدبیر کرنی چاہیے، اس لیے ہم نے ایک روپے کا سنکھیا خریدا اور اُسے آٹے میں ملایا اور روٹیاں پکوا کر چھت پر پھیلادیں تاکہ وہ کھائیں اور مرتے جائیں، اس لیے ہم روٹیاں چھت پر ڈال کر خود ایک گوشے میں بیٹھ کر منتظر رہے کہ اب بندر آکر ان روٹیوں کو کھائیں گے اور مریں گے، کچھ بندر آئے مگر ان روٹیوں سے دور کھڑے ہوکر دیکھنے لگے کہ یہ کیا نیا حادثہ پیش آیا کہ روٹیاں بکھری ہوئی پڑی ہیں یقیناً اس میں کچھ بات ہے ورنہ روٹیاں یوں نہیں بکھیری جاسکتیں اس لیے روٹی کو غور سے دیکھا پھر سونگھا، بالآخر انہوں نے روٹی کو ہاتھ نہیں لگایا اور چلے گئے، ہم سمجھے کہ تدبیر فیل ہوگئی لیکن بندروں کا یہ چالاک قافلہ جاکر پھر اپنے ساتھ اور بندروں کو لایا اور چودہ پندرہ موٹے بندر ان کے ہمراہ آئے اور روٹیوں کے اردگرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔کچھ دیر بعد ایک آگے بڑھا اور اُس نے روٹیوں کو سونگھا، پھر دوسرا آگے بڑھا اس نے ایک روٹی توڑی اور اس کے ٹکڑوں کو سونگھا اور روٹیاں چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔

انسان ڈاکٹری پر کیا ناز کرے

اب ہمیں یقین ہوگیا کہ یہ سب کچھ سمجھ گئے ہیں اور ہماری ساری تدبیر ناکام ہوگئی، مگر تھوڑی ہی دیر بعد تقریباً ساٹھ ستر بندروں کا ایک قافلہ آیا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک ٹہنی تھی جن میں ہرے ہرے پتے تھے انہوں نے آکر پہلے تو روٹیوں کو توڑا، ان کے ٹکڑے کیے، گویا پوری جماعت میں یہ اُصول پیش نظر تھا کہ

نیم نانے گر خورد خدا بذل درویشاں کند نیمے دگر

بندر بانٹ تو مشہور ہے، آخر کار انہوں نے وہ ٹکڑے باہم بانٹ لیے اور ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا کھا کر اُوپر سے وہ پتے چبا لیے جو ہر ایک اپنے ساتھ لایا تھا، اور دندناتے ہوئے چلے گئے اور ہم دیکھتے رہ گئے، اپنا آٹا بھی گیا، کپڑا تو پہلے ہی جا چکا تھا اور اوپر سے وقت بھی ضائع ہوا۔

اب بھی اگر انسان اپنا یہ کمال ظاہر کرے کہ ہم طبیب ہیں اور جڑی بوٹیوں کے خواص جانتے ہیں تو یہ غلط ہوگا کیونکہ بندر بھی تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی طبیب ہیں ہم جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں بلکہ زہر تک کا تریاق ہم کو معلوم ہے۔

عام انسانوں سے عام جانور اصول طب زیادہ جانتے ہیں

ایسے ہی دیگر جانوروں میں بھی معالج اور اطباء موجود ہیں اگر انسانوں کے معالجین اور جانوروں میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا ہوسکتا ہے کہ انسان کو زیادہ دوائیں معلوم ہیں اور ان کو کم، مگر اس سے انسان کی بڑائی ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ ان کو انسان کی بہ نسبت امراض بھی تو کم پیش آتے ہیں غالباً وجہ یہ ہے کہ عام انسانوں سے عام جانوروں کو اصول طب زیادہ معلوم ہیں، اکثر جانور حفظ ماتقدم کے اصولوں پر عمل کرکے بیماری کو روک دیتے ہیں اس طرح سے ضرورت دوا ہی باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح سب حیوانات اپنی غذا میں بھی مضر اور مفید چیزوں کا علم رکھتے ہیں، اگر کوئی مضر چیز کسی وجہ سے اندر چلی جاتی ہے تو ان کو اس کا فسادِ زہر بھی معلوم ہے چنانچہ کتا کوئی مضر چیز کھالیتا ہے تو وہ کسی طرح سے قے کر کے اسے نکال دیتا ہے۔

ہم نے گھوڑے کو بار بار دیکھا کہ منہ میں لگام ہونے کی حالت میں گھاس کھا رہا ہے، اس کے منہ میں گھاس کے اُلجھے ہوئے تنکوں میں اگر کوئی ایک تنکا اس کے لیے مضر ہوتا ہے تو وہ اسے لگام منہ میں ہونے کے باوجود ان الجھے ہوئے تنکوں میں سے نکال باہر کر دیتا ہے۔

ورزش انسان نے جانوروں سے سیکھی ہے

علم حفظ صحت کے اصول میں سے ورزش بہت اہمیت رکھتی ہے اور اس کا دستور سب جانوروں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے، یوگ آسنوں کے موجد رشی منی، اور یوگی ہر جاندار کی حرکات کو غور سے دیکھ کر اس کی ورزش کا طریقہ سیکھتے تھے، اس طرح انسان نے جانوروں سے چوراسی لاکھ آسن سیکھے جن میں سے صرف چوراسی آسن مشہور ہیں۔

فن تعمیر میں جانوروں کی مہارت

ہر جانور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے لیے محفوظ اور آرام دہ مکان تیار کرتا ہے، سردی گرمی، بارش آندھی اور دشمنوں سے حفاظت ان سب چیزوں کی رعایت ان کے مکان مین ہوتی ہے گویا کہ دشمن سے حفاظت کے لیے ایک طرف مضبوط تہہ خانہ ہے تو دوسری جانب سردی گرمی کی شدت سے حفاظت کے لیے ائر کنڈیشنڈ، زنبور کا بنایا ہوا مکان اس کی واضح مثال ہے۔

بیا چڑیا کا گھونسلہ دیکھیے، اس کی بنائی دیکھیے کیسی بہترین بنائی ہے اور ایسا مضبوط کے ہوا کہ جھکڑ چلیں، موسلا دھار بارش ہو کیا مجال ہے کہ اس کا گھونسلہ شاخ کو چھوڑ

دے۔ پھر اس میں انڈوں اور بچوں کی حفاظت کس حد تک ہوتی ہے۔ شہد کی مکھی کا مکان دیکھئے بچے دینے کے کمرے الگ اور شہد پیدا کرنے کی جگہ الگ ہے۔ تتیا کا مکان بھی اسی قسم کا ہوتا ہے۔

کیمیکل

شہد کی مکھی کس طریقے سے مختلف درختوں کی پتیوں، پھلوں اور پھولوں سے مختلف قسم کے وٹامن حاصل کر کے کیمیاوی طور پر اس میں کیا تصرف کرتی ہے کہ وہ بہترین عمدہ، لذیذ اور صحت بخش غذا کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

علم المکاشفہ

محنت شاقہ اور طویل مجاہدات کے بعد بعض لوگوں کو توجہ نفس اور مسمریزم وغیرہ میں کامیابی ہوتی ہے مگر حیوانات بدون کسی قسم کے مجاہدہ اور مشق کے بعض حالات کو معلوم کر لیتے ہیں چنانچہ حیوانات کے لیے کشفِ قبور احادیث سے ثابت ہے۔

فن زلزلہ پیما

ماہرین زلزلہ پیما آج تک قبل از وقت زلزلے کی کوئی یقینی اطلاع نہیں دے سکے، مگر بھیڑ بکری اور دوسرے حیوانات قبل از وقت اسے محسوس کر لیتے ہیں اور چلانا شروع کر دیتے ہیں۔

فن معدنیات

آج کل معدنیات کے پیچھے پوری دنیا لگی ہوئی ہے، زمین کھود کر ارضی خزانوں کی تلاش میں مصروف ہے مگر آج سے ہزارہا سال قبل ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی تھی کہ اسے اپنے لشکر کے ہمراہ رکھا کریں اس لیے کہ اسے زمین کی گہرائیوں میں پانی کے خزانے نظر آتے ہیں۔

فن موسمیات

بارش اور آندھی وغیرہ کے لیے محکمۂ موسمیات والوں کی پیشگوئی بسا اوقات غلط بھی ہو جاتی ہے، ان کا اعلان ظن غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے مگر چیونٹی اور دیگر حشرات الارض کو اس کا ایسا علم ہوتا ہے کہ وہ قبل از وقت اپنے انڈے اور غذائی سامان وغیرہ محفوظ مقامات پر منتقل کر لیتے ہیں۔

فن معلومات سیلاب

سیلاب سے متعلق بھی ماہرین فن کوئی یقینی پیش گوئی نہیں کر سکتے مگر دریاؤں کے قریب بسنے والے جانور سیلاب سے قبل اپنے اپنے انڈے بچے اور دوسرا سامان دور محفوظ مقامات میں منتقل کر دیتے ہیں۔

فن غوطہ زنی

انسان غوطہ زنی میں کتنا ماہر ہو مگر دریائی جانوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فن تیراکی

کون انسان ہے جو تیرنے میں مچھلی وغیرہ دریائی جانوروں کا مقابلہ کر سکے۔

فن پرواز

انسان کتنی ہی پرواز کرے، پرندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا، نیز اس انتہائی ترقی کے زمانے میں بھی کوئی طیارہ یا بحری جہاز جب تک کسی نشان کو سامنے نہ دیکھ رہا ہو محض قطب نما سے زاویہ قائم کر کے سیدھا نہیں جا سکتا، بلکہ مقام مطلوب کا مقام روانگی سے جو زاویہ قائم کر کے چلتا ہے وہ زاویہ دونوں مقامات کے درمیان خط مستقیم پر چلنے سے قدم قدم پر بدلتا ہے اس لیے اگر کوئی چیز ایک زاویہ قائم کر کے روانہ ہو تو وہ مقام مطلوب

تک پہنچنے کی بجائے قطب مقناطیسی کے گرد چکر کاٹتی رہے گی، اس بناء پر زاویہ کی مدد سے رفتار کی دو صورتیں ہیں۔

۱) خط مستقیم کے زاویے کی بہ نسبت اتنا بڑا زاویہ رکھا جاتا ہے کہ جہاز چکر کاٹ کر مقام مطلوب پر پہنچ جائے۔

۲) خط مستقیم کے زاویے پر روانگی شروع کی جاتی ہے پھر ہر ساٹھ میل کے بعد دائیں یا بائیں ایک میل ہٹ کر اس فرق کو نکالا جاتا ہے۔

مگر پرندے دور دراز کا سفر بغیر کسی قطب نما کی مدد کے براہِ راست طے کرتے ہیں، خصوصاً شہد کی مکھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ الآیۃ، اس سے ثابت ہوا کہ رب کریم کی شانِ تربیت نے شہد کی مکھی کی پرواز کے لیے بہت دور دراز کے راستے مسخر فرمادیے ہیں، مکھیوں کے ماہرین اس کا مشاہدہ بتاتے ہیں۔

فن دفاع

حیوانات کے دفاعی مکانوں کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، مزید بریں دشمنوں سے اپنی حفاظت کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کو القاء فرمائے ہیں۔

فن کسب معاش

جہاں تک کسبِ معاش کا تعلق ہے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم معاشیات میں وہ کمال عطا فرمایا ہے کہ آج کل کے ماہرین معاشیات کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں، نیز حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے توکل کی کتنی بڑی دولت عطا فرمائی ہے، اول تو کئی حیوانات پرندے وغیرہ ایسے ہیں کہ وہ کل کی فکر نہیں رکھتے، اور بعض حیوانات جیسے چیونٹی وغیرہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں تو ان کو بلاشبہ یہ بھی خوب معلوم ہے کہ کسی جگہ ان کو رکھا

جائے تا کہ سردی گرمی کے اثر اور دشمنوں کی لوٹ مار سے ان کی حفاظت ہو سکے، غرضیکہ اس فن میں بھی حیوانات کو ید طولیٰ حاصل ہے۔

فن تخریج اوقات

مرغ کو دیکھا ہوگا کہ وہ بغیر لمبی چوڑی حسابی تخریجات کے کس طرح اوقات کا پتہ دیتا ہے، خاص طور پر ظہر، صبح صادق، صبح کاذب اور آدھی اور تین چوتھائی رات میں تو ٹھیک وقت پر بانگ دیتا ہے۔ حتی کہ بعض دیہاتوں میں رات کے اوقات بالخصوص سحری کا دارومدار مرغ کی آواز پر ہوتا ہے۔

یہ فنون دنیویہ کی چند ایسی مثالیں ذکر کی گئی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کر رہا ہے ورنہ ماہرین حیوانات تو خدا جانے حیوانات کے کن کن کمالات کی اطلاع پا چکے ہیں، معہذا ان کی معلومات سے مجہولات زیادہ ہیں۔

دنیوی تمام علوم میں انسان اور جانور سب شریک ہیں

غرضیکہ دُنیا کے علوم وفنون میں سے کسی کو بھی لے لیں اور خود انصاف سے فیصلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان علوم وفنون میں کوئی ایسا نہیں جس میں انسان منفرد ہو بلکہ ان تمام علوم میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہے، اس لیے قرآن وحدیث میں جس علم کی تعریف کی گئی ہے اور جسے انسان کا زیور بلکہ وجہ امتیاز بتایا گیا ہے وہ علم ایسا ہونا چاہیے جس میں انسان منفرد ہو اور وہ علم دین ہی ہے جیسا کہ ہم پیچھے وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں۔

علم کی شرافت معلوم کی شرافت کی وجہ سے ہے

کسی بھی علم کی شرافت معلوم کی شرافت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ سنار اور موچی کا علم شرافت میں متفاوت ہے، علوم شرعیہ کی معلومات قرآن وحدیث ہیں اور علوم دنیا کی معلومات صنعت وحرفت وغیرہ ہیں، اور ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث اللہ ورسول ﷺ کی

تعلیمات ہیں اس لیے وہ صنعت وحرفت پر شرافت کے لحاظ سے بہت فوقیت رکھتی ہیں تو ان کا علم بھی اعلیٰ واشرف ہوگا اور حدیث میں اسی اعلیٰ واشرف علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

علم دنیا وعلم دین میں فرق مراتب

دنیوی علوم کا ماحصل یہ ہے کہ اس دنیا کی عارضی زندگی سنور جائے، گویا علوم دنیویہ عارضی زندگی کا موقوف علیہ ہیں، بخلاف علوم اسلامیہ کے کہ وہ وطن اور ہمیشہ کی زندگی کا موقوف علیہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو وطن اور دائمی زندگی کا موقوف علیہ ہے وہ اعلیٰ واشرف ہوگا۔

دنیوی علم اپنے ہم جنس انسانوں میں زندگی گزارنے اور ان کے ساتھ تعلقات اور رابطہ رکھنے کا ذریعہ ہے اور علم آخرت اپنے خالق اور احکم الحاکمین کے ساتھ تعلق اور رابطہ کو استوار رکھنے کا ذریعہ ہے اسی سے ان کی رضا حاصل ہوتی ہے اس لئے بندہ اور خالق میں جو فرق مرتبہ ہے وہی علم دنیا وعلم دین میں ہے، ان وجوہ کی بناء پر علم آخرت کو کمال اور علم دنیا پر شرف حاصل ہے اس لیے جہاں مطلق علم بولا جاتا ہے اس سے اس کا فرد اشرف واکمل یعنی علم دین مراد ہوتا ہے۔

اصطلاح شرع میں صرف علم دین کے ساتھ لفظ علم کا اختصاص اس حد تک عام معروف ومشہور ہے کہ اہل اسلام میں قبل از اسلام کے لیے زمانۂ جاہلیت اور کافر کے لیے جاہل کی اصطلاح عام زبان زد ہے۔ کتب بلاغت میں یہ مثال بکثرت مذکور ہے **قول الجاهل انبت الربيع البقل و شفى الطبيب المريض** ،ابوجہل مشہور دانشور ہونے کی وجہ سے ابوالحکم کے لقب سے معروف تھا مگر دولت ایمان سے حرمان کی وجہ سے ابوجہل بن گیا۔ عام مقولہ ہے ''علمے کہ بحق رہ نماید جہل است'' وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے   راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

ذکر چین کا کیا مطلب؟

حقیقت مذکورہ دلنشین ہوجانے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ذکر چین کا کیا مطلب؟ چین عہد رسالت میں بھی علم دین سے عاری تھا اور بعد میں بھی اب تک وہاں سے علم دین کی تحصیل کا کچھ مطلب نہیں بنتا اور نہ ہی آئندہ کے لیے اس کی کوئی توقع نظر آتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال جس طرح علم دین سے متعلق پیدا ہوتا ہے اسی طرح علم دنیا مراد لینے پر بھی یہی اشکال لازم آتا ہے، اس لئے کہ علوم دنیویہ میں بھی چین کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں بلکہ دوسرے ممالک کو چین پر ہمیشہ فوقیت رہی ہے۔

چین کا ذکر بعد مسافت میں تمثیل کے لیے ہے

بالفرض علوم دنیویہ میں چین کی کوئی برتری تسلیم بھی کرلی جائے تو بھی حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی، یعنی کلام محسن اعظم ﷺ میں علم سے علم دین ہی مراد ہے اور چین کا ذکر صرف بعد مسافت میں تمثیل کے طور پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ علم دین کی تحصیل میں خواہ کتنا ہی طویل سفر کرنا پڑے اور کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے تو بھی اس فریضہ میں تساہل کی کوئی گنجائش نہیں، عام محاورہ میں اس قسم کے کلام سے بعد مسافت میں تمثیل مراد ہوتی ہے نہ کہ اس مقام کی تعیین، **کما ھو ظاھر علی من تتبع و تفکر فی کلام الناس، وھذا ھو الحق الصریح لمن شاء ان یکون النجیح۔**

اللہ تعالیٰ علم نافع کی دولت نصیب فرمائے اور صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ---------- (۳۶)

طلباء اور علماء کے لیے لائحہ عمل

{خطاب}

شہید اسلام حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

ہمارے اکابر کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ حضرات جب بھی دینی مدرسے سے فارغ ہوتے تھے تو کسی شیخ سے اصلاحی تعلق قائم کر لیتے تھے۔

چونکہ اب آپ ہی حضرات کو دین کی خدمت کرنی ہے، ہمارا وقت تو پورا ہو چکا ہے ہم تو آج کل جانے والے ہیں، آج چلے جائیں یا کل چلے جائیں۔

تو آپ حضرات کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ خصوصیت کے ساتھ ہمارے اکابر کی جو عادت رہی ہے یعنی اپنے نفس کی اصلاح کرنا اور اسوۂ رسول اکرم کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لینا۔

کسی شیخ سے، جس سے عقیدت و محبت ہو اس سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لیں۔ شتر بے مہار نہ رہیں۔ شتر بے مہار آدمی خراب ہو جاتا ہے اور کوئی بات بھی ہو اکابر سے پوچھے بغیر نہ کریں اور ان سے مشورہ کئے بغیر نہ چلیں۔

پیراگراف شہید اسلام مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

طلبہ سے چند باتیں

میرے عزیز طلبا! میں چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم نے جن جن بزرگوں کا نام لیا ہے، ان کے لیے بھی اور جن جن بزرگوں کا نام رہ گیا ہے ان کے لیے بھی، آپ تمام حضرات دعا فرمائیں، خصوصاً ہمارے محسن اعظم حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، جن کا یہ دین کا باغیچہ (جامعہ علوم اسلامیہ) لگایا ہوا ہے، ان کے علاوہ تمام حضرات کے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائیں۔

ہمیں معاف کردو

دوسری بات: مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ مدرسے میں رہتے ہوئے ہم لوگوں سے آپ حضرات کے حق میں بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہوں گی، کھانے پینے کے معاملے میں، رہنے سہنے کے معاملے میں، برت برتاؤ کے معاملے میں، جیسا آپ کا اکرام ہمیں

کرنا چاہیے تھا ویسا ہم نہیں کر سکے، آپ لوگ ہم لوگوں کو معلم اور ہم آپ کو طلباء سمجھتے رہے، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ تم بھی تو مہمانانِ رسول ﷺ تھے اور تم ہمارے لیے لائق تعظیم اور لائق اکرام تھے، مگر ہم آپ کا کما حقہٗ اکرام نہیں کر سکے۔

تو بھائیو! ہمارے عملے میں سے، مدرسے والوں میں سے جس صاحب سے جو کوئی کوتاہی ہوئی ہو، ہم دست بستہ اس کی معافی مانگتے ہیں، آپ حضرات ہماری تمام کوتاہیوں کو معاف فرمادیں۔

تیسری بات: یہ عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات یہاں سے فارغ ہوکر اپنے اپنے گھروں میں جائیں گے، کسی کا دعوت وتبلیغ میں جانے کا ارادہ ہوگا، کسی کا کوئی مدرسہ بنانے کا ارادہ ہوگا، کسی کا کوئی منصوبہ ہوگا۔

اصلاحی تعلق کی ضرورت

ہمارے اکابرؒ کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ حضرات جب بھی دینی مدرسے سے فارغ ہوتے تھے، تو کسی شیخ سے اصلاحی تعلق قائم کر لیتے تھے، چونکہ اب آپ ہی حضرات نے دین کی خدمت کرنی ہے، ہمارا وقت تو پورا ہو چکا ہے، ہم تو آج کل جانے والے ہیں، آج چلے جائیں، یا کل چلے جائیں! تو آپ حضرات کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے، خصوصیت کے ساتھ ہمارے اکابرؒ کی جو عادت رہی ہے، یعنی اپنے نفس کی اصلاح کرنا اور اسوۂ رسول اکرم ﷺ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لینا، کسی شیخ سے، جس سے عقیدت، محبت اور تعلق ہو، اس سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لیں، شتر بے مہار نہ رہیں، شتر بے مہار آدمی خراب ہو جاتا ہے، نفس بڑا ذلیل ہے، آدمی کو جگہ جگہ بہکاتا ہے۔ اپنے اکابرؒ سے تعلق رکھیں اور کوئی بات بھی ہو، ان سے پوچھے بغیر نہ کریں، ان سے مشورہ کیے بغیر نہ چلیں۔

غلط مسئلے نہ بتاؤ

اب تمہارے پاس لوگ آئیں گے اور آپ ہی سے اپنے مسائل کا حل معلوم کریں گے۔

ہمارے حضرت مولانا عبد الشکور کامل پوری رحمہ اللہ ہوتے تھے، وہ سند فراغت کو ''مصلیٰ'' کہا کرتے تھے، ان کی زبان میں، اب تمہیں مصلیٰ تو مل جائے گا یعنی سند مل جائے گی، اس اعتبار سے اب تم ماشاء اللہ عالم بن جاؤ گے۔

میرے پاس تو یہ مصلیٰ بھی نہیں ہے، وہ بھی مجھ سے گم ہو گیا ہے، میں تو خالی ہوں، ایک دم ظاہراً و باطناً بالکل خالی ہوں، اب مصلیٰ (سند) لے کر آپ جائیں گے، لوگ آپ سے مسائل پوچھیں گے، دینی معلومات کریں گے، اور آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم آئے گی کہ بھائی یہ مسئلہ تو مجھے نہیں آتا۔ اس لیے آپ کچھ نہ کچھ گھڑ کر بیان کرنے کی کوشش کریں گے، یہ حماقتیں ہم نے بھی کی ہیں، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

میں آپ حضرات کو نصیحت کرتا ہوں کہ میرے بھائیو! جو مسئلہ معلوم ہو، وہ بتا دو، اور جو معلوم نہ ہو صاف کہہ دو کہ بھائی مجھے معلوم نہیں، پوچھ کر بتاؤں گا۔ پہلے کتابوں میں دیکھو، علماء سے پوچھو اور پھر بتاؤ، اپنی طرف سے اجتہاد کر کے بیان کرنے کی کوشش نہ کرو۔

اصلاح نیت

دین کا علم تم نے سیکھا ہے، اور چار سال، آٹھ سال، نو سال، دس سال، مدرسوں میں لگائے ہیں، اگر تم نے دین کا علم دنیا کمانے کے لیے سیکھا ہے تو یہ بہت خسارے کا سودا کیا ہے، اگر صرف پیٹ کے لیے سیکھا ہے، تو نہایت خسارے کا سودا کیا ہے۔

میرے بھائیو! نیت اب بھی صحیح کر لو، کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھیں گے،

اللہ تعالیٰ کے لیے دین پڑھا ہے، اللہ کے لیے آئندہ عمل کریں گے، چاہے روٹی ملے یا نہ ملے۔ ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے، تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ روٹی دے گا، یہ تو میں ویسے کہہ رہا ہوں، روزی تو اس نے لکھ دی ہے، اس میں حبہ، ایک دانہ، تل کے دانہ کے برابر اس میں نہ اضافہ ہوسکتا ہے، نہ کمی ہوسکتی ہے، اس لیے میرے بھائیو! اپنے تمام ارادوں کو اور نیتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کردو، اللہ تعالیٰ تم سے جو کام بھی لے، اسے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کرو۔

باتیں تو بہت کرنے کی تھیں، لیکن وقت زیادہ ہوگیا ہے، اب دعا کرو، جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ دعا مجھے لمبی آتی بھی نہیں اور جانتا بھی نہیں ہوں۔ حضرت کے لیے یعنی حضرت اقدس بنوری رحمہ اللہ کے لیے اور ان کے تمام رفقاء کے لیے اور اپنے تمام اساتذہ کے لیے تمام مدرسوں کے لیے، مدرسے کے معاونین کے لیے، سب کے لیے، دعا کرو، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.........(۳۷)

حقوق علم دین

{افادات}

حضرت مولانا الشاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھی رحمۃ اللہ علیہ

حقیقی علم یہی ہے کہ آدمی اپنے نفس کے مکائد سے واقف ہوجائے جب تک یہ علم حاصل نہیں ہوگا آدمی کمال کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا بلکہ ناتمام علم کی وجہ سے دعوی اور پندار میں مبتلا ہوجائے گا۔

علم کا اصل مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور ہم کو یہ معلوم ہوجائے کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز، کیا حلال ہے اور کیا حرام تا کہ ہم جائز اور حلال کو اختیار کریں، ناجائز اور حرام سے بچیں اور دوسروں کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں یعنی اچھی باتوں کا امر کریں اور بری باتوں سے منع کریں، یہ بھی عالم دین کا ایک وظیفہ ہے، اگر اس میں کوتاہی کرے گا تب بھی حق تعالیٰ ناراض ہوں گے۔

پیراگراف از بیان حضرت مولانا شاہ احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

آپ حضرات کی ملاقات سے میرا دل مسرور ہے

حضرات! یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ کی بستی میں میرا آنا ہوا، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی، شیخ الحدیث سے میری بہت پرانی محبت ہے، حضرت مولانا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ گھوسی سے واپسی پر ہمارے یہاں (یعنی مؤناتھ بھنجن) آجائیں اور کم ازکم ایک روز ضرور قیام کریں، اس لیے ان کی خاطر آج صبح یہاں حاضر ہوا، دارالعلوم میں کبھی نہیں آیا یہ پہلی مرتبہ حاضری ہوئی ہے آپ حضرات کی ملاقات سے میرا دل مسرور ہوا، آپ لوگوں کے تعلق ومحبت اور حسن سلوک کا میرے دل پر بہت اثر ہے، آپ نے بہت بڑا اعزاز مجھے بخشا، میں اس قابل نہیں، میں اس کا اہل نہیں میں اپنی حقیقت کو جانتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اور ہرگز اس لائق نہیں کہ آپ جیسے اہل علم کے سامنے کچھ بولوں، یہ بڑی جسارت ہے اس لیے کہ نہ میرے اندر علم ہے نہ عمل ہے ہاں بزرگوں کا ارشاد ہے اور ان کا حکم ہے اس لیے ان کے حکم کی تعمیل میں کچھ بول دیتا ہوں۔

دار العلوم کی حقیقت اور روح

یہ دار العلوم حقیقت میں کیا ہے، ہم لوگ سمجھ لیں اور اس میں غور کریں کہ اس کی حقیقت اور روح کیا ہے ؎

دار العلوم دل کے پگھلنے کا نام ہے دار العلوم روح کے جلنے کا نام ہے

کیوں؟ اس لیے کہ یہاں علم حاصل کریں گے اور علم سے اصل مقصود یہ ہے کہ اس پر عمل کریں اور اپنے دل میں اللہ کی معرفت اور محبت پیدا کریں اور اپنی روح کو عشق الٰہی سے تازہ کریں جب تک اللہ تعالیٰ کی محبت میں دل جل کر کباب نہ ہو جائے زندگی سے کیا حاصل؟

علم سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہونی چاہیے چنانچہ مدرسہ نظامیہ جو بغداد میں قائم تھا اور کسی وقت وہاں امام غزالی، شیخ سعدی شیرازی جیسے حضرات پڑھتے تھے، ایک دن خلیفۂ وقت دار العلوم نظامیہ میں آئے اور تمام طلباء سے الگ الگ دریافت کیا کہ تم علم کس لیے حاصل کر رہے ہو؟ ہر ایک نے اپنا اپنا مقصد بیان کیا، کسی نے کہا کہ ہمارے والد قاضی تھے، ہم اس لیے پڑھ رہے ہیں تا کہ ہم کو بھی عہدۂ قضا مل جائے، کسی نے کہا ہمارے والد مفتی تھے، ہم اس لیے پڑھ رہے ہیں کہ ہم کو یہ منصب حاصل ہو جائے، غرض سب نے اسی طرح کے مقاصد بتلائے، خلیفۂ وقت بہت ہی مایوس ہوا کہ یہ سب دنیا کے لیے پڑھ رہے ہیں اور ہم نے تو مدرسہ اس لیے کھولا تھا کہ علم دین اللہ کے لیے پڑھا جائے اور لوگ علم دین حاصل کر کے آخرت کو درست کریں۔

طلب علمی میں امام غزالی کی نیت

آخر میں دیکھا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک گوشہ میں بیٹھے کتاب کا مطالعہ

کررہے تھے ان کے پاس بھی جا کر خلیفہ نے پوچھا کہ میاں صاحب زادے! تم کس لیے پڑھ رہے ہو؟ اور علم حاصل کرنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ فرمایا کہ ہم نے دلائل سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا مالک اور خالق اللہ ہے، ہم اس لیے پڑھ رہے ہیں کہ اس کی مرضیات کا ہم کو علم ہو اور ہم کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوتے ہیں، تاکہ اس کو ہم اختیار کریں اور وہ کس چیز سے ناراض ہوتے ہیں تاکہ اس کو ہم ترک کردیں، اس طرح مرضیات پر عمل کرکے اور نامرضیات سے اجتناب کرکے اپنے مالک حقیقی کو راضی کریں، خلیفہ ان کے جواب سے بہت خوش ہوا اور ان کو بہت داد دی اور یہ کہا کہ تم واقعی طالب علم ہو، اب تو بس تمہارے ہی لیے اس مدرسہ کو جاری رکھوں گا ورنہ اور لوگوں کی نیات کو سن کر میں نے آج مدرسہ ختم ہی کردینے کا ارادہ کرلیا تھا۔

ہمارے اسلاف کیسے تھے

ہمارے اسلاف کیسے تھے اور طلبہ کیسے تھے اور کس طرح وہ علم حاصل کرتے تھے، اس کو معلوم کرتے تھے، اس کو معلوم کرنے کے لیے اکابر کی سیرت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اسی سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک علم کی کس قدر عظمت اور کتنی قدر و منزلت تھی، جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ علم والے اور بن علم دونوں برابر نہیں، تو ظاہر ہے کہ علم کا مقام کتنا بلند ہوگا۔

ہمارے اکابر اس مقام کو پہنچانتے تھے اور اس کی قدر جانتے تھے، اس لیے اہل علم کے ساتھ اسی کے مناسب معاملہ فرماتے تھے، اللہ اکبر! ان کے نزدیک استاد کا وہ احترام تھا اور وہ ادب تھا کہ جس سے ایک دن بھی سبق پڑھ لیا اس کا بھی بے انتہا احترام کرتے تھے۔

استاذ کا غایت درجہ احترام

ایک بزرگ ہیں جو بہت بڑے عالم تھے اور بہت بڑے اللہ کے ولی بھی تھے ان

کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی سواری سے جا رہے تھے، ان کے ساتھ کوئی اور عالم بھی تھے، راستہ میں دیکھا کہ ایک نابینا شخص جا رہے ہیں، ان کے ساتھ ایک لڑکا ان کا ہاتھ پکڑ کر لے جا رہا ہے ان نابینا کو دیکھ کر وہ بزرگ جو بہت بڑے عالم تھے سواری سے اتر گئے، ان کے ساتھی نے کہا کہ حضرت کیا بات ہے، آپ کیوں اتر رہے ہیں؟ فرمایا کہ اس وقت مجھے پیدل چلنے دیجیے پھر سوار ہو جاؤں گا، چنانچہ سواری سے اتر کر نابینا کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگے اور جہاں تک ان کا ساتھ رہا پیدل چلتے رہے، جب ان کا راستہ الگ ہونے لگا اور وہ اپنے راستہ پر مڑنے لگے تو ان کو رخصت کیا اور کچھ ہدیہ بھی پیش فرمایا پھر آکر جب اپنی سواری پر بیٹھے تو دوسرے عالم جو پہلے سے ان کے ساتھ بیٹھے تھے انہوں نے پوچھا کہ آخر یہ نابینا کون صاحب تھے کہ آپ نے اتنے بڑے عالم اور اتنے بڑے بزرگ ہوتے ہوئے اس قدر ان کا اکرام کیا کہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور دور تک ان کے ساتھ پیدل چلتے رہے، پھر اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو رخصت کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک دن ان سے سبق پڑھا تھا اس لیے یہ میرے استاد ہوئے ان کے ادب کا یہ تقاضا ہوا کہ ان کے ہوتے ہوئے میں سواری پر نہ چلوں بلکہ اتر کر پیدل چلوں اس لیے میں اتر گیا اور ان کے اکرام میں ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلا۔

آج کل طلبہ کا حال

سبحان اللہ! یہ احترام تھا استاد کا، طالب علم اگر واقعی استاد کا ادب اور احترام کرے تو اس کو حقیقی علم حاصل ہو لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ طالب علم اساتذہ کا ذرا بھی احترام و اکرام نہیں کرتے، اسی وجہ سے حقیقی علم سے بھی محروم رہتے ہیں، علم کو اس لیے حاصل کرنا چاہیے کہ اللہ راضی ہو جائے، علم اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کے آگے دنیا و مافیہا سب ہیچ

ہیں، جس کو قرآن کا علم حاصل ہوگیا، جس نے حدیث پاک کا علم حاصل کرلیا اس نے بہت بڑی دولت کمالیا، بہت بڑی چیز حاصل کرلیا، جن کو اللہ نے یہ دولت عطا فرمائی ہے انہیں اس کی بڑی قدر کرنی چاہیے۔

خلیفہ ہارون رشید کے دو بیٹے اور استاذ کا ادب

خلیفہ ہارون رشید کے دونوں بیٹے امین اور مامون کو قاضی یحییٰ پڑھاتے تھے، ایک دن استاد جب پڑھا کر اٹھے تو دونوں لڑکے ان کا جوتا سیدھا کرنے کے لیے لپکے، ہر ایک چاہتا تھا کہ میں ہی سیدھا کروں، قاضی صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں ایک ایک جوتا سیدھا کردیں چنانچہ اس پر صلح ہوگئی، کئی دن کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے قاضی یحییٰ کو کھانے پر مدعو کیا اور وہیں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد خلیفہ نے پوچھا کہ قاضی صاحب اس وقت سب سے زیادہ عزت اللہ تعالیٰ نے کس کو بخشی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ہی کو بخشی ہے اس لئے کہ آپ امیر المؤمنین ہیں، خلیفہ نے جواب دیا کہ آپ کا جواب صحیح نہیں ہے، قاضی صاحب نے فرمایا کہ پھر آپ ہی بتایئے کس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ عزت بخشی ہے؟

سب سے زیادہ عزت کے قابل کون؟

خلیفہ نے کہا کہ آج اس شخص کو سب سے زیادہ عزت اللہ تعالیٰ نے دی ہے جس کا جوتا سیدھا کرنے کے لئے خلیفۂ وقت کے لڑکے آپس میں جھگڑا کرتے ہیں اور پھر اس پر صلح ہوتی ہے کہ دونوں ایک ایک جوتا سیدھا کریں۔

علم کا مقام نہایت اعلیٰ وارفع ہے اور علم بہت بڑی دولت ہے مگر ہاں اس نیت سے علم حاصل کریں کہ ہم کو عمل کرنا ہے اور اپنی زندگی کو سنوارنا ہے، کتاب وسنت کے مطابق زندگی گذارنا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، آج ہم دنیا کو راضی کرنے کی فکر

کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں۔

ہمارا عجیب حال ہے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آ گیا وہ فرماتے ہیں کہ بھائی عجیب بات ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر لوگ بھائی بند کو راضی کرتے ہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو ناراض کرتے ہیں، خدا ناراض ہوجائے تو پروانہیں، رسول ناراض ہوجائے تو پروانہیں، قرآن وحدیث کے خلاف کریں کچھ پروانہیں، ہمارا عجیب حال ہے ایسے کام جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے ناجائز قرار دیا ہے اس کو ہم کریں پھر بھی مطمئن رہیں، کس قدر تعجب کی بات ہے، چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی پر عمل کریں، اللہ اور رسول ﷺ کے حکموں پر چلیں اپنی زندگی کو شریعت کے سانچہ میں ڈھال دیں، عقائد میں، عبادات میں، معاملات میں، معاشرت میں اور اخلاق میں، الغرض اپنے تمام حالات میں ہم نمونہ بن جائیں محمد رسول اللہ ﷺ کے۔

علم حاصل کرنا ضروری ہے اور علم بہت بڑی دولت ہے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ {قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ} [سورۂ زمر:۹] آپ کہہ دیجئے کیا وہ لوگ جو علم رکھتے کے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے برابر ہیں؟

علماء کی شان استغناء

پہلے زمانہ کے طلبہ فاقہ کرکے علم حاصل کرتے تھے، طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے، چنانچہ ہمارے اس آخری دور کے ایک بہت بڑے بزرگ اور بہت بڑے عالم گذرے ہیں حضرت مولانا شاہ مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، آپ جب دلی میں علم حاصل کرنے کے لئے گئے ہیں تو اس زمانہ میں دو پیسے میں دونوں وقت

گوشت روٹی لوگ کھالیا کرتے تھے لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ عسرت کی وجہ سے پھر بھی فاقہ ہوجایا کرتا تھا، مگر کسی سے سوال نہیں کرتے تھے بلکہ جب بھوک زیادہ محسوس ہوتی تو بازار میں سبزی فروش ترکاریاں بیچتے تھے اور فاضل پتوں کو توڑ توڑ کر پھینک دیا کرتے تھے مولانا وہاں جا کر انہیں پتوں کو اٹھالایا کرتے تھے اور اس کو چاقو سے کاٹ کر، نمک ڈال کر ابال کر کھاتے تھے ان کے استغناء کا یہ عالم تھا تب ان کو علم آیا، ان کے قلب کے اندر خشیت پیدا ہوئی، اللہ کا خوف پیدا ہوا تب اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمایا کہ ہندوستان کے بڑے بڑے اکابر علماء ومشائخ ان کے شاگرد ہوئے۔

حضرت مولانا مملوک علیؒ اور علم کی عجیب دھن

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ اکثر طالب علمی کے زمانہ میں ان کے پاس چراغ بھی نہیں رہتا تھا کہ کتابوں کا مطالعہ کریں تو سڑک پر کھڑے ہوکر جو سرکاری لالٹین جلا کرتی تھی اس میں کتاب کا مطالعہ کرتے تھے اسی طرح مطالعہ دیکھتے ہوئے رات گذر جاتی تھی۔

ایک دن شاہزادے کی سواری چلی آرہی تھی اور شاہی چوبدار آگے آگے ہٹو بچو کہتے ہوئے چلے آرہے تھے، وہ کتاب کے مطالعہ میں ایسا مشغول تھے کہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، چوبدار نے ان کے قریب جا کر ڈانٹ کر کہا کہ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ شہزادے کی سواری آرہی ہے اور تم راستہ نہیں دیتے ہو، انہوں نے جواب دیا کہ ہوں گے تمہارے شہزادے میرے نزدیک وہ کچھ بھی نہیں، ابھی اگر کافیہ کا ایک مسئلہ پوچھ دوں تو بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

علم کا وہ نشہ تھا کہ اس میں وہ مست رہا کرتے تھے اور سب سے بڑی دولت اسی کو سمجھتے تھے اسی وجہ سے وہ سب سے مستغنی رہتے تھے اور واقعی علم ایسی ہی دولت ہے کہ

جس کو قرآن وحدیث مل جائے وہ سب سے مستغنی ہو جائے۔

بڑی دولت ملنے کے بعد نا قدری

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کو قرآن کی دولت دی گئی اور پھر اس نے دنیا کی کسی چیز کو للچائی نگاہ سے دیکھا تو اس نے بہت بڑی نعمت کی نا قدری کی، اللہ کے کلام کی عظمت نہیں کی، جس کو اللہ تعالیٰ قرآن دے دیتا ہے اس کا دل مستغنی ہو جاتا ہے، اللہ کے ساتھ اس کا تعلق قوی ہو جاتا ہے، لہٰذا علم دین حاصل کریں اور پھر اس پر عمل بھی کریں، علم سے مقصود عمل ہی ہے جس علم پر عمل مرتب نہ ہو اس علم سے کیا فائدہ؟

پہلے زمانہ کے اساتذہ ایسے ہوا کرتے تھے کہ طالب علم ان سے علم بھی حاصل کرتے تھے اور ان کے فیض صحبت سے وہ پڑھنے کے بعد ہی اللہ کے ولی ہو جایا کرتے تھے، ان کی زندگی عملی زندگی تھی، وہ عمل کرتے تھے، اللہ سے ڈرتے تھے، اللہ کا خوف ان کے اندر تھا، اللہ کی محبت ان کے دل میں تھی اس لیے ان کے ساتھ رہ کر طلبہ پر یہ اثر پڑتا تھا کہ ان کے اندر بھی یہ صفات پیدا ہو جاتی تھیں۔

علم کا یہ اثر ہے کہ خوف خدا پیدا ہو

بھائیو! ہم لوگ کسی وقت سوچیں اور غور وفکر سے کام لیں کہ یہ زندگی ہم کو کیوں دی گئی ہے، اس کا کیا مقصد ہے؟ اس دنیا کی چند روزہ زندگی کو ہمیں کامیاب بنانا ہے اور کامیاب زندگی اسی وقت ہوگی جب اللہ ورسول کی مرضی میں ہم فانی ہوں گے اور اللہ ورسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں گے۔

ہمارے اکابر کا یہ حال تھا کہ اللہ کا خوف ان کے اندر تھا، وہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے تھے، وہ اللہ کی محبت میں سرشار رہتے تھے، ان کی زندگی پاکیزہ زندگی تھی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ

حَیٰوۃً طَیِّبَۃً)[سورہ نحل:۹۷]یعنی جو شخص نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو ہم اس کو خوش گوار زندگی عطا کریں گے۔

حیات طیبہ کہتے ہیں مزیدار اور لطف کی زندگی کو، ایسی زندگی کی مؤمن کو دنیا ہی ملتی ہے اور برزخ میں اور ترقی ہو جاتی ہے اور اس کا اعلیٰ مقام تو جنت ہی میں ہے دنیا میں رہ کر اللہ و رسول کی اطاعت کرنا اور جو کچھ میسر آئے اس پر قناعت کرنا، معروف پر عمل کرنا، منکرات سے بچنا، اسی میں حیات طیبہ ہے، پس ہمیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

علم سے کیا مقصود ہے؟

علم اسی لیے حاصل کیا جاتا ہے کہ اللہ کی مرضی کا علم ہو جائے اور اس کی مرضی کے مطابق عمل کریں، ایمان والوں کا یہی مقام ہے کہ معروف کو اختیار کریں اور منکر کو ترک کریں، اللہ تعالیٰ مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں (**کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر و تومنون بالله**) فرما رہے ہیں کہ اے امت محمد یہ تم لوگ (سب اہل مذاہب سے) اچھی جماعت ہو (مطلب یہ کہ تم جب خیر الامم ہو تو تمہیں اس کی لاج رکھنا ہے، آگے ان کا وظیفہ ذکر فرماتے ہیں کہ)تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

ہم اپنا جائزہ لیں

پس ہم کو دیکھنا ہے کہ ہم اپنا وظیفہ ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ ایسا تو نہیں کہ اس کو ترک کر کے ہم اللہ تعالیٰ کو ناراض کر رہے ہوں؟ اللہ کے رسول کو ناراض کر رہے ہوں؟ اگر ہم نے اللہ کو ناراض کر لیا اور پھر بھی بے فکر رہے تو سمجھ لیجئے کہ سب کچھ کھو دیا، {خَسِرَ

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪} [سورۂ حج:۱۱] دنیا وآخرت دونوں کا نقصان اٹھایا اور یہ کھلا ہوا گھاٹا ہے، اور اگر اللہ کو راضی کرلیا تو سب کچھ مل گیا {ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫} [سورۂ توبہ:۷۲] اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

تصوف وسلوک کی حقیقت

سنئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں {وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ} یعنی ظاہری اور باطنی سب گناہوں کو چھوڑ دو، جوارح کے بھی گناہ چھوڑ دو اور قلب کے بھی، اور جوارح کو اعمال صالحہ سے قلب کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرو، اسی کو صوفیاء کرام ''تعمیر الظاہر والباطن'' سے تعبیر فرماتے ہیں، یہی تصوف اور سلوک کی حقیقت ہے کہ آدمی کا ظاہر اعمال شریعت سے آراستہ ہو اور اس کا قلب اخلاق فاضلہ سے پیراستہ ہو، یہ فکر اگر امت کے اندر پیدا ہوجائے کہ ہمارا کوئی قدم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ اُٹھنے پاوے، نیز ہمارا ظاہر بھی درست ہوجائے اور باطن بھی، تو سمجھ لیجئے کہ سب کچھ درست ہوجاوے گا، مگر اب ان باتوں کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے اس کو آپ خود دیکھ لیجیے کہ ہر طرف غفلت چھائی ہوئی ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ غفلت ام الامراض ہے، سارے گناہوں کی جڑ ہی غفلت ہے، جب انسان غافل ہوجاتا ہے تو اس کے قلب کے اندر امراض نفسانی پیدا ہوجاتے ہیں، اللہ کی یاد سے وہ قلب غافل ہوجاتا ہے، آپ سمجھ لیجیے کہ یہ بہت بڑا نقصان ہے۔

سنئے! ہماری زندگی کے ہر شعبے سے متعلق شرعی احکام ومسائل ہیں اگر وہ مسائل معلوم ہوں تو اس پر عمل کریں، جو اہل علم ہیں وہ تو خود کتابوں کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کریں، اور جو اہل علم نہیں وہ علماء سے استفسار و استفتاء کر کے شریعت کے مطابق

عمل پیرا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳)[سورۂ نحل:۴۳] یعنی سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔

اللہ والوں پر ہر وقت خوف طاری رہتا ہے

بھائی! ہم آزاد نہیں ہیں بلکہ ہم غلام اور محکوم ہیں، ہم کو اللہ کی مرضی کے مطابق ہر کام کرنا ہے، خواہ تجارت ہو، خواہ ملازمت ہو، خواہ کوئی کاروبار ہو سب اللہ کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہوں۔

اللہ والے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں، لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے، آنکھ اللہ کی مرضی کے خلاف نہ اُٹھے، پاؤں اللہ کی مرضی کے خلاف نہ چلے، ہاتھ اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے، زبان اللہ کی مرضی کے خلاف نہ بولے، دماغ اللہ کی مرضی کے خلاف نہ سوچے، ان کو ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں، یہ ان کے تقویٰ واخلاص کی علامت ہے، اسی کو کہا گیا ہے کہ ''وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰى خَطَرٍ عَظِيْمٍ''۔

ایک بزرگ کی عجیب کیفیت

ایک بزرگ تھے جو بوڑھے ہو چکے تھے، ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ان کے ساتھ کچھ مریدین بھی تھے، راستہ میں ایک درخت ملا جب وہ بزرگ اس درخت کے قریب پہنچے تو سردی کا زمانہ ہونے کے باوجود ان کو پسینہ جاری ہو گیا اور غش کھا کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیوں آپ کی یہ حالت ہو گئی؟ تو فرمایا کہ اس کے متعلق نہ پوچھو، اصرار کرنے پر بتلایا کہ جوانی کے زمانہ میں اس مقام پر اسی درخت کے نیچے مجھ سے ایک گناہ صادر ہو گیا تھا آج بڑھاپے میں یہاں پہنچ کر وہ یاد آ گیا اس لیے خوف سے میری یہ کیفیت ہو گئی۔

گناہ سنکھیا سے زیادہ مضر ہے، سنکھیا سے تو جان چلی جاتی ہے، جسم مردہ ہوجاتا ہے مگر گناہ سے تو دل مردہ ہوجاتا ہے، جو جسم کی موت سے بدرجہا بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

دل کو زندہ کرنے کی صورت

اور آپ کو معلوم ہے کہ دل کو زندہ کرنے کی کیا صورت ہے؟ تو سنئے! دل کو زندہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کیا جائے اور موت کو یاد کیا جائے، اللہ کا ذکر دل کی دوا اور روح کی شفا ہے، پس ہم کو چاہیے کہ ذکر وفکر میں مشغول ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اوامر کا امتثال، اور معاصی ومنکرات سے اجتناب کریں اور زیادہ اہتمام منکرات سے بچنے کا کریں اس لیے کہ معروف پر عمل کرنا تو آسان ہے مگر منکرات سے اجتناب دشوار ہے، حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ معروف پر عمل کرنا تو بہت آسان ہے لیکن منکرات سے بچنا بہت دشوار ہے، اور فرماتے ہیں کہ یہ صدیق کا مقام ہے۔

مقام صدیقیت اور مثال سے اس کی وضاحت

سنئے! صدیقین کا مقام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے اونچا مقام ہے، شہداء اور صالحین کا درجہ ان کے بعد ہے، مقام صدیقیت نبوت کا پرتو اور ظل ہے، صدیق قدم نبوت پر ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح شاہی دعوت میں وزراء وامراء اور خواص مدعو ہوتے ہیں اور ان کے لیے انواع واقسام کے کھانے تیار کیے جاتے ہیں اور جب دسترخوان لگایا جاتا ہے اور مدعو حضرات کھا کر اُٹھ جاتے ہیں تو جو کچھ کھانا بچا رہتا ہے وہ پرچے وغیرہ کھاتے ہیں

پس کھانا تو وہی رہتا ہے جو امراء وزراء کھاتے ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ اول کھانے والے حضور بالذات ہوتے ہیں اور بعد میں کھانے والے ان کے طفیلی ہوتے ہیں اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے جو خوان چنا جاتا ہے ان کے طفیلی صدیقین ہوتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس مقام کو سمجھانے کے لیے اس سے اچھی مثال نہیں ہوسکتی۔

کمال عشق تو مر مر کے جینا ہے

اسی ضمن میں اتنی بات اور سمجھ لیجیے کہ شہداء کا مقام اگرچہ بہت ارفع واعلیٰ ہے مگر صدیقین کا مقام ان سے بھی بڑھ کر اس لیے ہے کہ کار نبوت کو انجام دینے والے اور اس کو قیامت تک باقی رکھنے والے صدیقین ہی ہوتے ہیں اگر سب لوگ شہید ہی ہوجاتے تو کار نبوت ختم ہوجاتا حضور اقدس ﷺ کے بعد سے لے کر اب تک دین جو باقی ہے وہ ان ہی نائبین کے ذریعہ سے باقی ہے، شہداء تو ایک وار میں شہید ہوجاتے ہیں اور ان حضرات پر زندگی بھر نا معلوم کتنے آرے چلائے جاتے ہیں اور کس قدر مصائب وشدائد آتے ہیں اور یہ حضرات ان کے لیے سینہ سپر رہتے ہیں اور سب آلام ومصائب کو برداشت کرتے ہوئے دین کی گاڑی کو آگے بڑھاتے ہیں اسی کو میں نے اپنے اس شعر میں کہا ہے ؎

کمال عشق تو مر مر کے جینا ہے، نہ مرجانا
ابھی اس راز سے واقف نہیں ہیں ہائے پروانے

اس راز کو اللہ والے ہی سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کو رہبری فرماتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر اولیاء میں سے ہیں ان کا واقعہ کتابوں میں درج ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے حجرہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دل میں اچانک یہ خیال

آیا کہ فلاں جگہ جہاد ہو رہا ہے چلو اس میں شریک ہو کر شہید ہو جائیں اور یہ خیال بار بار آنے لگا تو حضرت جنیدؒ نے اس پر غور کیا کہ آخر آج یہ خیال بار بار کیوں آ رہا ہے تو اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں ڈالی کہ یہ نفس روز روز کے مجاہدہ سے گھبرا گیا ہے اس لیے چاہتا ہے کہ جہاد میں جا کر قتل ہو جائیں تا کہ روز کی ریاضت و مجاہدہ سے نجات پا جائیں، تو اپنے نفس کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں تیری چال سمجھ گیا، تو مجاہدہ سے گھبرا کر یہ خواہش کر رہا ہے کہ اس قید و بند کی مشقت سے تو یہی اچھا ہے کہ ایک بار جان چلی جائے چل کر شہید ہو جائیں، کسی طرح ان مجاہدات سے تو چھٹکارا مل جائے گا تو میں تیری یہ خواہش ہرگز نہیں پوری کروں گا اور اسی حجرہ میں تجھ کو رکھوں گا اور یہیں تیری موت آئے گی۔

حقیقی علم یہی ہے

واقعی حقیقی علم یہی ہے کہ آدمی اپنے نفس کے مکائد سے واقف ہو جائے، جب تک یہ علم حاصل نہیں ہوگا آدمی کمال کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ نا تمام علم کی وجہ سے دعویٰ اور پندار میں مبتلا ہو جائے گا جو سخت مضر چیز ہے اس موقع پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا جس میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے ؎

ابھی واقف نہیں تو نفس و شیطاں کے مکائد سے
مگر افسوس، کرتا ہے تو دعوائے ہمہ دانی

غرض علم کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز اور کیا حلال ہے اور کیا حرام، تا کہ ہم جائز اور حلال کو اختیار کریں اور ناجائز اور حرام سے بچیں اور دوسروں کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں یعنی اچھی باتوں کا امر کریں اور بری باتوں سے منع کریں یہ بھی عالم دین

کا ایک وظیفہ ہے اگر اس میں کوتاہی کرے گا تب بھی حق تعالیٰ ناراض ہوں گے۔

اپنی عبادت پر مطمئن ہونا کافی نہیں

چنانچہ ایک بستی تھی جس میں اسی ہزار آدمی بستے تھے، اس میں ایک عابد وزاہد بھی تھا جو دن کو روزے رکھتا تھا، رات کو شب بیداری کرتا تھا اور بستی کے لوگ نافرمان تھے، اللہ کی مرضی کے خلاف کام کرتے تھے مگر وہ عابد ان لوگوں سے ملا جلا رہتا تھا ان کے اعمال کو دیکھ کر کبھی اس کے چہرے پر تغیر نہیں آتا تھا اور نہ ان سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتا تھا بلکہ ان لوگوں کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس بستی کو الٹ دو، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ اس میں تیرا ایک بندہ ایسا ہے جو بڑا عابد وزاہد ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں تم اس بستی کو الٹ دو اور پہلے اسی عابد سے شروع کرو، اس لیے کہ وہ نافرمانوں سے ملا جلا رہتا ہے ان سے محبت رکھتا ہے اس لیے یہ بھی انہیں لوگوں کی طرح مجرم ہے، ان سے نفرت نہیں کرتا لہٰذا وہ بھی سزا کا مستحق ہے، چنانچہ وہ بستی الٹ دی گئی اور سب لوگ ہلاک اور تباہ ہو گئے۔

تبلیغ کے درجات

ہم لوگوں کو ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہیے، حدیث شریف میں آتا ہے حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک ادناہ ولیس وراء ذلک حبۃ خردل من الایمان“ تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کر دے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو اپنی زبان سے اس پر نکیر کرے، اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اپنے دل سے اسے برا جانے اور نفرت کرے،

اور یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے، اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا (مطلب یہ کہ جو شخص منکرات کو قلب سے بھی برا نہ جانے اور اس سے دلی نفرت نہ رکھے تو اس کو اب اپنے ایمان ہی کی خیر منانی چاہیے، مؤمن کی شان سے یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ وہ منکرات کو دل سے بھی برا نہ جانے اتنا تو اسے کرنا ہی چاہیے)

آج ایسا معاملہ ہوگیا ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں اور ہمارے سامنے گناہ کیے جاتے ہیں مگر ہمارے دلوں میں ذرا بھی اثر نہیں ہوتا، حالانکہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ بہترین اعمال میں سے ہیں۔

محبت کی حقیقت ہی ابھی تو نے نہیں جانی

تو بھائی! ہماری یہ زندگی جو ہم من مانی گذار رہے ہیں یہ کامیاب زندگی نہیں ہے جب ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں تب کامیاب زندگی نصیب ہوگی جس کو حیوۃ طیبہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

یہ اس لیے فرمایا کہ جو بندہ اپنی ہوا و خواہش کے مطابق چل رہا ہے اور من مانی زندگی گذار رہا ہے تو اپنی خواہش ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے بات یہ ہے کہ اپنے نفس سے محبت ہے، اپنی ہوا سے محبت ہے اور اپنے خالق و مالک سے محبت نہیں اس لیے یہ سب باتیں ہیں اگر محبت کی حقیقت ہم جان لیں تو اپنی من مانی کو چھوڑ دیں میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ؎

سمجھتا ہے کہ کیوں جاتی نہیں ہے تیری من مانی
محبت کی حقیقت ہی ابھی تو نے نہیں جانی

چنانچہ آج کل دیکھ لیجیے کہ لوگ دعویٰ تو محبت کا خوب کرتے ہیں مگر محبت کی حقیقت نہیں جانتے، بھئی! محبت تو فنافی المحبوب کا نام ہے، یعنی محبوب کی مرضی کو ہر وقت ملحوظ رکھیں، اسی کو فنافی المحبوب کہتے ہیں۔

اللہ تک پہنچنے کا راستہ

حضرت جنید بغدادیؒ جو زبردست عالم اور اللہ کے بہت بڑے ولی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں چلنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک ہاتھ میں اللہ کی کتاب ہو اور دوسرے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت ہو، ان دونوں کی روشنی میں بندہ اللہ تک پہنچ سکتا ہے اور بایزید بسطامی فرماتے ہیں ''**الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق**'' یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے راستے ہیں جتنی کہ مخلوق کی سانسیں ہیں۔

مگر اللہ تک پہنچنے کے سارے دروازے بند کردیئے گئے ہیں صرف ایک دروازہ کھلا ہے اور وہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع کا دروازہ ہے یعنی جو آپ کے نقش قدم پر چلے گا وہی خدا تک پہنچے گا اور اسی کو حیات طیبہ نصیب ہوگی اسی کو میں نے اس شعر میں کہا ہے ؎

اتباع سید کونین ہر ہر بات میں
ہے اسی پر زندگی والوں کے جینے کا مدار

پس اگر ہم علم اس لیے حاصل کریں کہ اللہ و رسول کی مرضی معلوم کرکے اس کا اتباع کریں۔

عالم کا سب سے بڑا وصف

تو اس اعتبار سے علم کا بہت بڑا مقام ہے، اور ایسے ہی عالم کی اس آیت میں مدح کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر نہیں، یعنی عالم و جاہل میں بڑا فرق ہے عالم کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس کے اندر خوف وخشیت ہو، روز قیامت اور وہاں کی پیشی سے ڈرتا اور لرزتا ہو، جس کو جتنا زیادہ علم ہوگا اسی قدر اس کے اندر خوف وخشیت کا ظہور ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا) یقیناً اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

قیامت کا اسلام میں ایسا اہم عقیدہ ہے کہ اگر واقعی ہمیں یقین ہو جائے کہ اللہ کے سامنے جانا ہے، زندگی کا جواب دینا ہے تو سب کام بن جائے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝۴۰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝۴۱) [سورۃ نازیات: ۴۰ تا ۴۱] یعنی جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر خوف کا حال

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو قطعی جنتی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں مگر ان کے خوف کا کیا حال تھا اور اپنی کتنی فکر تھی کہ رات کو پہرہ دیتے تھے اور اجنبی بن کر لوگوں سے پوچھتے تھے کہ عمر کیسا آدمی ہے؟ تاکہ اپنی خامی کا علم ہو اور اگر لوگوں کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہو تو اس کو دور کریں، ایک دن گشت کے لیے نکلے تو دیکھا کہ ایک بڑھیا بیٹھی ہے اس سے پوچھا کہ اماں! عمر کیسا آدمی ہے؟ اس نے کہا کہ عمر بہت برا آدمی ہے، پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگی کہ جب سے وہ خلیفہ ہوا ہے اور امیر المؤمنین بنا ہے مجھ سے پوچھا تک نہیں کہ تو کس حال میں ہے، حضرت نے پوچھا تم نے عمر سے اپنی کوئی حاجت بیان بھی کیا ہے؟ کہنے لگی مجھے بیان کرنے کی کیا حاجت، وہ میرا امیر ہے اسے

خود چاہیے کہ میرے احوال سے واقف ہو، اتنے میں کچھ لوگ آ گئے اور حضرت عمرؓ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کیا، بڑھیا لرز گئی اور کانپنے لگی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اماں! تم بالکل مت ڈرو اور کچھ خوف نہ کرو اور اس کو لے دے کر راضی کیا اور یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے میری شکایت مت کرنا۔

دیکھا آپ نے! فاروق اعظمؓ کے خوف کا یہ حال تھا۔

قیامت کے دن میں کیا جواب دوں گا

ایک روز حضرت عثمانؓ اپنے حجرے کے جھروکے سے باہر دیکھ رہے تھے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ دوپہر کی دھوپ میں حضرت عمرؓ کچھ اونٹوں کو لے کر جا رہے ہیں حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ آپ اس شدت کی دھوپ میں اونٹوں کے پیچھے کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا یہ زکوٰۃ کے اونٹ ہیں انہیں پانی پلانے کے لئے لے جا رہا ہوں، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ کام تو کوئی غلام بھی انجام دے دیتا تو فرمایا کہ عثمان! اگر ایک اونٹ بھی پیاسا رہ جائے گا تو قیامت کے دن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے، غلام سے نہیں پوچھیں گے تو اس وقت میں کیا جواب دوں گا؟

آج ہم لوگ دیکھ لیں کہ کتنے گناہ کرتے ہیں اور پھر بے فکر رہتے ہیں ہمارے دلوں کے اندر وہ خوف نہیں، قیامت کا وہ یقین نہیں، اگر قیامت کا یقین پیدا ہو جائے تو ہماری حالت بدل جائے۔

علم یقین ہی کا نام ہے

علم یقین ہی کا نام ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم ایک نور ہے جو مومن کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے جس سے اس کو خیر و شر کی تمیز ہونے لگتی ہے اور وہ نفس و شیطان کے

کید سے واقف ہوجاتا ہے، جب تک یہ نور نہیں حاصل ہوتا آدمی نفس و شیطان کے مکروکید سے بچ نہیں پاتا، بھائی! یہ نفس و شیطان ہمارے دشمن ہیں اور ہم ان کو اپنا دوست سمجھیں اور ان ہی کے کہنے پر چلیں، کس قدر تعجب کی بات ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا)[سورۂ فاطر: ۶]یعنی بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا اس کو دشمن بنالو۔

مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ دشمن کا سا معاملہ کرو، اور اس کے کید سے پُرحذر رہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرماتے ہیں کہ (وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ)[سورۂ یوسف: ۵۳] یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو (ہر ایک کا) بری ہی بات بتلاتا ہے بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے (اور اس میں امر بالسوء کا مادہ نہ رکھے جیسا انبیاء کے نفوس ہوتے ہیں) نیز حدیث میں آتا ہے کہ ''اِنَّ اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ ''یعنی تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں ہے۔

نفس کے مراتب

نفس کے مراتب ہیں، ایک نفس امارہ ہوتا ہے اور ایک نفس لوامہ، اور ایک نفس مطمئنہ ہوتا ہے، کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ ہمارے نفس کی امارگی ختم ہوجائے اور ہمیں نفس مطمئنہ بلکہ راضیہ نصیب ہو اسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے علماء بھی ایسے حضرات کے پاس گئے جو اصطلاحی عالم نہیں تھے مگر ان کے قلب میں اللہ کا نور تھا وہ اللہ کے ولی تھے، عارف باللہ تھے، اس لیے ان کی خدمت میں جا کر علماء نے اس نور کو حاصل کیا جو ان کے سینے میں رسول اللہ ﷺ سے وراثتاً منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، جب تک اس نور کو نہ حاصل کیا جائے صرف علم کچھ نفع نہیں دے سکتا۔

علم نبوت اور نور نبوت

ایک بزرگ کا قول ہے جس کو میں برابر بیان کیا کرتا ہوں کہ ایک چیز ہے علم نبوت اور ایک چیز ہے نور نبوت، علم نبوت تو کتابوں میں ہے، اور نور نبوت اہل اللہ کے سینوں میں ہے، حضور اقدس ﷺ کے سینۂ مبارک سے اس نور کو صحابۂ کرام ؓ نے آپ ﷺ کے پاس رہ کر آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھ کر حاصل کیا، پھر صحابہ سے تابعینؒ نے حاصل کیا پھر تبع تابعینؒ نے حاصل کیا اور ان سے بزرگان دین اور اولیاء کاملین نے حاصل کیا، اور اس نور کی تحصیل کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ کے وقت سے اب تک چلا آرہا ہے اور قیامت تک ایک جماعت اس نور نبوت کی حامل ضرور موجود رہے گی، کوئی زمانہ اللہ والوں سے خالی نہیں رہ سکتا اور یہ وہی نور ہے جس کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ) سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے قبول کرنے کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے پروردگار کے عطا کئے ہوئے نور پر ہے۔

نور قلب میں کیسے پیدا ہوتا ہے

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور رسالہ مالا بدمنہ میں فرماتے ہیں کہ ”نور باطن پیغمبر ﷺ را از سینۂ درویشاں باید جست و بداں نور خود را منور باید گردانید“ یعنی پیغمبر ﷺ کے نور باطن کو اللہ والوں کے سینے سے ڈھونڈنا چاہیے اور اس نور سے اپنے قلب کو منور کرنا چاہیے۔

سنئے! قلب میں نور اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ذکر اللہ اور تلاوت کلام اللہ کی کثرت کی جائے، اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھا جائے، اس طرح یہ نور حاصل ہوگا اور قلب میں حیات پیدا ہوگی، حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس آدمی کی مثال جو اللہ کو یاد

کرتا ہے اور اس آدمی کی مثال جو اللہ کو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے یعنی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو اللہ کے ذکر سے غافل ہے وہ مردہ ہے، ہر چند کہ چلتا پھرتا، کھاتا پیتا ہے لیکن زندگی جس چیز کا نام ہے وہ تو اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوسکتی ہے، بغیر ذکر اللہ کے دل مردہ رہتا ہے میرا اپنا ہی شعر ہے کہ ؎

زندگی نام ہے اطاعت کا اور غفلت کا نام ہے مرنا
مر کے ہوتی ہے زندگی حاصل اس کو کہتے ہیں دوستو، مرنا

یہ جو کہا گیا ہے کہ "**موتوا قبل ان تموتوا**" یعنی مرنے سے پہلے ہی مرجاؤ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مرنے کے بعد مردہ بالکل بے اختیار ہوجاتا ہے اور غسال کے ہاتھ میں اس طرح ہوجاتا ہے کہ وہ جدھر چاہتا ہے الٹتا پلٹتا ہے اسی طرح انسان زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا ہوجائے اور انہی کے بلانے سے بولے اور ان کے خاموش کرنے سے خاموش رہے، غرض ان ہی کی مرضی سے ہر کام کرے، اپنے ارادہ اور اختیار کو ان کی مرضی کے تابع کردے، اسی کا نام فنا ہے۔

جنت میں سب سے بڑی نعمت

جنتی جب جنت میں داخل ہوجائیں گے اور جنت کی نعمتیں ان کو حاصل ہوجائیں گی اور سب سے بڑی نعمت یہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، تو اللہ تعالیٰ جنتیوں سے دریافت فرمائیں گے کہ اے میرے بندو! کیا تم واقعی راضی ہو؟ جنتی عرض کریں گے کہ اے اللہ آپ نے بہت زیادہ نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں، ہم آخر کیوں نہ راضی ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ابھی ایک اور نعمت بہت بڑی تم کو ملنے والی ہے بندے عرض کریں گے یا اللہ وہ کون سی نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وہ یہ ہے کہ اب میں تم سے راضی ہوگیا کبھی ناراض نہیں ہوں گا ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوگی (**وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ**) اللہ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے، نیز اہل جنت سے یہ

بھی کہہ دیا جائے گا کہ اب تم جنت سے نکالے نہیں جاؤ گے اب ہمیشہ ہمیش اسی میں رہو گے، یہ بشارت دے کر ان کو مطمئن کیا جائے گا اس لیے کہ اگر یہ خطرہ لگا رہتا کہ پتہ نہیں کب ہم سے یہ نعمتیں لے لی جائیں اور جنت سے ہم نکال دیئے جائیں تو ان نعمتوں کا کیا لطف باقی رہتا مگر جب یہ سن لیں گے کہ اب ہمیشہ ہمیش اس میں رہنا ہے، اللہ تعالیٰ اب کبھی ہم سے ناراض نہیں ہوں گے تو کیسا کچھ سرور جنتیوں کو اس سے حاصل ہوگا اس کا صحیح اندازہ تو وہیں ہوگا۔

اللہ کی رضا کیسے حاصل کریں

اس بشارت کو سننے کے لیے ہمیں چاہیے کہ دنیا میں اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کریں، ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں، نافرمانی کر کے کوئی قوم فلاح نہیں پاسکتی، نافرمانی کا انجام دنیا و آخرت دونوں جگہ ناکامی ہے، مسلم تو فرماں بردار، اللہ کے حکموں پر مر مٹنے والا، چون و چرا کو ترک کرنے والا، اللہ و رسول کے حکموں پر چلنے والا ہوتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی کو بدل ڈالیں، اپنے اندر تبدیلی لائیں، اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھیں بلکہ اپنے کو کسی اللہ والے کے اس طرح سپرد کر دیں جیسے مردہ بدست زندہ ہوتا ہے، اس سے سب کچھ آسان ہوسکتا ہے اور ہمیں چاہیے کہ علم اس لیے حاصل کریں کہ اس پر عمل کریں اور ہمارا کوئی کام اللہ و رسول کے خلاف نہ ہونے پائے تاکہ حیات طیبہ نصیب ہو۔

اتباعِ سنت میں حضرت گنگوہیؒ کا عجیب حال

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے اکابر میں سے ہیں، کتنے بڑے محدث اور بزرگ ہیں، مدرسہ دیوبند میں ایک جلسہ تھا اس میں آپ تشریف لائے، مجمع کافی تھا کئی ہزار کا مجمع تھا، اذان ہوگئی آپ نماز کے لیے چلے تو مسجد ایسے وقت میں پہنچے

جب کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لیے کھڑے ہوچکے تھے تکبیر تحریمہ ہوچکی تھی، حضرت گنگوہیؒ کو تکبیر تحریمہ فوت ہونے کا بہت رنج ہوا، چنانچہ نماز کے بعد لوگوں نے محسوس کیا کہ حضرت بہت زیادہ غمگین ہیں یہ کیفیت دیکھ کر بعض خدام نے عرض کیا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ بڑے ہشاش بشاش تھے، کیا بات ہوگئی جس کی وجہ سے اس قدر غمگین ہیں؟ تو فرمایا کیا رشید احمد کے لیے اس سے بھی زیادہ غم کی کوئی بات ہوسکتی ہے کہ آج بائیس برس کے بعد اس کی تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی۔

دیکھا آپ نے! یہ ہے اتباع سنت، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام ہے آپ سب جانتے ہیں، جب اتنا اہتمام اتباع شریعت کا فرمایا ہے تب یہ مرتبہ پایا ہے اور جس کو کوئی مرتبہ ملتا ہے شریعت کے اتباع اور سنت کے اہتمام ہی سے ملتا ہے اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اصل کرامت استقامت علی الشریعہ ہے۔

ایک بزرگ پر جماعت چھوٹنے کا صدمہ

اسی طرح امام غزالیؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے جو بہت بڑے اللہ کے ولی تھے کہ ایک دن ان کی فجر کی جماعت فوت ہوگئی، نماز نہیں قضا ہوئی تھی صرف جماعت نہیں ملی تو نہایت غمگین اور رنجیدہ ہوکر بیٹھے رہے جب لوگ ان سے ملنے کے لیے آئے تو آپ کو غمگین دیکھ کر دریافت کیا کہ حضرت! کیا بات ہے کہ جس کی وجہ سے آپ بہت زیادہ غمگین ہیں تو فرمایا افسوس آج اسلام اس قدر کمزور ہوگیا، اگر آج میرا کوئی بیٹا فوت ہوگیا ہوتا تو اب تک سینکڑوں آدمی تعزیت کے لیے آچکے ہوتے مگر آج مجھ پر اتنی بڑی مصیبت پڑی کہ میری جماعت فوت ہوگئی تو ایک آدمی بھی تعزیت کے لیے نہیں آیا۔

اللہ اکبر! کیا شان تھی ہمارے بزرگوں کی اور کیا حال تھا ان کا، اصل بات یہ تھی کہ ان کی نگاہ میں دین کی عظمت تھی، شریعت کی اہمیت تھی۔

ہم کو چاہیے کہ اپنے بزرگوں کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور ان کے حالات سے نصیحت حاصل کریں۔

ان درسگاہوں کا مقصد

بھائیو! یہ درسگاہ ہیں، یہ دارالعلوم یہ سب اسی لیے ہیں کہ ہم علم دین حاصل کریں، علم بہت بڑی دولت ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم حاصل کرو اور اس کے حاصل کرنے میں اس قدر کوشش کرو کہ تم تھک کر بیٹھ جاؤ، عالم ربانی کا بہت بڑا درجہ ہے، وہ نائب رسول ہے، نبی کا وارث ہے، پیغمبر کا جانشین ہے اس لیے کہ علماء ربانی وہ کام کررہے ہیں جس کو انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں لے کر آئے۔

حضور اقدس ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا اس لیے وہ کام علماء ہی کے ذمہ ہے جو نائبین رسول ہیں ان کو چاہیے کہ دین کی ترویج کریں، اس طرح کہ درس و تدریس کا کام بھی کریں، وعظ و تبلیغ بھی کریں، اللہ کے دین کی باتیں بیان کریں، زندگی کا مقصود بتادیں یہ عالم ربانی کا وظیفہ ہے، دین کے مبلغ کا یہ حال ہوتا ہے اور اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ دل جوش مارتا ہے اور یہ خیال امنڈتا ہے کہ ہم جہاں بھی جائیں، جس محفل میں بیٹھیں اللہ و رسول ہی کا ذکر کریں، اس کی یہ شان ہوتی ہے کہ ﴿وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ [سورۂ مائدہ: ۵۴] وہ اپنے دھن کا پکا ہوتا ہے کوئی کچھ بھی کہے وہ اپنا کام کیے جاتا ہے، مدح و ذم کی پروا نہیں کرتا۔

کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

ایک دفعہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ نے سرائے میر کے جلسہ میں مجھے بلایا تھا اس جلسہ میں مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہاں پوری بھی تشریف لائے تھے، جمعہ کے بعد ان کا وعظ طے تھا حضرت مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ

علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ اس وقت آپ بھی کچھ بیان کر دیں، میں ان کے حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا اور بیان شروع کر دیا اور اللہ کی مہربانی سے کچھ ایسا عالم طاری ہو گیا کہ لوگوں پر گریہ طاری ہو گیا، میں نے اس بیان میں یہ شعر پڑھا تھا کہ ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

اس کے دوسرے مصرع میں میں نے ترمیم کر دی ہے کسی شاعر نے یوں کہا تھا ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل یاد کرتے ہیں

اور میں نے اس کو بدل کر یوں کر دیا ہے کہ ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

یعنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نگاہوں میں ایسا بسے ہیں کہ ہر وقت بس ان ہی کا خیال غالب رہتا ہے اور جس محفل میں جاتے ہیں قال رسول اللہ کا ترانہ چھیڑ دیتے ہیں اور آپ کی زندگی کا نقشہ نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے۔

حضوری کے دو درجے

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اگر پل بھر کے لیے بھی میری نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو میں اپنے کو مؤمن نہ کہوں، شیخ کے اس قول کا مطلب یہی ہے کہ ہر وقت آپ کے ارشادات، آپ کے احکامات اور آپ کی احادیث ہمارے سامنے ہیں تو گویا حضور اقدس ﷺ ہی ہمارے سامنے ہیں۔

سنئے ! حضوری کے دو درجے ہیں ، ایک حضوری تو بلاواسطہ ہوتی ہے جو کبھی ہوتی ہے اور غیر اختیاری ہے ، اگر یہ حضوری ہر وقت رہے تو استغراقی کیفیت پیدا ہوجائے ، پھر آدمی اعمال سے رہ جائے گا اور ترقی اعمال ہی سے ہوتی ہے پس ترقی سے رہ جائے گا ، اور ایک حضوری بالواسطہ ہوتی ہے جو ہر وقت ہوسکتی ہے اور اس حضوری کا حاصل یہ ہے کہ ہماری نگاہوں میں وہ اس طرح بس جائیں کہ ہر وقت ہمارے پیش نظر بس یہ بات رہے کہ اللہ و رسول کس چیز سے راضی ہوتے ہیں کہ ہم اس کو اختیار کریں اور کون سی بات ان کو ناپسند ہے کہ اس کے قریب بھی نہ جائیں ، اس طرح ہر آن ہم ترقی کرسکتے ہیں ، آخرت کی ترقی کا مدار اعمال ہی پر ہے ، ہم جس قدر اوامر کا اہتمام کریں گے اور نواہی سے اجتناب کریں گے اسی قدر ترقی ہم کو حاصل ہوگی ۔

بھائی ! دنیا کی یہ زندگی چندروزہ ہے اور یہاں کی بہار بھی چندروزہ ہے یہ سب فنا ہوجانے والی اور مٹ جانے والی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ﴾ [سورۂ نساء : ۷۷] یعنی آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت متقیوں کے لیے بہتر ہے ۔

حصول خشیت کا آسان ذریعہ

یہ مضامین اللہ تعالیٰ نے اسی لیے بیان فرمائے ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی طرف توجہ ہو ، اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو ، اللہ کی محبت پیدا ہو ، سنئے ! اہل اللہ کی صحبت سے انسان کے دل بدل جاتے ہیں ، خوف وخشیت پیدا ہوتی ہے اور ان کی پاک صحبت کی برکت سے اللہ کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ کی زندگی نصیب ہوجاتی ہے ، اس لیے اہل اللہ کی صحبت بھی بہت ضروری چیز ہے اور کیمیا کا اثر رکھتی ہے لہٰذا جیسے ہم اپنے کاروبار کے لیے ، تجارت وملازمت کے لیے سفر کرتے ہیں اسی طرح سال میں دو چار روز کے لیے سہی وقت نکال کر کسی اللہ والے کی خدمت میں جائیں ، ان

کی پاک صحبت میں بیٹھیں، ان کی باتوں کو سنیں اور اس پر عمل کریں، علم کی بھی اصل غرض وغایت خوف وخشیت ہی ہے اور یہ خوف وخشیت ایک کیفیت ہے جس سے اہل اللہ متصف ہوتے ہیں اس لیے جو شخص ان حضرات کی صحبت میں بیٹھے گا وہ ان کیفیات سے متکیف ہو جائے گا اور راستہ بہت جلد طے ہو جائے گا۔

مبلغ کی شان

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مبلغ کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے دھن کا پکا ہوتا ہے، جہاں جاتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں بیان کرنا شروع کر دیتا ہے، اس کا کوئی مقصد نہیں، اس کی ذاتی کوئی غرض نہیں وہ محض اللہ کو راضی کرنے کے لیے بولتا ہے، امت کو دین کی طرف بلاتا ہے، امت کو اللہ و رسول کی فرماں برداری کی طرف بلاتا ہے اور امت کو اللہ و رسول کی مرضی کی طرف دعوت دیتا ہے، اس کا مرنا جینا سب اللہ ہی کے لیے ہوتا ہے (قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾)[سورۂ انعام :۱۶۲] آپ فرما دیجئے کہ (اس دین کا حاصل یہ ہے) بالیقین میری نماز اور ساری عبادات اور میرا مرنا جینا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا، پس ہمارا بھی یہی حال ہونا چاہیے کہ ہماری صورت، ہماری سیرت، ہمارا لباس، ہمارا کردار، رفتار و گفتار اور معاملات، شادی بیاہ، لینا دینا، چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، ساری چیزیں شریعت اور سنت کے مطابق ہونا چاہیے، یقیناً اس سے بڑی کوئی دولت نہیں اللہ جسے نصیب فرما دے وہی کامیاب ہے (ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۷۲﴾)[سورۂ توبہ:۷۲] سب سے بڑی کامیابی یہی ہے ورنہ قیامت میں پچھتانا پڑے گا پھر کچھ بات بنائے نہ بنے گی۔

زندگی کے یہ چند سانس گرانقدر نعمت ہے

سنئے! یہ زندگی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی

ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں گذارنا چاہیے ورنہ جب موت آجائے گی تو ایک ساعت کی بھی مہلت نہ ملے گی، ایک لمحہ کے لیے ترسے گا کہ کاش ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا موقع مل جاتا مگر اس وقت کی بیداری سے کیا فائدہ؟ ارشاد باری ہے (وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾)[سورۂ اعراف :۳۴] ہر امت کے لیے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

مال مٹ جائے گا، دولت فنا ہو جائے گی، اہل وعیال یہیں رہ جائیں گے وہاں صرف عمل ہی کام آئے گا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو تم نے کھالیا مٹی ہو گیا اور جو تم نے پہن لیا وہ چیتھڑا ہو کر گھورے پر طلا گیا اور جو تم نے چھوڑ دیا وہ تمہارے وارثوں کا ہے، تمہیں بھول کر یاد کریں یا نہ کریں، پس تمہارے لیے کیا رہ جائے گا سوائے تمہارے عمل کے جو تم نے کیا ہے یہی ساتھ جائے گا یہی نماز روزہ جو کر رہے ہو جس کی زیادہ اہمیت نہیں اور وہ مال جو اللہ کی راہ میں خرچ کر رہے ہو، بس یہی سب اعمال کام آئیں گے۔

دین کے لیے مال خرچ کرنے کی بڑی فضیلت ہے

یوں تو ہم خرافات میں بہت مال خرچ کرڈالتے ہیں اگر اللہ کی راہ میں خرچ کریں اللہ کے کام میں، اللہ کے دین کے لیے مال خرچ کریں تو بڑا اجر وثواب ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾)[سورۂ بقرہ :۲۷۴] یعنی جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں رات میں اور دن میں (یعنی بلا تخصیص اوقات) پوشیدہ اور آشکارا (یعنی بلا تخصیص حالات) سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس (جاکر) اور نہ (اُس روز) ان پر کوئی خطرہ (واقع ہونے والا) ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

یہ مدارس دینیہ جو قائم ہیں ان کی خدمت کرنا، ان کے لیے کوشش کرنا، بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اس میں بھی حصہ لیں۔

میں ایک بات بہت بیان کیا کرتا ہوں وہ یہ کہ سفر دو طرح کا ہوتا ہے ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا، دنیا کے سفر میں تو زادِ سفر اور توشہ ساتھ لیا جاتا ہے اور آخرت کے سفر میں آدمی خالی ہاتھ جاتا ہے زادِ راہ پہلے ہی بھیج دیا جاتا ہے (وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ) [سورۂ بقرہ:۱۱۰] یعنی جو نیکی تم اپنے لیے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔

دنیا دار العمل ہے

یہ دنیا دار العمل ہے، جزا کی جگہ نہیں، عمل یہاں ہے اور اس کی پوری پوری جزا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے جب وہاں مؤمن صالح کو جزا ملے گی تب معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر کتنا رحم و کرم فرمایا اور ہمارے ناقص اعمال پر کس قدر ہم کو نوازا ہے، وہیں پہنچ کر مؤمن اور کافر صالح اور فاسق کا فرق اچھی طرح ظاہر ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾) [سورۂ سجدہ:۱۸] کیا مؤمن فاسق کی طرح ہے؟ دونوں برابر نہیں۔

فسق و فجور اللہ سے دور کرنے والی چیز ہے، ایمان و عمل اللہ سے نزدیک کرنے والی چیز ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

ہماری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ سب کو عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو حیات طیبہ نصیب فرمائے ہم اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں، ہم فرماں بردار بن جائیں نافرمانی سے بچیں اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ------------ ۳۸

اهمیة اللغة العربیة ومیزاتها

{خطاب}

فضیلۃ الشیخ ابرار الحق ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ

اخوانی الکرم !اننا نریٰ فی ھٰذا الزمان الطلبةالزین یتعلمون فی المدارس العصریة،والکلیات والجامعات العصریة ،حینما یخرجون للنزھة ویتنزھون أوحینما یسافرون أو حینما یتجولون فی مقامات مختلفة فیتکلمون باللغة الا نجلیزیة و یفتخرون بها{وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا}وأماالطلبة الذین یتعلمون اللغة العربیة من بدایة الیٰ نھایة من الصف الاول الیٰ آخر السنة من الفرا غ الکنھم مع ذلک لا یستطیعون ان یتکلموا بالعربیة ولو ثلاث دقائق لا نھم ماتوجھوا الیٰ ھٰذا الأمر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

اظهار التواضع

ايها السادة ! انی فی حيرة وتردد اذ قيل لی أن أدلی اليكم كلماتی وأخطب بين أيديكم بعد هؤلاء الخطباء الكبار مع انی لست منهم بل ان هذا من حسن ظنكم بی ،فجزاكم الله تعالىٰ خيرًا فإانی امرت بهذا أرجو من الله سبحانه وتعالىٰ أن يستر عيوبی وعوراتی ويؤيدنی ويساعدنی برحمته وكرمه ان شاء الله۔

التمرين يُنشئی طلاقة فی اللسان:

انی تركت التكلم باللغة العربية منذ أيام كثيرة بل سنوات كثيرة ،نعم !حينما كنت ادرس فی الصف الاول فی بلادنا و خاصة فی "ماليغاؤن "فكانت هناك بحمدالله وفضله طلاقة فی لسانی فكنت اتكلم بهذه اللغة مرتجلاً بدون تلعثم و تردد،ولكن هذا التمرين قد فاتنی فيا اسفاً كل

الاسف لذلک وأنا فی حیرة وخاصة فی هذا الوقت الذی خطب فیه بین أیدیکم الادیب النبیل العریق الشیخ ارشد(۱)الذی هو ارشدنی إلی مهمات الامور ،ولکن بناء أعلی ما أمرت به انا ارید بل کنت ارید من بأن یکون حدیثی معکم فی هذا الیوم بل فی هذه الحفلة حول موضوع "أهمیة اللغة العربیة"

مزايا اللغة العربية:

اخوانی الاعزاء!

إن هذه اللغة جدیرة بأن نلقبها بأم الألسنة ،ولا شک فی أنها ام الألسنة ،سیدة الألسنة،ولها مزایا کثیرة یصعب علیها الحصر،أولاًأذکر أمامکم عدة من الآیات الشریفة الکریمة التی وردت فی القرآن الکریم بهذه المناسبة ،یقول الله سبحانه وتعالیٰ فی کلامه القدیم ،فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم{إنا أنزلناه قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون}(یوسف الآیة ۲)

قال الله سبحانه وتعالیٰ {قرآناً عربیاً}ثم قال{لعلکم تعقلون}فثبت وظهر ووضح علی کل ذی شعور ان اللغة العربیة لها مکانة ومقام فی تفصیل المراد وتبیینه ،فلذا ذکر بعض: أن الله سبحان وتعالیٰ قد بیّن صفة لهذه اللغة وهی صفة البیان وجعلها موصوفة بهذه الصفة البیانیة فی مقامات ،فقال فی مقام {لسان الذی یلحدون الیه أعجمی وهذا لسان عربی مبین}وقال الله تعالیٰ فی مقام آخر{وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم}(ابراهیم الآیة ۴)

قول المفسر العلامة السیوطی:

الى التذكر۔ ولعلي لا أخطئ في هذا بحمدالله ـأن الشيخ المفسر الكبير السيوطي رحمه الله تعالىٰ ذكر في ـالاتقان ـفي هذا المقام :ان كل وحي قد نزل على كل نبي اللغة العربية وادعى واستدل على هذا الدعوىٰ وقال :قال الله سبحانه وتعالىٰ {وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه} ولم يقل "وماانزلنا من كتاب الا بلسان قومه" ولم يقل "ما انزلنا من كتاب "بل قال {وما ارسلنا من رسول} وإن كلمة "الارسال "تشير صاحب ذكاء وصاحب علم وصاحب شعور إلى هذا الأمر ،ان الله سبحانه وتعالىٰ أنزل الوحي وأنزل العلم على كل نبي في اللغة العربية ،فلذا قال حبر الامة وترجمان القرآن ابن عباس رضي الله عنهما وأرضاهما في مقام حيث قال:

ان لسان ولغة أبينا آدم عليه الصلاة والسلام كانت العربية ولكن حينما أخطأ وأكل ما أكل وأخرج من الجنة وفيها مصالح كثيرة ،سلب الله سبحانه وتعالىٰ و نزع منه هذه اللغة وأعطاه السريانية ،ولكن آدم على نبينا عليه الصلاة والتسليم حينما تاب توبة نصوحاً ،حينما تاب توبة كاملة ،توبة مستجابة اعطاه الله سبحانه وتعالىٰ هذه اللغة العربية۔

حثّ الصحابة على اتقان اللغة العربية:

فلذا ذكر اكثر أصحاب النبي ﷺ في خطباتهم وفي كلماتهم حينما ألقوا بين أيدي الناس فقالوا : عليكم أن تتقنوا اللغة العربية لو الكم تريدون أن تفقهوا القرآن الكريم فلابد لكم ايها الطلاب أن تتقنوا أولاً اللغة العربية و ذلک لأن الذي لا يعرف ماهي حقيقة اللغة العربية وماذا بلاغتها و فصاحتها ،وما لها من ملحقاتها كيف يكون مفسراً متبصراً وعالماً متبحراً؟ كيف يكون

مدركاً لحقائق القرآن ولعجائبه ولدقائقه ولمعارفه ولعلومه؟ لا يستطيع أحد أن يطلع على ذلک إلا بالوقوف على اللغة العربية والبراعة فيها۔

لا بدّ من التكلم بالعربية في كل شئون:

فلذا علينا أن نجتهد في الحصول على اللغة العربية ولا بد لنا أن نتكلم بهذا اللغة فحينما ندخل في الحجرة وحينما يلقى بعضنا بعضا فعلينا أن نقول: السلام عليكم ورحمة اللہ وبركاته، كيف حالكم؟ وعلينا أن نجتنب عن أن نسئل أحبابنا ونقول: (آپ کیسے ہو؟) علينا أن نجتنب عن ذلک، لأننا نتكلم بها بلغتنا الأم من بداية حياتنا حتى الآن ولا ننساها ان شاء اللہ، لأنها لغة دارجة في بلادنا، لغة عامة، لغة شهيرة، فاننا لا نخاف أن ننساها فيجب علينا أن نتكلم بالعربية في كل مقام ومكان، في كل زمان وأوان، كما يلزم علينا أن نتكلم بهذه اللغة بولع وحنين وباشتياق ورغبة۔

خذوا من طلاب الكليات العبرة:

اخواني الكرم! اننا نرى في هذا الزمان الطلبة الزين يتعلمون في المدارس العصرية، والكليات والجامعات العصرية، حينما يخرجون للنزهة ويتنزهون أو حينما يسافرون أو حينما يتجولون في مقامات مختلفة فيتكلمون باللغة الانجليزية ويفتخرون بها {وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا} وأما الطلبة الذين يتعلمون اللغة العربية من بداية الى نهاية من الصف الاول الى آخر السنة من الفراغ لكنهم مع ذلک لا يستطيعون ان يتكلموا بالعربية ولو ثلاث دقائق لانهم ما توجهوا الى هذا الأمر وما التفتوا الى هذا

الأمر فلذا إنّ من واجباتنا وفرائضنا ان نتوجه الى جميع العلوم وخاصة الى هذه اللغة۔

تعلموا الغة العربية لفهم القرآن لا للفلوس:

نحن نرىٰ فى هذا الوقت كثيراً من الرجال الذين يتكلمون باللغة المرهتية (marathi) فى مهاراشترو كذلك فى مقامات اخرىٰ كلهم قد توجهوا الى اللغة ولكن لا باخلاص ولا باهمية ولا لحصول العلوم القرآنية ولا لعلوم الحديث الشريف بل للفلوس فقط۔

ان اللّٰه اكرام العرب بالثروة والمال فى هٰذا فى الايام:

ان اللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعطى أهل العرب اموالاً طائلة حتى صارت أرض الحجار كأنها أرض فلوس وثروة ،وانى اقول ان اللّٰه سبحانه يمطر فى هذه الايام على العرب الثروة ،بل انى اقول :كان النبى صلى الله عليه وآله وسلم سخياً ،جواداً كريماً ،لم يبخل قط فيما عنده حتى قال الشاعر فى شان أحد من اسرته۔عليه الصلاة والسلام۔وهو الامام زين العابدين ،الشاعر يقوله

ماقال " لا " قط الا فى تشهده

لولا التشهد كانت لاءه نعم

هذا كله ببركة الرسول صلى الله عليه وآله وسلم الذى ولد فى تلك الارض البقعة المباركة الطيبة،

الكلمة الواحد فى العربية تستعمل لمعان عديدة:

اخوانى الاكارم !قد بينت امامكم ان اللغة العربية لها أهمية كبية ذكر

ها الذاكرون في مقامات مختلفة، ولها خصائص ومزايا ما لا كلام ولا نقاش فيه،ويتبين لكم هذا الأمر ،إن أخذتم ميزة واحدة من ميزاتها الكثيرة ، خذوا ميزتها اللغوية أو البلاغية التي لا يوجد لها نظير في أية لغة من اللغات الاخرىٰ ،فكلمة واحدة من حيث الواضع تشتمل على معان كثيرة مختلفة۔

مثلاً أمامكم كلمة "ضرب" لها معان مختلفة فاذا قلتَ لرجل: ضربته، معناه: أوجعته (اٹھا پٹک کیا، پٹائی کی) واذا قلت: ضربت له فمعناه: مثّلت له المثال ،واذا قلت لرجل: ضربت عنک ،فمنعاها أعرضت عنک ومعناه بالا ردية (پہلو تہی کی) واذا قلت ضربت في الارض ،معناه سافرت في الارض ،فعلم أن هذا اللفظ معنا ليس بمنحصر في الضرب العادي المشهور كما يظن التلاميذ الصغار أن الضرب ينحصر في الضرب با لعصا، فالضرب ليس بمنحصر في هذا بل الضرب له ضروب ،ومعان عديدة كثيرة۔

من خصائص العربية الاشتقاق والتردف:

كذلک من خصائص هذا اللغة الاشتقاق مثلاً حروف ثلاثة قاف ،باء ،لام،اذا ركبتها و قلت : قَبِلَ فمعناه أخذ عن طيب خاطر ،ولو قلت أقبل ،فمنعاه توجه،واذا قلت قَبَّلَ فمعناه لثم،ثم قلت استقبل فمعناه لقيه مُرِحْباًبه، ثم اذا قلت قابل فمعنا لقيه بوجهه، واذا قلت تقابل فمعناه لقي كل واحد منهما الآخر بوجهه،فانظروا في هذا الكلمات: قبِلَ، أقبل، قَبّلَ، تقابل، تقبّل ،استقبل ،كيف تتغير معاني هذه الكلمات ،فهذه ميزة لهذه اللغة ولا تجدونها في لغة أخرىٰ الي يوم الدين ـان شا الله تعالي ـفلذا اني اقول لكم إن الاشقاق والترادف هو من خصائص اللغة العربية فلا تجدون الترادف مثل

اللغة العربية فی لغة اخریٰ وان تفکرم ثم وتجسستم عن هٰذا الامر فی اية لغة لم تجدوا هٰذه الميزة فی تلک اللغة، هٰذا امر ثابت ليث فيه شک ولا ريب۔

فلذا ذکر بعض الأدباء أن اللغة العربية لها أربعة قوائم و دعائم اذا وجدت هٰذه الدعائم و تحققت تتم اللغة العربية و يستطيع الرجل أن يستفيدبها حق الاستفاة حسب مايشاء، وتنصره وتعينه هٰذه اللغة فيمايريده ويقصده فتلک الدعائم کمايلی:

(۱) علم النحورو الصرف (۲) علم الادب

(۳) علم البيان (۴) علم اللغة

ليس هٰذا الوقت وقت الغفلة:

فعليکم أيها الأخوة! أن تکونوا مجتهدين ولا تکونوا غافلين وخاصة فی هٰذا الزمان الذی قدتداعی الأعداء علی هٰذه الامة الاخيرة، أمة الوَسَط، أمة ذات شرف و کرامة کما تداعی الأکلة علی القصعة، انانری فی هٰذا الزمان أن الاعداء جميعاً قد تهيّئوا اورادوا و عزموا علی يقطعوا دابر المسلمين من العالم ولکننا منشرحوا الصدرو القلب فی ان لا يکون هٰذا ولن يککون ولن يمکن الی يوم الدين ان شاء اللّٰه الرحمٰن، اننا ندعو اللّٰه الرحمٰن أن يقطع دابر اليهود و النصاریٰ والمجوس و جميع أعداء الدين، لکن مع الدعاء يجب علينا أن نتخذ من الاسباب لان هذا العالم هو دار الأسباب فلابد لنا ان نعد لهم ما استطعنا من القوة ومن الاسلحة کما أرشد الی هٰذا الامر شيخنا المرشد ارشد الذی هو المرشد الارشد، فعلينا أن نتهيأ لهٰذا الأمر فی هٰذا العسر بسيفين اللسان والسنان، وان قلتم: کيف نتهيأ ونستعد للاعداء

وعندهم ثروة كبيرة مالية وبأيديهم آلات حربية جديدة مدمرة مخربة وليس عندنا الا قليل من المال فكيف نستطيع ان نتهيأ و نسترى هذه الآلات الحربية؟

لا بدّ من اتخاذ امرين لمواجهة الاعداء:

فأقول علينا ان نعمل عملين، اولاًأن نجتهد في اتقان اللغة العربية خاصة ثم نخرج الى العالم الاسلامي و نحث العرب على مدافعة اعداء الدين اليهود و النصارىٰ والمشركين لان العرب لهم مقام معلوم وانهم خلاصة العالم وزبدته وايضا انهم فى وسط العالم ولهم ميزات عديدة لاتوجد فى أى قوم من اقوام العالم فلذا انهم اذا قاموا وتيقظوا وتركوا الغفلة وتهيئوا لمواجهة الأعداء وحملوا اسلحتهم فالاعداء لايستطيعون ان يدافعوا ويقاتلوا معهم ان شاء اللّٰه تعالىٰ و هكذا علينا ان نحث المسلمين العرب بالأقلام۔

قوة القلم:

قد كتب الشيخ العلامة الرازى رحمه اللّٰه كلمات طريفة عجيبة حول هذه الآية الكريمة التى قال فيها جلّ شانه {الذى علّم بالقلم} فذكر العلامة الرازى قوة القلم وقال :ان سيوف المجاهدين تحت اقلام الملوك ،تصوروا وتفكروا حول هذه الكلمة الجليلة ،ماشاء اللّٰه كلمة عجيبة ، ان سيف المقاتلين والمجاهدين تحت اقلام الملوك انظروا ما احسن هذه الكلمة التى كتبها الشيخ ،اذا حرّك الملك قلمه فالمجاهدون لا يحركون سيوفهم واذا لم يحرك الملك قلمه فالمجاهدون لايحركون

سيوفهم ،فثبت من هذا: ان قدرة القلم وقوته فوق قوة السيوف وهذا ما هو مشاهد في العالم في مشارق الارض ومغاربها ،وهذاما كتبه الشيخ امر ثابت ليس فيه ضعف بحمد اللہ۔

الحثّ على تعلّم اللغة العربية:

فايها الاخوان! أو لاً عليكم أن تجتهدوا وتتقنوا اللغة العربية ،القديمة ،الدارجة ، الشائعة في هذا الوقت ،اننا نرىٰ في هذا الزمان أن المجلات الشهرية والمجلات الاسبوعية تصدر من بلاد مختلفة من مقامات مختلفة من ممالک مختلفة بكثرة كاثرة وأوراقها تكون نفيسة لا كأوراق المجلات الهندية ،فعليكم أنَ تقرؤوها وتجتهدوا في مقرارتكم الدراسية خاصة ولاتغفلوا عنها۔

مديرنا مهتمّ بهذا:

وان مديرنا المكرم (۱) حفظه اللہ۔مولع باللغة العربية وكذا له ميزات كثيرة۔ما شاء اللہ تعالىٰ۔له فكرة في هذا الأمر وله مزية وميزة واني لا أبالغ في ھذا الامر ،ولذلک انه هيأ جواً صالحاً لتعلم اللغة العربية في مدرستنا فلاح الدارين۔والحمد لله على ذلک۔فعليكم ان تغتنموا هذه الفرص القيمة و تستفيدوا من هذا الجو الصالح وتزودوا للغد فتكونوا فائزين في مرامكم ان شاء اللہ تعالىٰ۔

لاتظلموا على العبارة:

فقبل كل شئی علينا ان نجتهد و نقرأعبارة الكتب بالإتقان والضبط

،لا نظلم على العبارة ،ان بعض التلاميذ يقرؤون العبارة و يظلمون عليها ، انهم قرؤوا من بداية الى نهاية أن الجار يجروا الحروف الجارة سبعة عشر حرفاً ،ولكنهم لا يعرفون ذلک كما قرأ طالب ذات يوم "في بُيُوْث" بالرفع ،فسأله سائل: كيف قرأت البيوت بالرفع، فتلا هذه الآية {في بيوت ازن الله ان ترفع }واستدل ها قائلاً ان الله سبحانه و تعالىٰ امر واذن ان ترفع بيوت في بيوت ،انظروا كيف استدل بالآية الكريمة ـ سبحان الله العظيم ـ الى متى نبكي على علمه وشعوره۔

فايها الاخوة الكرام! علينا ان نجتهد ،ليس من شأني ان انصحكم واعظكم وخاصة في هذه الحفلة التي فيها كبار من الاساتذه الكرام و العلماء الافاضل والادباتو الفقهاء والمحدثين والمفكرين، فاني اعتذر اليهم خاصة ثم اعتذر اليكم باني قد اجترأت أمام هؤلاء العباقرة وأتعبتهم اتعابا بكلام منتشر غير منظم و منسق وهذا ماكانت تختلج في صدري منذايام فقدمت امامكم كيف ما استطعت مرتجلاً۔

عليكم الجهد المتواصل و تنظيم اوقاتكم:

اخوني الكرام! عليكم الجهد الكامل المتواصل، وعليكم ان تنظموا اوقاتكم في هذا الزمان لان تنظيم الاوقات وتوزيعها وترتيبها لابد منه لكل مسلم ولا سيما لطالب علم الدين، لأن من لم يوزع ولم ينظم اوقاته فقد ضيع اوقاته الثمينة الغالية ،بل قد ضيعح حياته الثمينة الغالية ،فلا بد لنا من صيانة الاوقات والحفاظ عليها،ان شيخنا الشيخ التهانوى رحمه الله كان يقول:كل ما اعمل واكتب واصنف واؤلف وغير ذلک من الاعمال

المختلفة كل ذلك ببركة توزيع الاوقات وترتيبها فعلينا ان نقتدى بهداه و نجعله لنا اسوة حسنة۔

يجب علينا ان نشكر:

فيا ايها الحاضرون ! علينا ان نشكر اللّٰه سبحانه و تعالىٰ اولاً على انه وفقنا لعقد هزه الحفلة المباركة المؤقرة الا بتدائية العجيبة و على انه وفقنا للحضور فيها كما يجب علينا ان نشكره سبحانه و تعالىٰ على توفيقه ايانا للاستماع الى كلمات موجزة مفيدة كلمات الشيخ ارشد و كذلك كلمات مؤثرة للتلاميذ الذين يتعلمون فى هٰذه المدرسة ،و بعد ذلك سمعتم كلماتى المختلفة المنتشرة التى فيها كثير من الهفوات ، فاللّٰه سبحانه و تعالىٰ يتقبل ويجعل هذه الكلمات نافعة لنا جميعاً وارجو منكم ان تسامحونى فيما أخطأت و اتعبتكم۔

الدعاء مخ العبادة:

واخيراً ندعو اللّٰه سبحانه تعالىٰ لان الدعاء فيه بركات كثيرة وان المسلم اذا دعا اللّٰه تعالىٰ بقوة قلبه و بصميم قلبه وبا ستحضار قلبه و الحّ فى دعائه فاللّٰه سبحانه و تعالىٰ يقبل دعاءه لان اللّٰه سبحان و تعالىٰ يستحيى من ان يرديد سائل خاليا صفراً ،فعلينا ان نرفع ايدينا الى اللّٰه سبحانه وتعالىٰ و ان ندعو منه سبحانه وتعالىٰ ان يكرمنا ويسعدنا بالفوز و الفلاح و القوة فى الدين والدنيا و العلم و الشعور ويهيأ لنا كل مانحتاج اليه فى فى هٰذه الحياة الدنيوية و كل مانحتاج اليه فى عالم البرزخ و فى الحياة الاخروية ، علينا ان ندعو اللّٰه

سبحانه وتعالى في جميع مانحتاج اليه، لان هذه سنة نبينا ﷺ وانه ﷺ كان يرجع الى الله سبحانه وتعالى في جميع شئون حياته ويدعوه، وانه ﷺ قال الدعاء مخ العبادة، فالآن اختم كلماتي المتواضعة وارجو من الله ان يسامحني وان يوفقنا لما يحب ويرضى ويجعل آخرتنا خيرا من الاولى۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان ۳۹

طلبۂ کرام اور تبلیغ دین

{خطاب}

حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیہ رحمۃ اللہ علیہ

دنیا میں انسان کا سب سے بڑا ترجمان اس کا عمل ہے، عمل بہت بڑی چیز ہے، اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ اپنی اپنی جگہوں پر اپنے اپنے علاقوں میں ترتیب کے ساتھ اس کام (دعوت وتبلیغ) میں جڑنے کی کوشش کریں، نظام الاوقات بنائیے اور دیکھئے! یہ ضروری نہیں کہ آپ کرسی پر بیٹھ کر ''نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ'' پڑھیں، پھر اس کے بعد وعظ کریں، نہیں، بستی میں دو جوان مل گئے آپ ان کا ذہن بنائیے، ان کو دین کی طرف متوجہ کیجئے چار پانچ آدمی مل جائیں انہیں دین سمجھائیں، ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ملازمت کرتا ہے تو اس کا ذہن دینی بنائیے۔

پیراگراف از بیان حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

ذہنی خلیج کو پاٹنے کی ضرورت ہے

آج ہمارے درمیان جو ذہنی خلیج پیدا ہوگئی ہے اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے میں نے الحمد للہ اپنے باہر کے سفروں میں جس کا مجھے بکثرت اتفاق ہوتا ہے اس کا بڑا اہتمام رکھا اور پوری کوشش کی کہ ہمارے درمیان جو خلیج پیدا ہوگئی ہے اس کو دور کیا جائے جتنا اپنے طور پر ہوسکا اس کی سعی اور کوشش کی کہ آپس میں تفرقہ کی شکل نہ ہو آج جو امت سے امت پن ختم ہو چکا ہے اور توڑ کی شکل ہو رہی ہے اس سے ہماری قوت ختم ہوگئی ہماری روح ختم ہوگئی ہماری مثال ایسی ہوگئی کہ جیسے سڑک پر پڑا ہوا کوئی مردہ جانور ہو آپ دیکھتے ہیں کہ مثلاً جب گھوڑا مر جاتا ہے تو اس کا بدن پھول جاتا ہے اب کوئی آدمی اسے دیکھ کر یہ کہے کہ صاحب یہ بڑا تگڑا ہے، بڑا مضبوط ہے تو لوگ اس کو نادان سمجھیں گے بے وقوف کہیں گے اس لیے کہ اس کا صرف جسم بڑھ گیا ہے مگر اس میں روح موجود نہیں ہے پہلے کوئی اس کے قریب آتا تو لات مارتا جس سے چودہ طبق روشن ہو جاتے لیکن اب حال یہ ہے کہ کوئی اس پر پیر رکھ کر گذر جائے تب بھی اسے کچھ احساس نہیں۔

امت کا جسم بڑھ گیا مگر روح نہیں

ٹھیک اسی طریقہ سے جب امت کا بدن چھوٹا تھا یعنی تعداد کم تھی مگر اس میں جان موجود تھی اس وقت اگر کوئی اس کو چھیڑتا تھا تو اس کی آ بنتی تھی اور آج امت مسلمہ کی جسامت اور قد و قامت بہت بڑھ چکی ہے اس کی تعداد کھرب سے اوپر پہنچ چکی ہے مشرق و مغرب میں اس کا بدن پھیل گیا ہے مگر وہ روحانیت باقی نہیں ہے اس لیے جس کی سمجھ میں جو آتا ہے وہ کرتا ہے کوئی مارتا ہے کوئی جلاتا ہے کوئی نوچتا اور کچلتا ہے کوئی طعن کرتا ہے اس لیے کہ اندر کا پاور اور روح ندارد ہے۔

آپ چڑیا گھر کے شیر کو دیکھیں چونکہ وہ واقعتاً اور حقیقتاً جاندار ہے اس لیے جب وہ گرجتا ہے تو اس کے سلاخوں میں ہونے کے باوجود لوگ پیچھے سرک جاتے ہیں اور اگر مٹی یا پتھر کا بنا ہوا مجسمہ ہو جسے اسٹیچو (STATUE) کہتے ہیں تو ایک بچہ اس پر سوار ہوسکتا ہے وہ اسے توڑنا چاہے تو توڑ سکتا ہے اس کے انیاب اور ثنایا علیا غائب کرنا چاہے تو غائب کرسکتا ہے اس لیے کہ اس میں روح نہیں ہے مگر وہ زندہ شیر تو کیا بلی کے منہ میں ہاتھ ڈالیں تو تارے نظر آنے لگیں گے اس لیے کہ اس میں روح موجود ہے اور ویسے بھی وہ شیر کی خالہ جان ہے۔

غرض یہ کہ روح بہت بڑی چیز ہے اس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے جو علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ بے چارے ویسے ہی ہیں حقیقتاً انہیں بھی غلط فہمی ہے۔

علماء اور عوام میں جوڑ پیدا کرنے کی ضرورت

میں اپنے بھائیوں سے کہوں گا بڑوں سے تو میں نہیں کہتا اس لیے کہ میں اپنے آپ کو اس پوزیشن میں نہیں سمجھتا، الحمد للہ مجھے غلط فہمی بھی نہیں ہے مگر جو میرے ساتھی

اور دوست ہیں ملنے والے ہیں جن سے توقع ہے کہ وہ قبول کریں گے ان سے ضرور اس کی گذارش کروں گا کہ وہ ان عوام کو محبت کی نگاہ سے دیکھیں حق تعالیٰ نے اس وقت امت مسلمہ میں بہت بڑا کام ان سے لیا ہے اور ان سے عالمی پیمانہ پر فائدہ پہنچ رہا ہے۔

اسی طرح ہم جماعتی بھائیوں سے بھی کہیں گے کہ کبھی بھولے سے بھی اپنی کثرت پر ناز پیدا نہ ہو، مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلیفہ ہیں فرماتے ہیں کہ تدریس کی خدمت خاموش خدمت ہے مستحکم خدمت ہے آپ کو معلوم ہوگا کہ اُحد کے اندر کیا ہوا؟ کچھ وہ تھے جو میدان میں تھے اور کچھ وہ تھے جو مورچہ پر تھے مورچہ چھوڑ دیا تو شکست کی شکل پیدا ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ کچھ میدان میں بھی رہیں اور کچھ ناکے اور گوشے بھی سنبھالے رہیں تاکہ دشمن اُدھر سے حملہ آور نہ ہو۔

دعوت، تعلیم، تزکیہ سب کی ضرورت

تو کچھ گشت کرنے والے احباب بھی ہوں اور کچھ جم کر بیٹھنے والے بھی ہوں تاکہ اسلامیات پر جتنے اعتراضات اور اشکالات ہو رہے ہیں ان سے دفاع بھی ہوتا رہے مسائل بھی آتے رہیں ان کے جوابات بھی دیئے جاتے رہیں غرض یہ کہ کام مل جل کر ہوتا ہے ایک سے کام نہیں ہوتا۔

جیسے مثلاً آپ نے ایک کالے ناگ کو دیکھا اب ظاہر بات ہے کہ آنکھ سے دیکھا زبان سے آپ نے پکارا کہ سانپ سانپ اور پھر اس کے بعد پیر سے آپ دوڑے ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالا اور اس کے بعد اس کی خبر لی اور اس کا مزاج ٹھکانے لگا دیا تو یہاں آنکھوں نے بھی کام کیا وہ بند نہیں ہوگئیں زبان نے بھی کام کیا حالانکہ وہ بتیس پہرے

داروں کے بیچ میں ہے اس نے یہ نہیں سوچا کہ اگر ڈسے گا تو کہیں اور ڈسے گا ہم تو بند قلعہ میں محفوظ ہیں بلکہ وہ چلا رہی ہے آنکھیں دیکھ رہی ہیں ہاتھ بڑھ رہے ہیں پیر دوڑ رہے ہیں اس ساری اجتماعی کوشش کے نتیجہ میں آپ سانپ کے زہر سے بچے رہے اور آپ کی حیات باقی رہی اگر آنکھیں یہ سوچیں کہ ہم تو بہت اوپر ہیں اور ان ہڈیوں کے گول خود میں محفوظ ہیں بلکہ اگر ہم بند ہوگئیں تو ہمیں کون دیکھے گا، اور زبان بھی یہی سوچتی یا ہاتھ یہ سوچتے کہ ہم اوپر اٹھ جائیں گے اور بچ جائیں گے تو ظاہر بات ہے کہ ایسی صورت میں سب ہی ہلاک ہوتے۔

تقسیم کار ایک فطری عمل

میں اکثر ایک مثال دیا کرتا ہوں زیادہ دور مت جایئے کچھ سوچنے کی عادت ڈالیں آپ حضرات تشریف فرما ہیں آپ کی آنکھیں میری تقریر نہیں سنتیں اور آپ کے کان تقریر سن رہے ہیں مگر کان مجھے دیکھ نہیں سکتے اس کے باوجود کان آنکھوں پر کبھی اعتراض نہیں کرتے کہ صاحب ہم اتنی مدت سے سن رہے ہیں آنکھیں کبھی نہیں سنتیں اور آنکھیں یہ اشکال نہیں کرتیں کہ ہم اتنے عرصہ سے دیکھ رہی ہیں کان کبھی نہیں دیکھتے ہر ایک اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔

تو تقسیم کار ایک فطری چیز ہے کہ ہاتھ اپنا کام انجام دے رہا ہے آنکھ اپنا کام انجام دے رہی ہے کان اپنا کام انجام دے رہے ہیں سب کی دنیا الگ الگ ہے زبان اپنی جگہ ذائقہ چکھتی ہے آپ بہترین مٹھائی ناک کے اوپر رکھ دیں تو اس بزاخفش کو کچھ بھی لطف نہیں آئے گا، سرمہ زبان پر لگالیں تو مزہ آجائے گا، چشمہ کان پر لگالیں تب تو صاحب کیا کہنا سبحان اللہ! پاؤں میں جوت بہت قیمتی ہو آپ سوچیں کہ پانچ سو روپے کا جوتا ہے اس لیے لاؤ کان ہی میں اس کو باندھ دیں تاکہ اچھے معلوم ہوں تب تو آپ

ایک نا ولٹی معلوم ہوں گے۔

ویسے آج کل تو زمانہ کچھ ایسے ہی ہے کہ اگر آپ پاجامہ سر پر اور کرتا پاؤں پر باندھ لیں شاید لوگ متوجہ ہوں اور اس کی بھی تقلید کرنے والے پیدا ہو جائیں گے دنیا میں بیوقوفوں کی کمی نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں بیوقوفوں کو سمجھانے سے عاجز آ گیا'' **مَا عَجِزْتُ عَنْ اِحْیَاءِ الْمَوْتیٰ بَلْ عَجِزْتُ عَنْ اِفْهَامِ الْحُمْقیٰ** '' کہ احیاء موتی سے میں عاجز نہیں آیا مگر بے دال کے بودموں (بوم فارسی میں الو کو کہا جاتا اور بودم میں سے دال کو نکال دیں تو بوم رہ جاتا ہے) کو سمجھانے سے تنگ اور عاجز آ گیا ان کو سمجھانا بہت زیادہ مشکل ہے، تو تقسیم کار ایک فطری نظام ہے اب اگر کان کچھ سوچے اور آنکھ کچھ سوچے تو ظاہر بات ہے کہ نزاع کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی زریں نصیحت

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جن سے حق تعالیٰ جماعت کا کام لے رہے ہیں وہ بزرگوں کے پاس یا علماء کے پاس جائیں تو ان سے دعا کی درخواست کریں (الفاظ یاد رکھیے مولانا کے الفاظ ہیں) اور موقع دیکھیں تو کار گذاری سنائیں یہ بالکل بھی مناسب نہیں ہے کہ باہر نکل کر کہیں کہ بھائی مولوی صاحب تو پنکھے کے نیچے مسند درس پر بیٹھے ہیں ماشاء اللہ! اس طرح طعن نہ ہو ہم جانتے ہیں ایسے طعنے دیئے جاتے ہیں اور ادھر علماء میں بھی بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ بڑا اخفش ہیں یہ ایسے ہی گھومتے پھرتے ہیں تو نہ ان کے لیے یہ مناسب کہ ان کی خبر لیں اور نہ ان کے لیے یہ مناسب ہے کہ ان کی خبر لیں۔

دین کے تمام شعبے ایک دوسرے کے معاون ہیں معارض نہیں

یہ تو بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے ایک دفعہ ہاتھ پیر وغیرہ نے معدہ کے خلاف احتجاج کیا اور احتجاج یہ کیا کہ ہم دھوپ میں کمانے جاتے ہیں ہم پریشانیاں اٹھاتے ہیں بزنس ہم کرتے ہیں سروس ہم کرتے ہیں فلاڈنگ ہم کرتے ہیں کولڈ ڈرنک ہم بناتے ہیں بلڈنگ ہم بناتے ہیں دنیا بھر کے سارے کام ہم کرتے ہیں اور جب کھانے بیٹھتے ہیں تو پلاؤ دیکھو تو حضرت معدہ میں پہنچ رہی ہے، کوشش اور کاوش ہم کرتے ہیں اور فائدہ یہ اٹھاتا ہے معدہ کو پتہ چلا اس نے کہا اچھا ہمارے خلاف احتجاج ہو رہا ہے کہ کبھی دھوپ میں نہیں نکلتے ہر وقت اندر ہی تشریف فرما رہتے ہیں، اس نے کہا ٹھیک ہے! ہم بھی اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں معدہ میں کئی قسم کی قوتیں ہیں، قوت جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، دافعہ، نامیہ، مولدہ، ان میں سے اس نے ہاضمہ اور ماسکہ کی قوتوں کو روک دیا اب جو بھی کھانا آتا ہے وہ رکتا ہی نہیں اور نہ ہضم ہوتا ہے، آیا اور گیا، آیا اور گیا، دست کی وجہ سے پورا جسم بے دست و پا ہوگیا بدن میں جان نہیں رہی، آنکھوں کی بینائی اور کانوں کی شنوائی کمزور ہوگئی، زبان میں گویائی باقی نہیں رہی، ہاتھوں میں بطش (پکڑنے) اور پیروں میں مشی (چلنے) کی قوت باقی نہیں رہی، اب سارے اعضاء سوچنے لگے کہ یہ ساری قوت ان سے کیوں جاتی رہی؟ غور کرنے سے پتہ چلا کہ یہ سب دست کی برکت ہے چونکہ معدہ نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے اس لیے ساری قوت رخصت ہوگئی وہ اپنے مقام پر رہ کر جو محنت کر رہے تھے اس کا اثر تھا کہ سب کو قوت پہنچ رہی تھی۔

مدارس دین کے قلعے ہیں

تو حق یہ ہے کہ مدارس دین کے قلعے ہیں ان سے سب کو پانی پہنچتا ہے ورنہ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں کے پاس رہ کر علم حاصل نہ کرتے تو کیا وہ مولانا الیاس صاحب بنتے؟ انہوں نے باقاعدہ قرآن و

حدیث کے علوم حاصل کئے، تاریخ کا مطالعہ کیا بلاذری انہوں نے دیکھی، تاریخ خمیس انہوں نے دیکھی، نہایہ ابن اثیر انہوں نے دیکھی اور اسی طرح مقدمہ ابن خلدون انہوں نے دیکھا، اس کی فکر تھی کہ کسی طرح کام کا صحیح طریقہ سامنے آجائے اور پھر یہی نہیں بلکہ حضرت گنگوہیؒ کی جوتیاں سیدھی کیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو حضرت گنگوہیؒ سے ایسا عشق تھا کہ ان کے اگالدان سے پان کی پیک نظر بچا کر پی جاتے تھے آپ کے عشق کا اندازہ لگایئے! اور گنگوہ حاضر ہونے سے پہلے تین دن کا اعتکاف کرتے اور ذکر و شغل کی کثرت کرتے تھے کہ کہیں حضرت کو ظلمت محسوس نہ ہو یہ سب کچھ اس فکر میں کیا کہ کس طرح کام کا صحیح طریقہ سمجھ میں آجائے چنانچہ ان بزرگوں کی نگاہ کرم اور آپ کے ریاضت ومجاہدہ کی برکت تھی کہ اللہ کا فضل ہو گیا اور کام کرنے کا یہ طریقہ آپ پر منکشف ہوا۔

اسی طرح اگر حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ ایک گوشہ میں بیٹھ کر فضائل کی کتاب نہ لکھتے تو کیا عوام کے بس کی بات تھی کہ وہ فتوحات مکیہ یا زواجر کو پڑھتے یا مدونہ کو دیکھتے؟ ظاہر بات ہے کہ یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

اس دور میں دعوت کا کام اللہ کا عظیم انعام ہے

حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کام میں جتنی خوبی اور جان ہے وہ بزرگوں کی محنت اور دعاؤں کی برکت ہے اور جتنی کمزوری ہے وہ ہماری آپ کی کمزوری ہے تو علماء کو چاہیے کہ ان کی حوصلہ افزائی کریں، کمزوری سے کوئی خالی نہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں تو ان لوگوں کو دیکھتا ہوں تو واقعی بڑی خوشی ہوتی ہے، آج کے اس دور مین جب فتنے ہواؤں میں اڑ رہے ہیں کہ امریکہ میں کوئی خباثت ہو تو دنیا کے دوسرے کونے میں ایک سیکنڈ میں پہنچ جاتی ہے ایسے دور میں عمومی محنت کی یہ

فضاء یہ اللہ کا بڑا احسان ہے، لاکھوں بے نمازی نمازی بن رہے ہیں راتوں کو رونے والے بن رہے ہیں، برسوں کے شرابی جن پر ہر وقت شراب کا نشہ رہتا تھا ان پر دین کا رنگ چڑھ رہا ہے یہ کوئی اللہ کا معمولی کرم نہیں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ان سے کام لے رہے ہیں لیکن بس نظر اس کے فضل پر ہونا چاہیے اور جہاں اس پر نظر ہوئی کہ میں نے کیا تو سارا کیا کرایا بے کار ہو جائے گا۔

اپنی ذات کی مکمل نفی اور نگاہ صرف اللہ پر ہو

ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جب بندہ کوئی نیک کام کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھ سے کچھ نہیں ہوا تو غیب سے ندا دی جاتی ہے کہ نہیں نہیں! اے بندے تو نے نیت کی، ارادہ کیا، کوشش کی، عمل کیا، اور جب بندہ کسی کام کو کر کے یہ کہتا ہے کہ میں نے کیا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوتی ہے کہ اے بندے تو نے کیا کیا؟ خیال ہم نے پیدا کیا، ارادہ ہم نے پیدا کیا، کوشش کے لیے اسباب ہم نے مہیا کیے، عمل ہم نے کرایا، خالق افعال اور اعمال تو ہم ہی ہیں۔

طلباء کو ایک نکتہ سنا دیں، ابلیس نے ایک بات کہی تھی (قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ) یعنی اے اللہ! آپ نے مجھے گمراہ کیا، دیکھیے ابلیس نے اغواء کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی اس سے معلوم ہوا کہ ابلیس کا عقیدہ یہ تھا کہ غوایت کے خالق حق تعالیٰ ہیں اور معتزلہ انسان ہی کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں گویا اس معاملہ میں ان کا شعور بڑا ناقص ہے کہ ابلیس تو اغواء کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر رہا ہے (فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ) اور وہ تمام افعال خیر و شر کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں۔

راستہ بہت نازک ہے اور دشمن تاک میں ہے

تو میں یہ ذکر کررہا تھا کہ عبدیت بڑی چیز ہے، اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا بہت بڑی چیز ہے اسی سے حق تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے ورنہ کبھی ساری زندگی کوشش کے بعد بھی آدمی کبروغیرہ میں مبتلا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ مستقل ایک نمبر اکرام مسلم رکھا ہے کہ کہیں کسی کی تحقیر ذہن میں نہ آئے میں اکثر ایک مثال دیتا ہوں کہ ایک آدمی جماعت میں نکلا ہے، تہجد اس نے پڑھی، ذکر اس نے کیا، فجر اس نے پڑھی، چھ نمبر اس نے سنے، اشراق اس نے پڑھی اللہ کے فضل وکرم سے رورو کر دعائیں بھی اس نے کیں، اب باہر نکل کر دیکھتا ہے کہ ایک مسلمان چارپائی پر پڑا خراٹے لے رہا ہے اس نے نماز نہیں پڑھی اب یہ موقع ہے کہ اپنے آپ پر نظر جائے اور کبر پیدا ہو، اس کی تحقیر ذہن میں آسکتی ہے اب اگر یہ تحقیر ذہن میں آسکتی ہے اب اگر یہ تحقیر آگئی تو ساری لٹیا ڈوب جائے گی، اپنے بڑوں سے سنا ہے سن لیں بہت پتہ کی بات ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی عظمت پر نظر نہیں ہوگی تو شیطان اور نفس ہمیں کوئی نیک کام نہیں کرنے دیں گے اور اگر کسی طرح کر بھی لیا تو پھر وہ محفوظ نہیں رہنے دیں گے وہ سمجھتا ہے کہ ان کو بنانا بگاڑنا بہت آسان ہے، عجب پیدا کردے گا، کبر پیدا کردے گا، اس کی طرف سے بڑی کوششیں اور بڑی چالیں ہوتی ہیں اور وہ عجیب عجیب انداز سے آتا ہے بڑا بہروپیہ ہے وہ۔

حضرت گنگوہیؒ کی غایت تواضع

حضرت گنگوہیؒ بار بار فرماتے تھے کہ میں کچھ نہیں ہوں میں کچھ نہیں ہوں کسی نے پوچھا کہ حضرت مولانا تھانویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ رائے پوری جیسے بڑے بڑے حضرات ان کی خدمت میں پہنچے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ میں کچھ نہیں ہوں تو اگر یہ سچ کہتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ وہ سب غلط کہتے ہیں اور اگر وہ سب صحیح کہتے ہیں کہ حضرت بڑے ہیں تو پھر حضرت کی بات غلط

ہے جیسے خلیفۂ وقت نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ آپ قاضی بن جائیں تو آپ نے کہا کہ میں قاضی بننے کا اہل نہیں اس نے کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں؟ تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ بات دو حال سے خالی نہیں اگر آپ کی بات سچ ہے کہ میں جھوٹا ہوں تو جھوٹا قاضی بننے کے لائق نہیں اور اگر آپ مجھے سچا سمجھتے ہیں تو مجھے معذور سمجھئے اس لیے کہ سچا آپ سے کہہ رہا ہے کہ وہ قاضی بننے کا اہل نہیں ہے۔

اس کے برخلاف ہارون رشید کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ میں نبی ہوں ہارون رشید نے کہا کہ نبی تو معجزہ پیش کرتا ہے آپ کے پاس کوئی معجزہ ہے؟ کہنے لگا ہاں! ہے، ہارون رشید نے پوچھا کیا معجزہ ہے؟ کہا میرے پاس یہ معجزہ ہے کہ میں یہ بتا دیتا ہوں کہ سامنے والے کے دل میں کیا ہے، ہارون رشید نے پوچھا کہ بتاؤ میرے دل میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کے دل میں یہ ہے کہ میں نبی نہیں ہوں۔

جیسے ایک بادشاہ کے پاس ایک آدمی نے جا کر دعویٰ کیا کہ میں نبی ہوں بادشاہ نے کہا اس کی گردن ماردو چنانچہ اس کی گردن ماردی گئی دوسرے دن ایک صاحب پہنچے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ میں خدا ہوں بادشاہ نے کہا آپ کو معلوم ہے گذشتہ کل ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کی گردن ماردی گئی آج آپ خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں انجام سوچ لیں تو وہ پوچھتا ہے کس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟ کہا فلاں شخص نے، کہا آپ نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ بادشاہ نے کہا گردن ماری، تو آپ فرماتے ہیں کہ آپ نے بالکل ٹھیک کیا اس لیے کہ میں نے اس کو نہیں بھیجا تھا۔

سارا دارومدار اخلاص پر ہے

خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ شیطان اول تو کچھ کرنے نہیں دیتا اور اگر کسی نے کچھ کرلیا تو اس کو محفوظ نہیں رہنے دیتا اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھیں

اگر آدمی نے ساری زندگی اللہ کے راستہ میں محنت کی مگر اخلاص نہیں ہے تو سب بے سود ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث مشہور ہے جس کو بیان کرنے سے پہلے وہ بے ہوش ہوگئے کہ قیامت میں تین شخصوں کو لایا جائے گا، حدیث مشہور ہے ساری دنیا کے امراء کے لیے اس میں سبق ہے، ساری دنیا کے علماء کے لیے اس میں سبق ہے اور ساری دنیا کے مجاہدین کے لیے اس میں سبق ہے کہ چاہے تم نے پوری جان دے دی ہو چاہے تم نے سارے بدن کی قوتیں اور صلاحیتیں کتابوں میں صرف کردیں چاہے تم نے سارے خزانے اور تجوریوں کے دہانے کھول دیئے مگر یہ سب اس لیے کیا تھا تا کہ یہ کہا جائے کہ تم عالم ہو تم سخی ہو تم مجاہد ہو پھر ان کا جو حشر ہو گا وہ ظاہر ہے، اس میں بڑی عبرت ہے۔

نفس کی چال

میں آپ سے نفس کی ایک چال ذکر کروں، برسہا برس مجھے بیان کرتے ہوئے ہوگئے میں آپ کا تو حال نہیں جانتا میں آپ سے اپنا حال کہتا ہوں ابھی بیان سے پہلے یہ خیال آیا کہ اچھا مضمون بیان کیا جائے کوئی شاندار بات بیان کی جائے جب مجھے یہ خیال آیا تو ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اگر منشا یہ ہے تو پھر یہ بیان کرنا اور پان پٹی کرنا دونوں برابر ہے بلکہ وہ پان پٹی زیادہ اچھی ہے اس لیے کہ یہ دنیا دین کی صورت میں ہے اور وہ دنیا دنیا کی صورت میں ہے۔

نیت گڑبڑ تو سارا معاملہ چوپٹ

دنیا صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ آدمی صورتاً دنیا دار ہو، اگر افتاء کا کام کرتا ہے اور مقصد شہرت ہے تو وہ مفتی دنیا دار ہے اگر علم پڑھتا ہے اور پڑھاتا ہے اور مقصد شہرت

ہے تو وہ دنیا دار ہے اگر کتاب لکھتا ہے اور مقصد یہ ہیکہ میری شہرت ہو تو وہ دنیا دار ہے اگر چلہ پر چلہ دیتا ہے، دور دور کے ملکوں میں نکلتا ہے اور مقصود یہ ہے کہ شہرت ہو تو دنیا دار ہے اگر نیت ٹھیک نہیں تو پھر سارا معاملہ چوپٹ ہے، بڑے مرحلے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے لکھا ہے کہ جب رذائل دور ہو جاتے ہیں تب جا کر اخلاص میں کمال پیدا ہوتا ہے مگر یہ نہیں ہے کہ اخلاص نہ پیدا ہوا ہو تو آدمی عمل چھوڑ دے بلکہ لگا رہے کرتے کرتے اور ہوتے ہوتے ایک دن حقیقت پیدا ہو ہی جائے گی اس لیے آدمی ریاء کے خوف سے عمل کرنا نہ چھوڑے جیسا کہ بعضوں نے حصول اخلاص کے انتظار میں عمل ترک کردیا، اس خیال سے کہ ریاء کے ساتھ عمل بے سود ہے جب اخلاص پیدا ہو جائے گا تب عمل کریں گے اور بعض جاہل صوفیاء نے ترک عمل ہی کو طریقت سمجھا حالانکہ یہ سب غلط ہے بلکہ آدمی عمل بھی کرتا رہے ترک عمل نہ ہو، ہاں! ترک نظر علی العمل ہو یعنی عمل پر نظر نہیں ہونا چاہئے اگر عمل کے بعد اس پر نظر ہے تو سارا کیا کرایا بیکار ہے اور اگر عمل ہی نہیں ہے تو یہ تعطل ہے اس لیے کہ ''لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ نَوْماً'' نہیں فرمایا بلکہ {لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً} فرمایا ہے معلوم ہوا کہ عمل بھی ضروری ہے اور اس پر نظر نہ ہونا بھی ضروری ہے۔

اس لیے صاف طور پر سن لیں! حق تعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہے تو جلدی کسی کے باب میں فیصلہ نہ کریں۔

علم پر غرہ نہ کریں

طلبہ! علم پر غرہ نہ کریں، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اول نمبر آ گیا تو آدمی سمجھتا ہے کہ پورے علاقہ میں مجھ سے زیادہ قابل شاید کوئی نہیں ہے دو چار لڑکوں کو مذاکرہ کرا دیا تو سمجھتا ہے کہ ہم نے بہت کچھ حاصل کرلیا بہت قابل ہو گئے، حضرت تھانوی رحمتہ اللہ

علیہ کے وصایا میں ہے کہ اہل علم کبھی اپنے علم پر نازاں نہ ہوں اس پر غرہ نہ کریں، اہل اللہ سے تعلق رکھیں، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ بغیر اہل اللہ کے تعلق کے ؎

گر ملک باشند سیاہ ہستش ورق

یعنی اگر آدمی بغیر اہل اللہ کے تعلق کے فرشتہ بھی ہو جائے تب بھی اس کا نامۂ اعمال سیاہ رہے گا۔

ہم دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں

اس لیے بے نفسی پیدا کرنے کی ضرورت ہے، کیا داعی، کیا مبلغ، کیا عالم سب کا مقصود رضائے حق ہونا چاہئے کبھی کسی پر فتویٰ نہ لگائے نہ کسی کے باب میں فیصلہ کرے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائیں احیاء العلوم جلد چہارم میں انہوں نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک بزرگ کے باب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ہیں چنانچہ ان سے کہا کہ حضرت! آپ کو میں نے دیکھا کہ آپ جنت میں تخت پر آرام سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں انہوں نے کہا کہ قریب آؤ اور اس سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے مجھے بہکانے اور غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا اس لیے اب وہ آپ کے توسط سے یہ کام لینا چاہتا ہے تاکہ میں اپنے آپ کو جنتی سمجھ لوں حالانکہ وہ سمجھتے تھے کہ خواب بشارت کی چیز ہے اگر ہم آپ ہوتے تو گردن جھکا لیتے اور کہتے کہ بس بھائی! یہ تو اللہ کا فضل ہے، اور پھر جامہ سے باہر ہو جاتے۔

خواب یقیناً نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے مگر سن لیں! محققین نے تصریح کی ہے کہ اگر بیداری کے اعمال درست ہیں اور تمام عمر میں ایک بھی اچھا خواب نہیں دیکھا یا دجال کو دیکھتا رہا تب بھی اس کا درجہ ذرہ برابر کم نہیں ہوگا، اور اگر بیداری کے حالات ٹھیک نہیں ہیں اور روزانہ نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہو تب بھی ذرہ برابر ترقی نہیں

ہوگی اس لیے کہ بیداری کے اعمال کا اعتبار ہے یہ معمولی بات نہیں ہے، ہم دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

غرض یہ کہ جو جماعت کا سلسلہ شروع ہوا ہے یہ بہت مبارک سلسلہ ہے اور دیکھئے یہ حضرات سورت سے اور پتہ نہیں کہاں کہاں سے آرہے ہیں، تشکیل دھوم دھام سے ہوگی اس لیے کہ یہ ایسے بھولے بھالے لوگ نہیں ہیں کہ ان کی تعریف کردو تو خوش ہوجائیں گے یہ تو کہتے ہیں نام لائیے، نام سے انہیں کام ہے آپ نام لکھوائیں اور یہ ریاکاری نہیں ہے یہ چاہتے ہیں کہ کھڑے ہوجاؤ! بولو، لکھواؤ، نکلو، اور بلاشبہ یہ جذبہ محمود ہے۔

طلباء کرام سے ایک گذارش

میں طلباء سے ایک بات کہتا ہوں کہ طالب علموں کو چاہئے کہ اس جماعت سے وابستہ رہیں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جماعت کا کام کرنے والوں میں کچھ کمزوریاں ہیں اور بلاشبہ ہیں جیسے ہم میں ہیں تو اس کا بہترین علاج یہی ہے کہ آپ ان سے جڑ کر کام کریں اور انہیں محبت سے سمجھائیں۔

آپ سے اپنا تجربہ ذکر کروں، چپاٹا زابیا میں ایک مقام ہے، چار ملکوں کا جوڑ ہوا دو دفعہ اس کی نوبت آئی کہ میں وہاں موجود تھا، بے چاروں نے اپنے اخلاق کی وجہ سے اور ازراہ محبت یہ کیا کہ پرانے ذمہ دار جمع ہوئے اور انہوں نے مجھ جیسے ایک ناکارہ، نااہل سے جس کے پاس نہ علم ہے نہ عمل، جس کے پاس شرمندگی کے سوا کچھ بھی نہیں، مستقل دو ڈھائی گھنٹے تک باتیں سنیں اور لکھیں اور رائیونڈ میں اس کا تذکرہ ہوا مرکز میں اس کا تذکرہ ہوا اور بزرگوں نے اطمینان ظاہر کیا، مجھے یہ بتلانا ہے کہ ظاہر ہے کہ میں چلہ کی جماعت میں نہیں تھا مگر میں نے انہیں اپنا سمجھ کر محبت اور اپنائیت کے ساتھ، خیر

خواہی اور حوصلہ افزائی کے ساتھ ان کے سامنے باتیں کیں اگر چہ بعض باتیں بہت کڑوی تھیں لیکن انہوں نے قبول کیں، اور ویسے بھی کڑوی دوا مفید ہوتی ہے۔

محبت واپنائیت سے سمجھائیں

میرے کہنے کا منشاء یہ ہے کہ اگر محبت واپنائیت کے ساتھ کہا جائے تو یہ حضرات سنتے ہیں اور استدلال بھی کرتے ہیں کہ دیکھئے اگر کسی نے حوض پر سے لقمہ دے دیا درانحالیکہ وہ جماعت سے خارج ہے اس کا لقمہ قبول نہیں کیا جائے گا اور ظاہر بات ہے کہ اگر قبول کرلیا تو امام کی بھی نماز گئی اور مقتدیوں کی بھی، اس لیے کہ نماز میں صرف آدمی کے اندر کا علم استعمال ہوتا ہے۔

حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب امانی الاحبار شارح طحاوی شریف فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ کوئی مصلی امام کو لقمہ دے تو اس سے بھی نماز فاسد ہوجائے مگر اس مقام پر نص کی وجہ سے ہم نے قیاس چھوڑ دیا یعنی چونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے اس لیے ہم اس کو اختیار کرتے ہیں ورنہ نماز میں سو فیصد اپنے اندر کا علم استعمال ہوتا ہے، تو نماز جیسا عمل جس میں انسان کے اپنے اندر کا علم استعمال ہوتا ہے اور آدمی پورے طور پر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس میں بھی اگر کوئی لقمہ دے بشرطیکہ وہ نماز میں داخل ہو تو اس کا لقمہ قبول کیا جاتا ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح محبت، اپنائیت اور اخلاص کے ساتھ آپ صحیح کڑوی باتیں بھی کہیں گے تو ضرور قبول کی جائیں گی اس لیے ضرور ان کی قیادت کیجئے مگر قیادت کا یہ مطلب نہیں کہ اپنی بڑائی ہو اگر اپنی بڑائی آ گئی تو پھر سارا مسئلہ چوپٹ ہوجائے گا اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر علم پڑھ کر تواضع نہیں آئی تو اس علم اور جہالت میں کوئی فرق نہیں۔

امیروں کے دروازوں کے چکر کاٹنا یہ علم کی اہانت ہے

اور ہاں ایک بات اور سن لیں! بعض سلف سے منقول ہے کہ پچھلے زمانہ کے علماء کے پاس سلاطین اور امراء آتے تھے اب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء امراء کے دروازوں پر پہنچتے ہیں اگر اہل علم امیروں کے دروازوں پر پہنچیں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ ہمارے پاس جو دولت ہے وہ بڑی ہے ورنہ یہ ہمارے پاس کیوں آتے اس لیے ہم اپنے بھائیوں سے کہیں گے کہ استغناء کا اہتمام کریں، فاقے کی نوبت آجائے مگر بھولے سے کسی سے سوال نہ کریں، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جیسے آدمی روزی کی تلاش میں ہے خدا کی قسم روزی بھی انسان کی تلاش میں ہے۔

حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات پھونک دی ہے ''اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا'' کہ جب تک روزی پوری نہیں ہوگی اس وقت تک کوئی نفس مر نہیں سکتا۔

یہ مشقت اور قربانی کا راستہ ہے

کہنے کا منشاء یہ ہے کہ اس راستہ میں بلاشبہ قربانی کی ضرورت ہے، طعنے، ہنسی مذاق، استہزاء، تمسخر یہ ساری چیزیں پیش آتی ہیں مثلاً رومال گر جائے تو کوئی کہتا ہے کہ تبلیغ گر پڑی، پھر اوقات آگے پیچھے ہوتے ہیں، نظام میں خلل آتا ہے، اپنی مرتب زندگی پر اثر پڑتا ہے، الغرض اس راستہ میں خون دل پینا پڑتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان مشقتوں اور جدوجہد پر ماحول کی پاکیزگی سونے پر سہاگہ ہے کہ چوبیس گھنٹے مسجد والے ماحول میں گذر رہے ہیں تہجد ہو رہی ہے، دعائیں ہو رہی ہیں، تعلیم ہو رہی ہے، فضائل بیان ہو رہے ہیں، آپس میں دین کا چرچا اور شوق، ان ساری چیزوں سے یقینا

اثر ہوتا ہے مگران تمام چیزوں کے باوجود اگر وہ اثرات مرتب نہ ہوں تو فکر کی بات ہے کہ کہیں سب کیا کرایا برباد تو نہیں ہو رہا ہے۔

اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ بے طلب لوگوں میں جائیں

وہاں جب ضرورت پیش آئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کو بھیجا گیا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے معلوم ہوا کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو جانا چاہیے، موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا (اِذْهَبْ) یہ نہیں فرمایا گیا ''اُدْعُ'' کہ ان کو بلاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام خود تشریف لے گئے، اگر آپس میں محبت کے ساتھ ملتے رہیں کہ عالم کی نظر کرم مبلغ پر ہو اور اس کے ذہن میں عالم کا احترام اور محبت ہو پھر کوئی جھگڑا اور کوئی مسئلہ ہی نہیں، آج ساری پریشانی یہ ہے کہ ہم اپنے طبقہ میں بیٹھ کر ان کی حجامت بناتے ہیں اور یہ آپس میں بیٹھ کر اس طبقہ کی حجامت بناتے ہیں اور اوپر سے ماشاء اللہ! ماشاء اللہ کرتے ہیں، اللہ نے آپ کو بہت ہی نوازا، اور خلوت میں کتنی نوازش ہو رہی ہے وہ ہم جانتے ہیں، اس سے کبھی جوڑ نہیں ہوگا، تفریق پیدا ہوگی، عداوتیں پیدا ہوں گی بے برکتی پیدا ہوگی۔

اس لیے طلباء کو چاہیے کہ اس جم غفیر کی جو الحمد للہ دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں ہے خدا اس کو اور زیادہ فرمائیں، ان میں بصیرت پیدا کریں، ان بے چارے بھولے بھالے مجاہدہ کرنے والوں کو سمجھائیں کہ کبر کیا چیز ہے؟ عجب کیا چیز ہے؟ رذائل کیا چیز ہیں؟ یہ چیزیں انہیں سمجھائیں، محبت سے بتائیں پھر دیکھئے کہ خود آپ کو کتنا نفع ہوگا؟ آپ اپنی جگہ اکڑے رہیں گے تو وہ بات نہیں پیدا ہوگی۔

اہل علم اپنے اندر صفات پیدا کریں، اپنا جائزہ لیں

عالم کو چاہیے کہ وہ مسکنت، تواضع اور محبت کے ساتھ پیش آئے اور جو بات کہنی ہے وہ کہے، وہ ضروری نہیں کہ جہاں جائیں آپ تعریف ہی کرتے رہیں کہ عوام خوش ہوجائیں، نہیں، نہیں! یہ غلط ہے اور یہ بھی اس کو سمجھتے ہیں، آپ خالی خالی تعریف کریں گے تو جماعت والے اس کو بھی سمجھتے ہیں وہ اتنے بھولے بھالے مسکین نہیں ہیں ان میں بڑے بڑے تاجر اور ہوشیار ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ مولانا ہم کو خوش کر رہے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ ضروری بات ہونی چاہیے لیکن محبت سے، حکمت سے، میرے الفاظ یاد رکھئے! ضروری بات ضرور کہیے لیکن محبت اور حکمت کے ساتھ اور خود بھی کام کر کے دکھلا یئے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابھی آپ چھٹی میں جائیں گے لوگ کہیں گے مولانا! ذرا بیان کیجئے! آپ کہیں کہ سر میں بہت درد ہے، آئے کہاں سے "ترکیسر" سے تب تو ترکِ سر "دردِ سر" ہوجائے گا، "کنتھاریہ" سے گئے اور لوگوں نے کہا مولانا! بیان کیجئے! تو آپ "القارعہ" یعنی بیان کرنا ہمارے لیے قیامت ہے یہ شکل ٹھیک نہیں ہے، کام کرتے رہنا چاہیے یہ بیچارے ان پڑھ، بے علم کوششیں کر کے مسجدیں بھر دیں، اور واقعہ یہی ہے جو بات کہنے کی ہے وہ تو کہی جائے اور ہمارا حال یہ ہے کہ کبھی بھولے سے تبلیغ نہیں کرتے کسی کو نمازی بنانے کی کوشش نہیں کرتے ہم میں جو کمزوریاں ہیں وہ ہمیں سمجھنی چاہیے، اور دیکھئے! دنیا میں انسان کا سب سے بڑا ترجمان اس کا عمل ہے، عمل بہت بڑی چیز ہے۔

دعوت کو اپنی ذمہ داری سمجھیں

اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ اپنی اپنی جگہوں پر اپنے اپنے علاقوں میں ترتیب کے ساتھ اس کام میں جڑنے کی کوشش کریں، نظام الاوقات بنایئے، اور دیکھئے! یہ ضروری نہیں کہ آپ کرسی پر بیٹھ کر دھوم دھام سے "نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ" پڑھیں اور پھر اس کے بعد وعظ کریں، نہیں، بستی میں دو جوان مل گئے آپ

ان کا ذہن بنایئے، ان کو دین کی طرف متوجہ کیجئے، چار، پانچ آدمی مل جائیں انہیں دین سمجھائیں، ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ملازمت کرتا ہے تو اس کا ذہن دینی بنایئے۔

باطل اپنے مشن میں چاق وچوبند ہے

انگریز اپنے مشن کے لیے دیہاتوں میں پڑے رہتے ہیں، آپ جھرنا کے قریب جایئے تو ان کا مشن وہاں کام کر رہا ہے وہ وہاں پڑے ہوئے ہیں، پیچ پاڑا جونواپور کے قریب ایک بستی ہے وہاں پر ان کا مشن کام کر رہا ہے، چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں وہ اپنے مذہب کی تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ وہ ٹھاٹ باٹ سے رہنے والی قوم ہے، صرف اپنے مذہب کے پرچار اور اشاعت کے لیے وہ محنت اور کوشش کر رہے ہیں، ایسے ایسے جنگلات میں جہاں معمولی قسم کے، تھرڈ ڈیژن اور بیک ورڈ کلاس کے لوگ بستے ہیں وہ اپنے مذہب کو عام کرنے کی سعی اور کوشش کر رہے ہیں اب اگر ہمیں اس کی طرف توجہ نہ ہو تو یہ ہماری اپنی کمزوری ہے۔

حضرت تھانویؒ کی قیمتی نصیحت

حضرت والا تھانویؒ جنہوں نے اتنی تصانیف لکھیں اور ایسے ایسے افراد تیار کئے، فرماتے تھے کہ علماء کو چاہیے کہ دیہاتوں میں پہنچیں اور ان کو دین سمجھائیں، لہٰذا چھٹیوں کے زمانہ میں اپنا نظام بنائیں اور اس سے انشاء اللہ طلب علم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کتاب اپنے ساتھ رکھئے، آدمی کے لیے بہترین ساتھی کتاب ہے، اگر اس سے شغف پیدا ہو گیا تو بہت اچھی بات ہے، اور اگر اس سے شغف نہیں ہے تو پھر اللہ سے دُعا کیجئے۔

ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھالیں

کہنے کا منشاء یہ ہے کہ ان سے وابستگی رکھئے، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے نہ نکل سکیں تو

محبت سے، اخلاص سے، ہمدردی سے سمجھا دیں، ہم لوگوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھالیں، آج امت اسی لیے برباد ہو رہی ہے، آج اس ملک میں مسلمان بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں مگر ان میں آپس میں جوڑ نہیں ہے اس کی وجہ سے جتنے نقصانات ہو رہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں، میں ان حضرات سے کہوں گا ان کو اپنا مقتدا اور اپنا بڑا سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ یہ لوگ دین کے اہم کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔

اعتراضات سے جوڑ نہیں پیدا ہوتا ہے

اور علماء کرام کو چاہیے کہ ان پر نظر شفقت کریں، ان کی حوصلہ افزائی کریں، اگر بن سکے تو ضرور ان کے ساتھ وقت لگائیں اور مناسب انداز سے اصلاح کریں اگر یہ اُن کا اکرام کریں گے اور یہ ان کا اکرام کریں گے اور ایک دوسرے کو اپنا سمجھیں گے تو آپ یقین مانئے اس کی بڑی برکت ہوگی، بڑی خیر ہوگی، اور میں جو جملے کہہ رہا ہوں اس سے کس کو اختلاف ہوسکتا ہے؟ یہ تو ایک موٹی سی حقیقت ہے، اس میں اختلاف کا سوال ہی نہیں، اور اگر ہم آپ پر چوٹ کریں اور آپ ہم پر چوٹ کریں تو اس سے کبھی مسئلے نہ حل ہوئے نہ ہوں گے اس سے کبھی دلوں کا جوڑ نہ ہوا نہ ہوگا اس لیے کہ ہر شخص کے پاس زبان ہے وہ چلے گی، اگر ہم چاہیں ہزاروں قسم کے اعتراضات کر سکتے ہیں، دوسرا کھڑا ہوگا وہ ہزاروں قسم کے اعتراضات کرے گا یہ طریقہ بالکل غلط ہے اگر کسی داعی میں کمزوری دکھائی دے تو اسے بیان کرنے اور عام کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر کسی عالم میں کوئی بات دیکھ لیں تو اس کو بھی سارے عالم میں کہتے پھرنے کی ضرورت نہیں سن لیں میرے الفاظ اگر کسی عالم سے کوئی غلطی ہو جائے تو پورے عالم میں بیان نہ کیا جائے اور اگر ان حضرات سے جہل یا کم علمی کی وجہ سے کوئی بات ہو جائے تو یوں سمجھیں کہ ان پڑھ ہیں، ہم سے غلطی ہوتی ہے ان سے بھی ہوگئی، شفقت اور محبت سے

سمجھائیں، سینہ بڑا رکھیں، اللہ نے آپ کو علم دیا ہے، اللہ نے آپ کو ایک منصب دیا ہے ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک حیثیت دی ہے، آپ ان کو حقارت اور ذلت کی نگاہ سے کبھی نہ دیکھیں بلکہ یہ سمجھیں کہ ہوسکتا ہے خدا کو اس کی یہ ادا پسند آجائے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بیڑہ پار ہوجائے اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں ہم سے کوئی اگریمنٹ تو نہیں ہوا کہ ہم عالم فاضل ہیں اس لیے جنت ہمارے لیے ہے۔

آج جوڑ پیدا کرنے کی بڑی ضرورت ہے

الغرض یہ بھی ہونا چاہئے وہ بھی ہونا چاہئے ، دونوں چیزیں ضروری ہیں ، جب میرے پاس یہ دعوت پہنچی کہ یہاں کچھ بات کرنی ہے تو آپ ان سے پوچھ لیجئے جو آئے تھے میں نے بغیر کسی تامل کے فوراً منظور کرلی ، حالانکہ اپنی علالت کی وجہ سے تقریباً تین چار مہینوں سے سفر وغیرہ گویا موقوف ہے مگر صرف یہ سوچ کر کہ اگر ہم اس خاص شان کا مجاہدہ نہیں کرسکتے تو کم از کم یہی ہو کہ ان سے جوڑ ہو ان سے محبت ہو ان کو طریقہ سے کوئی بات سمجھائی جائے آج اس کی بڑی ضرورت ہے۔

میں ان طلبہ سے انہیں اپنا بھائی سمجھ کر بلکہ بڑا بھائی سمجھ کر (ویسے عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں) بطور مشورہ یا بطور عرض اور گذارش کے یہ کہوں گا کہ جماعت سے وابستگی رکھیں ، ہوسکے تو ضرور وقت لگائیں ، محبت سے ، حکمت سے سمجھائیں انشاء اللہ بڑا نفع ہوگا ، اور اس کی وجہ سے وہ بھی متوجہ ہوں گے ، مائل ہوں گے ، اور اس سے فارغ ہوجائیں کہ دنیا قدر و قیمت نہیں پہچانتی ، اب ایک بات سنا کر ختم کرتا ہوں جو اکثر سنایا کرتا ہوں اس کے بعد تشکیل ہوگی انشاء اللہ۔

اگر آپ کو کوئی بھی نہیں مانتا تو فکر نہ کریں مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ دینی دعوت کے لیے زانی قسم کی عورتوں کے پاس جاتے

ہیں، اوباشوں میں آپ جاتے ہیں یہ آپ کے علمی وقار کے خلاف ہے۔

مجاہد جلیل پر خدا کی خاص رحمت

کیا شاندار جواب دیا، اللہ اپنی خاص رحمت نازل کرے اس مجاہد جلیل پر، انہوں نے جواب دیا کہ اسماعیل کا وقار؟ مجھے گدھے پر دم کی طرف منہ کر کے بٹھا دیا جائے اور اسماعیل کا چہرہ کالا کر دیا جائے اور لڑکے پیچھے لگائے جائیں جو اس کا مذاق اڑاتے ہوں اس پر پھبتیاں کستے ہوں اور اسے شہر میں گھمایا جائے اور اسماعیل یہ کہتا ہو کہ قال اللہ کذا......وقال الرسولؐ کذا......خدا کی قسم! یہ ہے اسماعیل کی عزت عزت کیا چیز ہوتی ہے؟ وقار کیا ہوتا ہے؟ اس اخلاص اور عظمت دین کا یہ اثر ہے کہ آج ان کا نام آتا ہے تو قلوب عظمت سے لبریز ہو جاتے ہیں۔

اگر دنیا آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھے تو فکر کی بات نہیں لوگوں نے انبیاء کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھا ہے مگر انجام کیا ہوا وہ بھی دنیا نے جان لیا فرعون کے سامنے جب موسیٰ علیہ السلام نے دین کی بات رکھی تو اس نے آپ کا مذاق اڑایا اس نے کہا {أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا} [سورۂ شعراء:۱۸] جیسے ہم کہتے ہیں کہ تو ہمارے سامنے کا چھوٹا بچہ تھا اور ہمارے سامنے بولتا ہے؟ فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تمھیں نہیں پالا جب تم چھوٹے سے تھے، اور پھر ہمارے سامنے بات کرتے ہو؟ یہ منہ اور مسور کی دال؟ مگر دنیا نے دیکھا کہ کلیم اللہ کامیاب رہے اور باقی رہے اور فرعون ڈبو دیا گیا۔

یہاں بھی آپ دیکھئے کہ وہ صنادید قریش محروم رہے ان کا ذکر تک باقی نہیں اور ایک نابینا کا ذکر قرآن مجید میں قیامت تک موجود رہے گا جب حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تو حضور ﷺ ان کا اکرام فرماتے ان کے لیے چادر بچھا دیتے اور فرماتے کہ ''مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِيْ فِيْهِ رَبِّيْ'' اس کا آنا مبارک ہو جس کے باب

میں میرے رب نے مجھے تنبیہ فرمائی اور عتاب فرمایا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

ہمارے طلبہ احساس کمتری کے شکار ہیں

حق یہ ہے کہ ہم کچھ نہیں ہیں لیکن خدا سے تعلق ہو جائے تو پھر سب کچھ ہیں اس لیے طلبہ سے کہوں گا کہ اولوالعزمی پیدا کریں، آج ہم میں احساسِ کمتری پیدا ہو گیا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہم کیا ہیں کچھ نہیں ہیں جہاں کوئی سوٹ بوٹ والا آ گیا اور اس نے دو چار انگریزی لفظ بول دیے تو بس ہمیں اپنی کمی محسوس ہونے لگتی ہے، یہ کوئی بات ہے؟

امام احمد بن حنبلؒ کے بیٹے کہتے تھے کہ ہمارے والد دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل وکرم سے احمد بن حنبل کی پیشانی کو غیروں کے آگے جھکنے سے محفوظ رکھا ہے اپنے لطف وکرم سے ہمارے ہاتھوں کو غیروں کے آگے پھیلنے سے محفوظ رکھ، کیسی پیاری دعا ہے۔

اپنے اندر کوئی کمال پیدا کیجیے

ہم اپنے مقام کو پہچانیں، ہم سمجھیں کہ ہم پر اللہ کا بڑا کرم ہے جب ہم پیدا ہوئے تھے خدا کی قسم اس سرزمین پر کتنے لوگ پیدا ہوئے تھے اللہ نے ہمیں دین کے لیے منتخب فرمایا کتنے لوگ دنیا میں مشغول ہیں کوئی موٹر ڈرائیونگ کر رہا ہے کوئی کچھ کر رہا ہے کوئی کچھ، بہر حال دنیا مختلف کاموں میں لگی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ کو اپنی عظیم کتاب اور اپنے رسول پاک ﷺ کے ملفوظات کے لیے منتخب فرمایا یہ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ان مدارس میں بھیجا، اگر ہم یہاں سے بن کر نکلیں گے تو شروع میں حالات آئیں گے مگر آپ یقین مانئے کہ دنیا مجبور ہوگی اور جھک مار کر قبول کرے گی اپنے اندر کوئی کمال پیدا کیجیے، یہ ظاہری کروفر کچھ نہیں ہے ہم یہ سوچ لیتے ہیں کہ بہت شاندار

لباس ہو، یہ ہو وہ ہو، یہ بالکل غلط ہے دیکھو! اس زمانہ میں شہروں میں کپڑے کرائے سے ملتے ہیں یہ بھنگی اور چمار جن کو آج اس لقب سے ملقب کرنا دشوار ہو گیا ہے ایسی بڑی بڑی شخصیات شام میں دو کانوں پر جاتی ہیں کرائے کا ڈریس لیتی ہیں اور اس طرح نکلتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے پرائم منسٹر یہی ہیں حالانکہ ہیں تو بے دال کے بودم۔

اپنے کو مٹائیں گے تو......

بس اس کی کوشش کی جائے کہ کچھ جوہر پیدا ہو، خوب کتابیں دیکھئے، اللہ سے لو لگایئے اور زیادہ سے زیادہ اہتمام اس کا کیجئے کہ خدا سے تعلق پیدا ہو جائے، اور اسی لیے یہ جماعت آئی ہے یہ آپ سے مطالبہ کریں گے کہ اپنے نام پیش کیجئے، آپ شوق سے نام لکھائیں اور اسی طرح اوقات گذاریئے کہ یہ جماعت ہمیشہ یاد رکھے کہ فلاں مدرسہ کا طالب علم ہمارے ساتھ تھا عجیب اس کی زندگی تھی، عجیب ان کی تواضع تھی، اس میں عجیب سادگی تھی عجیب محبت سے وہ ملتا تھا، لوگ آپ کو یاد کرتے رہیں، اپنے کو مٹایئے جب آپ اپنے کو مٹائیں گے تو خدا تعالیٰ خود اٹھائیں گے، اپنے کو جھکایئے، خدا سرفرازی عطا فرمائیں گے اخلاص کا اہتمام کیجئے کتابیں ساتھ رکھئے، کتابیں دیکھئے علم پر بالکل اثر نہیں پڑے گا، ایک نظام کے ساتھ اور اوقات کی حفاظت کے ساتھ زندگی گذاریئے اپنے گھر والوں اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق ضرور ادا کیجئے۔

یہ حضرات یہ نہیں کہتے کہ بس! سارا ہی وقت اس میں صرف کر دیں یہ دس مہینے جو آپ نے مدرسہ میں گذارے یہ بھی اللہ ہی کے راستے میں ہیں، قرآن کریم میں ہے { لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ } [سورۂ بقرہ : ۲۷۳] آپ لوگ بھی دار الاقامہ میں محصَر ہیں کچھ سمجھ میں آتا ہے؟ آپ لوگ دار الاقامہ کے اندر محصَر ہیں اور محصَر ہونے کے باوجود فی سبیل اللہ ہیں اور ترمذی شریف کی حدیث ہے

''مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

بے عیب صرف خدا کی ذات ہے

آپ بھی اللہ ہی کے راستے میں ہیں یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ بھی خدا ہی کا راستہ ہے، ایک صاحب کہنے لگے کہ مدرسہ خدا کا راستہ نہیں، نکلنا خدا کا راستہ ہے، میں نے کہا کہ آپ اپنے لاشعور سے شعور کی طرف نکلیں یہ بھی خدا ہی کا راستہ ہے، ہاں یوں کہئے کہ نوعیت الگ ہے، آپ کبھی بھولے سے یہ نہ کہنا اور اگر ایسا ہے تو پھر یہی ہوگا کہ وہ ان پر کیچڑ اچھالیں اور یہ اُن پر کیچڑ اچھالیں، میں نے اتنی دیر تک آپ کا سر کھایا اور یہ کہا کہ جوڑ پیدا کریں، محبت پیدا کریں، کیچڑ اچھالنے کی ضرورت نہیں، دیکھو کمزوری سے کوئی خالی نہیں، میں نے ابھی کہا کہ زبان ہمارے پاس بھی ہے، یہ صحیح طریقہ نہیں، دل وسیع کریں، محبت کے ساتھ سمجھائیں اور لگنے کی کوشش کریں انشاء اللہ بڑا افاقہ ہوگا۔

یقیناً تبلیغی کام میں بڑی برکت ہے اس میں بڑے فائدے ہیں اور اس وقت حق تعالیٰ کی خاص قسم کی رحمت اس کے ساتھ ہے۔

تبلیغ والوں کی قابل تعریف دُھن

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان حضرات کی دھن قابلِ تعریف ہے، ایسی دھن کہ نہ بارش نہ گرمی نہ سردی نہ کڑکی نہ حالات نہ مخالفت نہ اعتراض، کسی چیز کی پرواہ نہیں بس ایک سودا سوار ہے، وہ سودا بڑا مبارک ہے، بعض دفعہ حدود کی معرفت نہیں ہوتی مگر سودا مبارک ہے، اگر ہم حدود کی معرفت کے ساتھ وہ سودا پیدا کرلیں تو کام بن جائے گا، ہوتی ہیں کمزوریاں، کس میں نہیں ہے کمزوری؟ کیا ہم آپ معصوم ہیں ہم میں بھی بہت کمزوریاں ہیں۔

ایک واقعہ سناؤں، ایک بزرگ کے پاس ایک آدمی رہتے تھے جب وہ جانے لگے تو رونے لگے انہوں نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو؟ کہا حضرت! میں آپ کی خدمت میں تھا جب کوئی قصور ہوتا، کوئی غلطی ہوتی تو آپ تنبیہ فرماتے، اصلاح فرماتے، پکڑ فرماتے اور اب کوئی تنبیہ کرنے والا، اصلاح کرنے والا نہیں، انہوں نے کہا یہ مت کہئے ، ابھی تک تو ایک آدمی تھا جو آپ کی غلطیوں کو دیکھتا تھا آپ جب قوم کے پاس جائیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ مولانا کا رکوع کیسا ہے؟ اور سجدہ میں ہاتھ یوں ہیں یا یوں ہیں؟ وضو میں انگلیوں میں خلال کیا یا نہیں کیا؟ ایک ایک بات پر ان کی نظر ہوگی، بالکل ایسا محاسبہ کریں گے جیسے وہ مصیطر (مسلط) ہیں وہ کہیں گے کہ یہ مولوی ہو کر ایسا کرتا ہے۔

اور دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں مولوی کی عظمت ہے تبھی تو وہ ایسا کہہ رہے ہیں کہ مولوی ہو کر ایسا کرتا ہے؟ اسے آپ ذرا سوچیں، لوگ کہتے ہیں مولوی ہو کر ایسا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا درجہ ان کے ذہنوں میں ہے اس لیے اس کی کوشش کیجئے کہ وہ درجہ برقرار رہے اور بڑھے اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ اپنے کو اٹھانا ہے بلکہ طبقہ کی عظمت کا خیال رہے، سنبھل کر رہیں، ہزاروں تنقید کرنے والے ملیں گے۔

مقصود اللہ کی رضا ہو

اور یہ دل سے نکال دو کہ لوگ ہم کو چاہتے ہیں اور بڑا سمجھتے ہیں عجیب دور آیا ہے، لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں چھوڑا، حدیث میں ہے ''يُؤْذِيْنِيْ ابْنُ آدَمَ'' ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے، لوگوں نے نبیوں کی مخالفت کی، اس لیے اس سے بھی فارغ ہو جائیں، حق شناسی، حقیقت شناسی اور بےنفسی پیدا کریں پھر ہر کام کریں، اور یہ ذہن میں رہے جماعت ہو یا مدرسہ ہو مقصود اللہ کی رضا ہے، ہر شخص اس کا مکلف ہے کہ جو خدا

ورسول کا منشا ہے اس کو پورا کرے انہوں نے جو احکام دے دیئے ہیں ہمیں انہیں ماننا ہے اور جن سے روکا ان سے رکنا ہے۔

میں نے سب باتیں بالکل وضاحت سے کہہ دیں ان میں کوئی چکنی چپڑی بات نہیں، صاف صاف اور واضح باتیں ہیں اگر آپ کو کسی بات پر کلام ہو تو بعد میں مل لیں اور اشکال دور کرلیں، صحیح بات یہ ہے کہ اس وقت میرے سامنے طلبہ ہیں میں انہی میں رہتا ہوں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوں اور بات کر رہا ہوں اس لیے کھل کر اور اپنا سمجھ کر بات کر رہا ہوں اور یہ جماعت والے بھی مجھ سے محبت رکھتے ہیں اس لیے ان کو تو کبھی کبھی کچھ باتیں سنا ہی دیتا ہوں۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کسی کو ماننا اور دل سے ماننا بہت بڑی بات ہے، یہ جملے یاد رکھنا، کسی کو ماننا اور دل سے ماننا بہت بڑی بات ہے، فرماتے تھے کہ اعتقاد ہوتا ہے اعتماد کے لیے اور اعتماد کے لیے ظرف چاہیے اور آج کم ظرفی کا دور ہے۔

غیر کھائے جارہے ہیں

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ آدمی بے نفسی پیدا کرے آج سارے جھگڑے اسی کے ہیں، اللہ پاک ہم لوگوں میں محبت پیدا فرمائیں، دلوں کا جوڑ دیں، ہم ایک دوسرے کو اپنا سمجھیں، جب ہم امت کے اس تشتت کو دیکھتے ہیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے غیر کھائے جارہے ہیں اور سر پر چڑھے جارہے ہیں اور ہمیں لڑنے سے فرصت نہیں!

اس لیے اللہ سے دُعا کیجئے کہ امت میں محبت اور جوڑ پیدا فرمائیں اور ہم دین کی عظمت کو سمجھیں دین کے تقاضوں کو سمجھیں ایسا نہ سمجھیں کہ جو نکلتے ہیں یہ انہی کا کام ہے،

ہم فارغ ہیں، یا یہ لوگ سمجھیں کہ جو پڑھتے ہیں یہ انہی کا کام ہے فارغ ہیں، نہیں! نہیں! جو خدا اور رسول کے احکام ہیں وہ ہم سب پر لازم ہیں، ہم سب اس کے بندے ہیں ہاں! اگر کوئی بندگی سے نکل جائے تو وہ الگ بات ہے پھر کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔

جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

اس لیے اپنے نام لکھوائیں اور اس طرح سے آپ اپنے اوقات کو گذاریں کہ یہ حضرات آپ سے فائدہ اٹھائیں اور خود آپ کو بھی نفع ہو آپ میں پابندی آئے، اور دیکھو! ایک بات سن لو یہ طلبہ بچے ہیں قوم ہی کے بچے ہیں، آسمان سے اترے نہیں ہیں، یقیناً ان میں کمزوریاں ہوں گی اب وہ کمال کا دور نہیں ہے کہ جو بھی مدرسہ سے نکلتا تھا وہ صاحب نسبت ہوتا تھا، اس لیے ہمیں بھی اپنا ظرف بڑا رکھنا ہے کہ بچے ہیں، ہوتی ہے بھول ہوتی ہے کمزوری ؂

آتے آتے آئے گا ان کو خیال اور جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

یہ ظرف ہم میں بھی ہونا چاہیے، اس لیے ہم طلبہ سے کہیں گے کہ ضرور نام لکھوائیں یہ نہ سوچو کہ ہم دس مہینوں سے گھر سے باہر ہیں اور اب یہ آ کر کہتے ہیں کہ گھر مت جاؤ جماعت میں نکلو۔ یہ حضرات آپ کی خیر خواہی اور ہمدردی میں کہہ رہے ہیں، اس لیے ہمت کریں اور اپنے نام لکھوائیں۔ تشکیل کے بعد دعا پر بیان ختم ہوا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان..........۴۰

دو بڑے حریص

{خطاب}

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب نور اللہ مرقدہٗ

حضرت اجمیریؒ کا یہ بیان دار العلوم ترکیسر کے جلسہ کے موقع پر ہوا، جس میں طلبہ کے سامنے مفید باتیں پیش کی، مواعظ شیخ اجمیریؒ سے اس کو لیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

دو قسم کے حریص ایسے ہیں جن کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا ہمیشہ وہ طلب میں ہی رہتے ہیں ''طالب الدنیا وطالب العلم'' ایک تو دنیا کا طلب کرنے والا اور دوسرے دین کا طلب کرنے والا، یہ آپ ﷺ نے خبر کی صورت میں فرمایا، اور واقعۃً حقیقت یہی ہے کہ جو لوگ دین سے تعلق رکھتے ہیں وہ یہی چاہتے ہیں کہ دینی باتیں سنا ہی کریں۔

پیرا گراف از بیان حضرت مولانا محمد رضا اجمیری نور اللہ مرقدہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ... اَمَّا بَعْدُ!

خطبہ مسنونہ کے بعد!

دو بڑے حریص

یہ آپ حضرات نے حضور پاک ﷺ کی حدیث کا ایک ٹکڑا سنا اس میں یہ مضمون ہے کہ دنیا میں دو قسم کے حریص ہیں اور ان دونوں کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا ہمیشہ وہ طلب میں ہی رہتے ہیں ''**طالب الدنیا وطالب العلم**'' ایک تو دنیا کا طلب کرنے والا اور دوسرے دین کا طلب کرنے والا، یہ آپ ﷺ نے خبر کی صورت میں فرمایا، اور واقعۃً حقیقت یہی ہے کہ جو لوگ دین سے تعلق رکھتے ہیں وہ یہی چاہتے ہیں کہ دینی باتیں سنا ہی کریں، یہ حدیث اس وقت مجھے یاد آ گئی، اتنے حضرات نے آپ کے سامنے تقریریں کیں اور بچوں نے بیانات دیئے، کب سے آپ کے سامنے بڑے اچھے قیمتی قیمتی مضامین پیش کئے لیکن ابھی تک آپ کا پیٹ نہیں بھرا، یہ وہ چیز ہے جن سے پیٹ بھرتا ہی نہیں ورنہ کب کے اعلان کرتے کہ مولوی صاحب ہم لوگ تو تھک گئے

پیٹ خالی ہے کب سے بیٹھے ہوئے ہیں مگر یہی چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ اور مل جائے۔

اظہار حقیقت

بہر حال مجھے تو بیان کرنے کا کوئی خاص ارادہ نہیں تھا جناب مہتمم صاحب مولانا عبداللہ صاحب مدت فیوضہم بہت ہی کرم فرما ہیں انہوں نے بہت ہی زور لگایا اور یہ پہلے سے محبت رکھتے ہیں، یہ مدرسہ یہ مسجد سب میرے سامنے وجود میں آئے اور میں قریب قریب ہر موقع پر شریک ہوتا ہی رہا، ان کی مخلصانہ خدمتیں ہیں اور دین کے بارے میں ان کی جو کوششیں ہیں وہ سب کو معلوم ہیں لہٰذا اب ان کی بات کیسے رد کی جاسکتی ہے اس لیے ان کی فرمائش پر حاضر ہوا ہوں۔

چراغ تلے اندھیرا

آپ حضرات بڑے خوش قسمت اور سعادت مند ہیں، یہاں ترکیسر کے چند باشندوں سے اللہ تعالیٰ نے نور کا چشمہ بڑی ہی قوت وطاقت کے ساتھ جاری کر دیا اور یہاں سے نور کے چراغ لے کر کہاں کہاں جاتے ہیں یہ آپ جانتے ہی ہیں، امریکہ پہنچتے ہیں افریقہ پہنچتے ہیں لندن پہنچتے ہیں اور وہاں دین کی باتیں پہنچاتے ہیں لیکن یہاں خاص طور سے زیادہ اثر نہیں ہوا اور اس کے بڑے بڑے علماء اور بڑے بڑے مشائخ دنیا میں پھیل گئے، تو یہ اس سرزمین کی بڑی سعادت مندی ہے یہاں کے باشندوں کی بڑی سعادت مندی ہے اور بڑی نعمت ہے۔

ایک مسلم حقیقت

یاد رکھو بھائیو! تمھارے سامنے علم قرآن آ گیا ہے اور اعلان ہو رہا ہے کہ اس کو پھیلاؤ، کون ہے جو جنت کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے؟ کون ہے جو جنت میں جانا چاہتا ہے

؟ کون ایسا بد بخت ہوگا جو یہ کہے کہ مجھے نہیں جانا ہے، اگر جانا ہے قرآن پاک پڑھو، سمجھو اور اس پر عمل کرو، یقین کرو اس وقت دنیا کے کسی کونے میں قرآن پاک کی طرح علوم ،اس کی طرح کوئی کتاب کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا، ایسی کتاب جو ہر قسم کی غلطیوں سے اور ہر قسم کے شبہات سے پاک ہو ایسی کوئی کتاب دنیا کی قومیں پیش نہیں کر سکتیں۔

قرآن کا مطالبہ

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، اس کو کوئی غلط نہیں قرار دے سکتا، اس میں کچھ ملا نہیں سکتا، آپ کے پاس قرآن پاک بالکل صحیح اور صاف ہے وہ قرآن پاک آپ کو بتلاتا ہے کہ تم یہاں دنیا کے اندر رہتے ہو یہ چند دن کی زندگی ہے اس زندگی کو اگر کارآمد بنانا ہے اور جنتی بنانا ہے تو قرآن پاک پڑھو اور اس کے مضامین سمجھنے کی کوشش کرو اور پر عمل کرو یہ بڑی سعادت مندی کی بات ہوگی ،قرآن پاک کا مطالبہ ہے کہ پڑھو اور پھر یہاں قرآن پاک کے لیے اتنا بڑا ادارہ قائم کرلیا گیا ہے کیا یہ آسان بات ہے؟ کہاں کہاں سے لوگ یہاں آکر فیض حاصل کرتے ہیں ،یہاں کے باشندے قابل ہیں کہ وہ شکر ادا کرتے رہیں اور اس ادارہ کو بڑی محبت کی نگاہوں سے دیکھیں۔

قرآن ہدایت ورحمت کی کتاب ہے

یاد رکھو! کیونکہ اس کا تعلق ایمان سے ہے، قرآن پاک کی طرح کوئی کتاب اس دنیا میں نہیں ہے بلکہ جنت میں بھی نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کی آیتیں حکمتوں سے بھری ہوئی ہیں ،مؤمنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے {تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱} [سورۂ یوسف:۱] واضح کتاب کی آیات ہیں {ھدی} بڑی ہدایت دینے والی کتاب ہے، رہنمائی کرنے والی کتاب ہے {للمتقین} کن لوگوں کی؟ جوا

یمان بالغیب رکھتے ہیں، آخرت پر ایمان مسلمان کے سوا کوئی نہیں رکھتا، یورپ کی کوئی حکومت مؤمن نہیں ہے دنیا کی تمام حکومتیں اسلام سے دور ہیں اسلام کی دشمن ہیں مخالف ہیں، مؤمنین ہی قرآن پاک کو مانتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

ہر ایک کا فریضہ

یاد رکھو یہ چیز دنیا کی کسی قوم کے پاس نہیں ہے، تمہارے ذمہ ہے کہ اس کو سب تک پہنچادو، حضور پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''**بلغوا عني ولو آية**'' مجھ سے ایک بات بھی سنو تو دوسروں تک پہنچادو، یہ تو دنیا کے طالب دنیا میں لگے ہوئے ہیں، چند روز کھانے پینے مل جائے گا لیکن مرنے کے بعد پتہ نہیں کس کو کہاں جانا ہے، لوگ غافل پڑے ہوئے ہیں گویا ان کو کچھ راستہ ہی نہیں معلوم۔

قرآن اور اس کا علم کام آئے گا

اس وقت حالات پر نظر ڈالیں، کوئی اس کا قائل نہیں ہے ماننے والا نہیں ہے شاذ و نادر ہی ہوں گے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب دی ہے اس کی ہر ہر سطر آپ کو جنت کی رہنمائی کرتی ہے، اس کی ہر ہر سورت آپ کو جنت کی تفصیل بتلاتی ہے، اس کا ہر ہر جملہ آپ کو زمین کی پستی سے اُٹھا کر جنت کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے، علماء کرام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی دولت دی ہے وہ آپ کی خدمت میں یہ نعمت پیش کرتے ہیں رات دن اسی میں مصروف ہیں، دنیا کی دولت کو کیا کرو گے وہ تو بڑے بڑے دولت منداس دنیا سے چلے گئے ان کی دولت انہیں روک نہ سکی اور نہ کچھ بھی فائدہ پہنچا سکی، نہ ان کی دولت کام آتی ہے نہ مال کام آتا ہے، یہی کتاب اور اس کا علم کام آتا ہے، اللہ نے آپ کو جنت کی کتاب دی اور جنت کا راستہ بتلا دیا، آپ کے ان علماء کرام نے کئی کئی سال اسی کی مشق

کی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی دولت عطا فرمائی ہے، انہوں نے محنتیں کر کر کے یہ نعمت آپ کی طرف منتقل کر دیں۔

قرآن سے سکون ملتا ہے

اب یہ آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اس نعمت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دوسرے کو بھی اس سے فائدہ پہنچائیں، قرآن پاک آپ کو آ گیا اور آپ اس سے مستغنی ہو جائیں یہ غلط بات ہے، آپ نے قرآن پاک کی قدردانی نہیں کی تو خسارے میں رہو گے، اس کی تلاوت سے سکون ملتا ہے، ہمارے پاس لکھ پتی آتے ہیں کہ صاحب رات کو نیند نہیں آتی، کیوں نہیں آتی؟ بس ایسے ہی فکریں رہتی ہیں، ارے لاکھوں روپے ہیں اور مالدار ہیں پھر کیسی فکریں! معلوم ہوا کہ دین سے زیادہ تعلق نہیں ہے، اللہ کو خوب یاد کرو اس کے بعد نیند آ جائے گی، نیند نہیں آتی تو بستر پر بیٹھے بیٹھے سبحان اللہ کی تسبیح پڑھا کرو تھوڑی دیر میں نیند آ جائے گی ان شاء اللہ۔

نام نہیں کام روشن ہونا چاہیے

مولانا کے عنایت فرمانے سے اور آپ کی اس بستی کی سعادت مندی کی وجہ سے اور پہلے سے یہاں تعلقات کی وجہ سے یہ باتیں عرض کر رہا ہوں یہاں اتنا بڑا دینی ادارہ ہے چند سال پہلے تو کچھ بھی نہیں تھا، ابھی یہ چند سالوں میں بڑا ادارہ بن گیا یہ آپ کی پوری بستی کا ادارہ ہے یہاں کا ایک آدمی جائے گا تو آپ کی پوری مانگ کو لے کر دنیا میں پھیلائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا کہ اس نے اس ادارہ کو قائم فرمایا اور اس کو اچھے اچھے علماء کرام و مقررین عطا فرمائے جو دور دراز سے آئے ہیں جن سے آپ کا نام بھی روشن ہوتا ہے، نام روشن ہو یا نہ ہو لیکن کام کتنا روشن ہو رہا ہے اس کا خیال رکھنا

ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کی اس بستی کو خوب شاد و آباد رکھیں۔

قرآن کریم کا کسی علم سے مقابلہ نہ کرو

اور علماء کرام جو اس وقت فارغ ہو رہے ہیں انہیں مولانا نے پوری طرح سے توجہ دلائی ہے اور ان کے حضرت شیخ نے بھی، اس لیے میرے کہنے کی ضرورت نہیں، میں تو سب طالب علم سے یہی کہتا ہوں کہ قرآن پاک کو کسی علم کے مقابلہ میں پیش مت کرو، کوئی کتاب کوئی علم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا چاہے وہ یورپ اور امریکہ میں ہو، وہاں کا اعلیٰ ترین دماغ رکھنے والا بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، وہ لوگ خدا کی قوت سے بے خبر ہیں مرنے کے بعد کیا ہوگا اس سے بے خبر ہیں، حالانکہ جتنے بھی انبیاء آئے انہوں نے یہی تعلیم دی کہ اپنی عاقبت کو سنبھالو، یہ دنیا تو ختم ہونے والی ہے تمہارا اصلی مقام وہاں ہے وہاں ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ جہنم رسید ہوگا {فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦} [سورۂ شعراء:۷]

دنیا ایک خواب ہے

حضور پاک ﷺ کی سنتوں کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھو، اس پر چلنے کی کوشش کرو ''بنی الاسلام علی خمس'' پانچ چیزیں کون سی مشکل ہے اپنے بچوں کو اس نعمت سے نوازو، اللہ تعالیٰ خوب خوش رکھیں گے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دنیا کیا ہے؟ یہ تو ایک خواب ہے، بڑے بڑے غافلین دنیا میں آئے اور چلے گئے ان کا آج دنیا میں کوئی نام لیوا نہیں ہے لیکن اللہ والے ابھی تک زندہ ہیں اور اخیر تک زندہ رہیں گے ان کا نام زندہ رہے گا قرآن کریم میں ہے {وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾} یعنی جو اللہ کی راہ میں قربان ہو چکے

ہیں ان کو مردہ تصور مت کرو بلکہ وہ زندہ ہیں جس کو تم نہیں سمجھ سکتے۔

طلبہ کرام کو نصیحت

جلسہ کا وقت بھی اب ختم ہو رہا ہے الحمد للہ آپ حضرات نے اچھی طرح بیٹھ کر سنا، اور علماء کرام نے بھی آپ کے سامنے خوب تقریریں کیں طلباء عظام نے بھی آپ کو خوب اچھے طریقے سے بتلایا کہ ہم بھی خدمت کرتے ہیں دین کے لیے تیار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان طلباء کرام کو دین کے لیے قبول فرمائیں، اب تو مولانا بن گئے بس طلبہ ہی کہو طالب علم ہمیشہ موت تک طالب علم ہی رہتا ہے، ہم نے تو ابھی تک طلب علم چھوڑا نہیں ہے جب بھی موقع ملتا ہے بلا مبالغہ کتاب ہاتھ میں دیکھو گے، اپنی تعریف مقصود نہیں ہے، موقع ہو اور کتاب ہو، کتاب سے غفلت نہیں کرنا چاہیے یہ بڑا جرم ہے، اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے، کتاب ہم کو دعوت دیتی ہے کہ مجھے پڑھو، کیوں بھئی! کتاب آپ کے ہاتھ میں ہوگی نا؟

یہ چند باتیں آپ حضرات نے سنیں، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پاک کی عظمت اور عزت پوری طرح واضح فرمادیں اور ہمارے دلوں میں اس کی عظمت اچھی طرح قائم و دائم رہے اور ہماری زندگی خوش حال رہے اور آخرت کی زندگی بھی کامیاب ہو جائے۔ آمین یارب العالمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مؤلف کی دیگر مفید کتابیں

اسلاف کی طالب علمانہ زندگی	محبت رسول نقل وعقل کی روشنی میں
الفیض الحجازی شرح المنتخب الحسامی	عیون البلاغۃ شرح دروس البلاغۃ
الرحمۃ الواسعہ فی حل البلاغۃ الواضحۃ	آسان حج (اردو، ہندی، گجراتی، انگریزی)
خطبات دعوت (اول) بیانات مولانا احمد لاٹ صاحب	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی زندگی
خطبات سلف (اول، دوم، سوم) علماء کرام سے خطاب	نفحۃ الدعوۃ والتبلیغ (عربی)
خطبات سلف (چہارم، پنجم) طلباء کرام سے خطاب	معراج کا سفر
خطبات سلف (ششم) حجاج کرام سے خطاب	شب برأت کا پیغام امت مسلمہ کے نام
رمضان المبارک تربیت کا مہینہ	شب قدر کا پیغام امت مسلمہ کے نام
اعتکاف کی حقیقت	عیدالفطر کا پیغام امت مسلمہ کے نام
عیدالاضحیٰ کا پیغام امت مسلمہ کے نام	حج کا پیغام امت مسلمہ کے نام
حجۃ الوداع یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا الوداعی حج	جمعہ عید کا دن ہے
مسجد اللہ کا گھر ہے	